شیرازہ

مہجور نمبر



ں اینڈ کشمیر اکیڈیمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز سرینگر

شیرازہ

جلد:-۴۳	۲۰۰۹ء	شمارہ ۸-۱۱

(مہجور نمبر)

نگران

محمد یوسف ٹینگ

مدیر

محمد احمد اندرابی

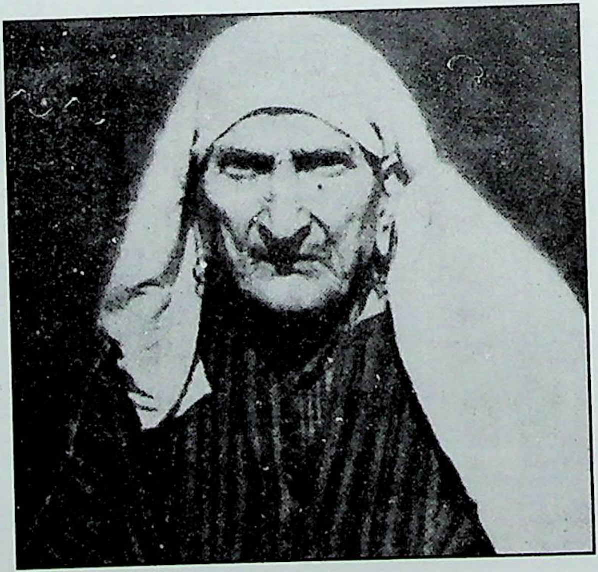
جموں اینڈ کشمیر اکیڈیمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگوئجز سرینگر

ناشر: سیکریٹری جموں اینڈ کشمیر اکیڈیمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز
سرینگر
کتاب کا نام:- شیرازہ مہجور نمبر
بار اول:- ۱۹۸۴ء
بار دوم:- ۲۰۰۹ء
تعداد:- 500
قیمت:- ہتھ روہ پیہ (Rs.100/=)
مطبع: جے کے آفسٹ پرنٹرز دہلی
کمپیوٹر کمپوزنگ: سید عرفان شفیع
ناظم طباعت:- ناظم الدین
معاون:- محمد امین
پروف:- سید افتخار احمد

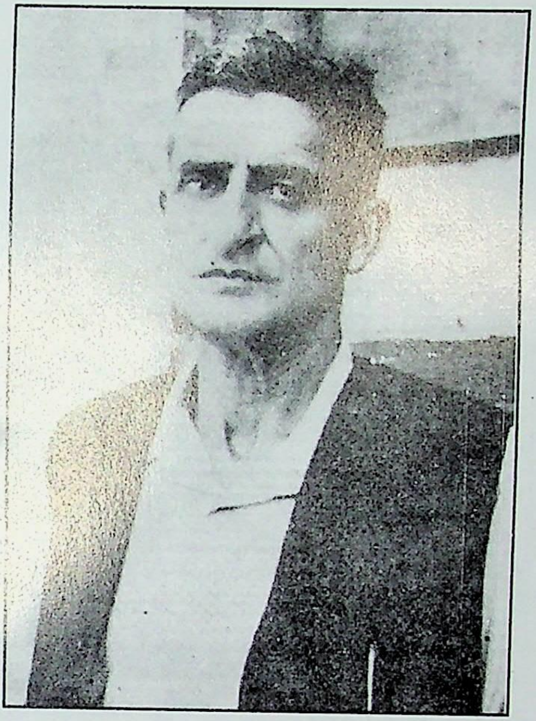
☆



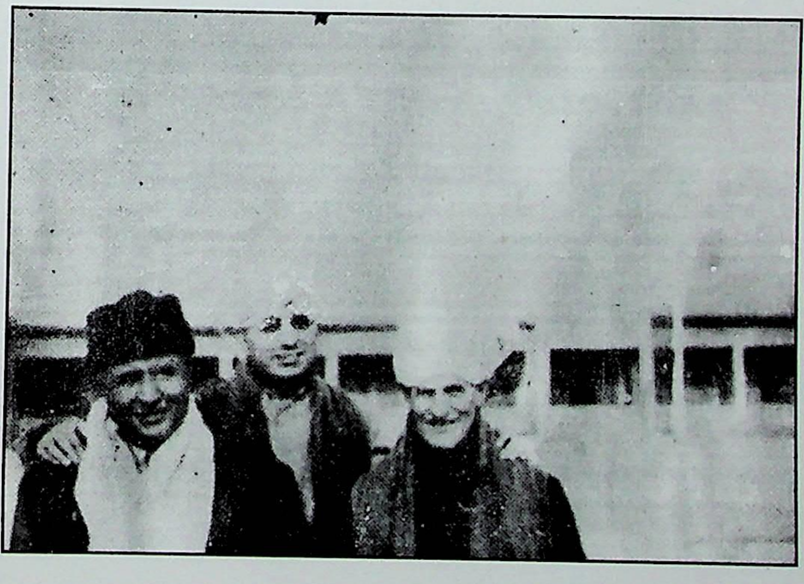
کل ہند رائٹرز اسمبلیٹ ۔ دہلی، ۱۹۵۱ء مہجور نے کشمیر کی نمایندگی۔ ایک یادگار تصویر



مہجور کی رفیقۂ حیات ـــ مہتاب بیگم وفات: ۱۹۹۲ء



(۱۰) مہجورؔ کے اکلوتے فرزند ــــــ محمد امین ابن مہجورؔ (۱۹۱۱ء ــــــ ۱۹۸۱ء)



(۱۵) مہجورؔ۔ پریم ناتھ پردیسی۔ مرزا عارف

ترتیب

غیر مطبوعہ۔نظم:۔

حصہ مکاتیب:۔

☆

پیش کلام

مجوریات کے حوالے سے کلچرل اکیڈیمی نے گزشتہ تقریباً پچیس برسوں سے جو کام کیا ہے اُس کی ہر سطح پر خاطر خواہ پذیرائی ہوئی ہے۔ ہمارے فاضل محققین اور مجوریات سے دلچسپی رکھنے والے علم دوست حضرات نے اکیڈیمی کی طرف سے مجؔور کے حوالے سے تالیف کی گئی متعدد کتابوں کو جس طرح ہاتھوں ہاتھ لیا اُس سے ہمیں آگے بڑھنے کا حوصلہ ملا ہے۔ مجؔور کے کلام کا اُردو ترجمہ زیورِ طباعت سے آراستہ ہو چکا ہے اور عنقریب ہی آپ کے ہاتھوں میں ہوگا۔ اِس سے مجؔور کے کلام اور افکار کو دُنیائے اُردو میں عام کرنے میں مدد ملے گی۔۔ شیرازہ اُردو کا مجؔور نمبر گزشتہ تقریباً دو دہائیوں سے مجوریات کے حوالے سے تشنگانِ علم و ادب کی پیاس بجھاتا چلا آرہا ہے اور ہاتھوں ہاتھ لئے جانے کی وجہ سے اِس کے سبھی پرنٹ ختم ہو چکے تھے۔ وسائل کی کمی اور دفتری بھول بھلیوں کے باوجود اپنے محترم قارئین کی خواہشات کا احترام، اور مجؔور شناسی کے جذبے اور طباعت کے جدید تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم شیرازہ

اُردو کے خصوصی نمبر کو قندِ مکرر کے طور شائع کر رہے ہیں۔ اس میں شامل مضامین ہماری ادبی اور ثقافتی تاریخ کا ایک حصہ ہیں۔ جن سے ہمارے محققین، مہجور شناس اور طلبہ فیض یاب ہوتے رہیں گے۔

مہجوریات کے موضوع پر اکیڈیمی کے پاس مزید کئی پروجیکٹ ہیں۔ انتخابِ کلامِ مہجورؔ Best of Mehjoor اکیڈیمی نے پہلے ہی مرتب کر کے شائع کیا ہے اور کوشش یہ بھی ہے کہ کُلیاتِ مہجورؔ کو انگریزی کی قبا پہنائی جائے تاکہ انگریزی داں طبقہ مہجورؔ کے افکار سے آشنا ہو سکے۔

ع

اللہ کرے مرحلہ شوق نہ ہو طے

ظفر اقبال منہاس

سیکریٹری

سرینگر

سوموار ۳۰ / مارچ ۲۰۰۹ء

حرفِ آغاز

مہجور کے بارے میں انکی وفات سے آج تک کے تیس بتیس سال میں کشمیر کے مختلف رسالوں کے تین نمبر شائع ہو چکے ہیں اور ''شیرازہ'' کا یہ ضخیم شُمارہ اسکی تازہ اور چوتھی کڑی ہے۔ عبدالاحد آزاد مرحوم کی معرکتہ الآرا کتاب ''کشمیری زبان اور شاعری'' کے تیسرے حصے کا بڑا حصہ بھی مہجور کی زندگی اور اُن کے فن پر روشنی ڈالتا ہے۔ یہ کتاب کلچرل اکادمی کی طرف سے اب دوسری بار چھاپی گئی ہے۔ اس کے علاوہ کلچرل اکادمی کی طرف سے صرف دو سال پہلے اسکا ایک بھاری بھرکم کشمیری کُلیات بھی چھپ گیا ہے جسمیں کلام کے علاوہ اس کے سوانحی کوائف اور حسبِ توفیق اس کی شاعری پر تنقید و تبصرہ بھی شامل ہے۔ کلیات میں مہجؔور کی لکھی ہوئی بہت سی غیر مطبوعہ نگارشات بھی شامل ہیں۔ اسکے باجود ''شیرازہ'' کا یہ مہجور نمبر شایع کرنے کی نوبت کیوں آئی ہے؟ کچھ دوست اسے مہجؔور کی خوش طالعی سے تعبیر کرینگے۔ لیکن دراصل واقعہ یہ ہے کہ مہجؔور کے بارے میں جتنا مواد دستیاب ہوتا ہے۔ اتنا ابھی تک کشمیری زبان کے کسی اور شاعر کے بارے میں نہیں ملتا۔ اس نمبر پر ایک سرسری نظر ڈال کر قارئین خود اندازہ کر پائیں گے کہ اسمیں بھی خود مہجؔور کی اپنی نوشتہ کتنی

غیر مطبوعہ چیزیں موجود ہیں۔ ان رشحات کی اہمیت مہجوریات کے علاوہ کشمیر کی ادبی، سماجی اور سیاسی زندگی کیلئے بھی بہت ہے اور بجائے خود یہی ایک بات اس نمبر کے جواز میں کافی ہے۔ لیکن اس کے علاوہ بھی بہت سے عوامل ہیں جنہوں نے ہمیں اس نمبر کی ترتیب پر اُکسایا۔ مہجورؔ کی شاعری کشمیر کی تحریک آزادی کے پہلو بہ پہلو پروان چڑھتی اور آگے بڑھتی ہے۔ اس لئے اس تحریک کی بہت سی پرچھائیاں کبھی دانستہ اور کبھی نادانستہ طور پر کلام مہجور کی آرسی میں جھلک آئی ہیں۔ اس اہم دور کے سیاسی، ادبی اور نفسیاتی محرکات اور تلازمات کیلئے مہجورؔ کی شاعری کا زیادہ عُمق سے مطالعہ کرنے کی اہمیت واضح ہوتی جارہی ہے۔ اور اسی انداز سے ان پر لکھنے لکھانے کا سلسلہ درازتر ہوتا جارہا ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی نظر میں رکھنا ہوگی کہ آج سے دو سال پہلے تک مہجور کا سارا کلام ایک جلد میں دستیاب نہ تھا۔ اس لئے اس کی عطا پر گہرائی اور گھیرائی کے ساتھ لکھنے میں عیاں مشکلات حائل تھیں۔ کلیات کی اشاعت نے شاعر کی ایک زیادہ مکمل تصویر سامنے لائی ہے اور اس لئے اس کے کارنامے کے کیف وکم پر زیادہ اعتماد کے ساتھ لکھا جاسکتا ہے۔

تیسرا پہلو یہ ہے کہ مہجورؔ ایک بڑی جامع شخصیت کا مالک تھا۔ شاعر۔ صحافی۔ مورخ، سخن فہم وسیع حلقہ احباب کا مالک یہ بات قابل غور ہے کہ اپنے زمانے کی تقریباً سبھی اہم شخصیات سے اسکا کسی نہ کسی تعلق سے ربط رہا ہے۔ علامہ اقبالؒ سے وہ تاریخ ادبیات کشمیر، کے متعلق خط وکتابت کرتا ہے تو رابندرناتھ ٹیگور کی فرمائش پر ان کے لئے حیاتِ حبہ خاتون اور اسکے گیت بھیجتا ہے۔ مہجورؔ پہلی بار اقبالؒ کے خیالات اور آہنگ سے کشمیری کو مانوس کرتا ہے اور ٹیگور اس کے گیتوں کا ترجمہ سُن کر اُن کی داد دیتا ہے مہجورؔ پروفیسر مجیب کیلئے حبہ خاتون کی سوانح لکھ کر بھیجتا ہے۔ جسکو مجیب صرف ترجمہ کرکے اور ڈرامے کا روپ دیکر اپنے نام سے

چھاپتا ہے اور مہجور کا رسمی شکریہ یا حوالہ دینے کو بھی اپنے لئے کسرِ شان سمجھتا ہے۔ مہجور نواب صدر یار جنگ سے مراسلت رکھتا ہے۔ وہی صدر یار جنگ جو نسا ابوالکلام کی ''غبار خاطر'' کا مخاطب ہے۔ محمد الدین فوق سے بھی دوستی کرتا ہے اور شیو نرائن شمیم سے بھی خط و کتابت اور ''کشمیر'' کے مولف غلام محی الدین صوفی کے ساتھ بھی۔ وہ شبلی نعمانی سے بھی ملتا ہے اور مرزا غلام احمد قادیانی سے بھی، کشمیر میں شیخ محمد عبداللہ، بخشی غلام محمد، مولانا محمد سعید مسعودی، خواجہ غلام محمد صادق، خواجہ غلام احمد عشائی اور پنڈت پریم ناتھ بزاز سے بھی موالنست اور قُربت رکھتا ہے اور خوشی محمد ناظر۔ بلہ کاک در، ماسٹر زندہ کول حیرت کاملی عبدالاحد آزاد، مرزا عارفؔ، دینا ناتھ نادمؔ، محمد امین کاملؔ، پروفیسر پشپؔ اور دوسرے کتنے ہی مشاہیر کے ساتھ اس کے تعلقات رہے ہیں۔ بلراج ساہنی ہو یا دیوندر سیتارتھی، اُس کے گرویدہ ہو جاتے ہیں۔ اس نے شخصی راج کے دکھ بھی سہے اور اسکا اندھیر بھی دیکھا۔ پھر اس نے تحریک آزادی کا اُبھار اور اسکا نقطہ عروج بھی دیکھا۔ وہ ایک رند بھی رہا اور حسن مجاز کا پرستار بھی۔ بقول آزادؔ۔

''آج بوڑھے نظر آتے ہیں۔ نتیجہ بھی دیکھو۔ ان کی محفل میں عورت کی جگہ خدا لینے لگا ہے۔ بڑھاپا۔ بس بڑھاپا (عارض کے نام خط یکم اسوج ۲۰۰۲ ب)

اس نے زندگی کی تلخیوں اور افلاس کی محرمیوں کو بھی اور زندگی کی نعمتوں سے بھی بھر کر دل بہلا لیا۔ اس نے کشمیریوں کے جذبہ حریت کی ترجمانی کی اور ان کی کامرانی کی بشارت بھی دی۔ لیکن مہاراجہ اور دوسرے دشمن عوام، کے قصائد بھی لکھے۔ اس نے فارسی، اُردو اور کشمیری تینوں زبانوں میں لکھا۔ شعر بھی۔ تذکرہ اور تنقید بھی۔ ناول بھی ڈرامہ بھی۔ پٹوار نامہ بھی سوانحی ادب بھی۔ وہ ایک تقدس مآب پیر کی امیج بھی رکھتا تھا اور مے و مُطرب

غیر مطبوعہ چیزیں موجود ہیں۔ ان رشحات کی اہمیت مہجوریات کے علاوہ کشمیر کی ادبی، سماجی اور سیاسی زندگی کیلئے بھی بہت ہے اور بجائے خود یہی ایک بات اس نمبر کے جواز میں کافی ہے۔ لیکن اس کے علاوہ بھی بہت سے عوامل ہیں جنہوں نے ہمیں اس نمبر کی ترتیب پر اُکسایا۔ مہجورؔ کی شاعری کشمیر کی تحریک آزادی کے پہلو بہ پہلو پروان چڑھتی اور آگے بڑھتی ہے۔ اس لئے اس تحریک کی بہت سی پرچھائیاں کبھی دانستہ اور کبھی نادانستہ طور پر کلام مہجور کی آرسی میں جھلک آئی ہیں۔ اس اہم دور کے سیاسی، ادبی اور نفسیاتی محرکات اور تلازمات کیلئے مہجورؔ کی شاعری کا زیادہ عُمق سے مطالعہ کرنے کی اہمیت واضح ہوتی جارہی ہے۔ اور اسی انداز سے ان پر لکھنے لکھانے کا سلسلہ دراز تر ہوتا جارہا ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی نظر میں رکھنا ہوگی کہ آج سے دو سال پہلے تک مہجور کا سارا کلام ایک جلد میں دستیاب نہ تھا۔ اس لئے اس کی عطا پر گہرائی اور گیرائی کے ساتھ لکھنے میں عیاں مشکلات حائل تھیں۔ کلیات کی اشاعت نے شاعر کی ایک زیادہ مکمل تصویر سامنے لائی ہے اور اس لئے اس کے کارنامے کے کیف وکم پر زیادہ اعتماد کے ساتھ لکھا جاسکتا ہے۔

تیسرا پہلو یہ ہے کہ مہجورؔ ایک بڑی جامع شخصیت کا مالک تھا۔ شاعر۔ صحافی۔ مورخ۔ سخن فہم وسیع حلقہ احباب کا مالک یہ بات قابل غور ہے کہ اپنے زمانے کی تقریباً سبھی اہم شخصیات سے اسکا کسی نہ کسی تعلق سے ربط رہا ہے۔ علامہ اقبالؒ سے وہ تاریخ ادبیات کشمیر، کے متعلق خط وکتابت کرتا ہے تو رابندر ناتھ ٹیگور کی فرمائش پر ان کے لئے حیاتِ حبہ خاتون اور اسکے گیت بھیجتا ہے۔ مہجورؔ پہلی بار اقبالؒ کے خیالات اور آہنگ سے کشمیری کو مانوس کرتا ہے اور ٹیگور اس کے گیتوں کا ترجمہ سُن کر اُن کی داد دیتا ہے مہجورؔ پروفیسر مجیب کیلئے حبہ خاتون کی سوانح لکھ کر بھیجتا ہے۔ جسکو مجیب صرف ترجمہ کرکے اور ڈرامے کا روپ دیکر اپنے نام سے

چھاپتا ہے اور مہجور کا رسمی شکریہ یا حوالہ دینے کو بھی اپنے لئے کسرِ شان سمجھتا ہے۔ مہجور نواب صدر یار جنگ سے مراسلت رکھتا ہے۔ وہی صدر یار جنگ جونسا ابوالکلام کی ''غبار خاطر'' کا مخاطب ہے۔ محمد الدین فوق سے بھی دوستی کرتا ہے اور شیو نرائن شمیم سے بھی خط وکتابت اور ''کشمیر'' کے مولف غلام محی الدین صوفی کے ساتھ بھی۔ وہ شبلی نغمانی سے بھی ملتا ہے اور مرزا غلام احمد قادیانی سے بھی، کشمیر میں شیخ محمد عبداللہ، بخشی غلام محمد، مولانا محمد سعید مسعودی، خواجہ غلام محمد صادق، خواجہ غلام احمد عشائی اور پنڈت پریم ناتھ بزاز سے بھی موانست اور قُربت رکھتا ہے اور خوشی محمد ناظر۔ بلہ کاک در، ماسٹر زندہ کول حیرت کاملی عبدالاحد آزاد، مرزا عارف، دینا ناتھ نادم، محمد امین کامل، پروفیسر پشپ اور دوسرے کتنے ہی مشاہیر کے ساتھ اس کے تعلقات رہے ہیں۔ بلراج ساہنی ہو یا دیوندر ستیارتھی، اُس کے گرویدہ ہو جاتے ہیں۔ اس نے شخصی راج کے دکھ بھی سہے اور اسکا اندھیر بھی دیکھا۔ پھر اس نے تحریک آزادی کا اُبھار اور اسکا نقطہ عروج بھی دیکھا۔ وہ ایک رند بھی رہا اور حسن مجاز کا پرستار بھی۔ بقول آزاد۔

''آج بوڑھے نظر آتے ہیں۔ نتیجہ بھی دیکھو۔ ان کی محفل میں عورت کی جگہ خدا لینے لگا ہے۔

بڑھاپا۔ بس بڑھاپا (عارض کے نام خط یکم اسوج ۲۰۰۲ ب)

اس نے زندگی کی تلخیوں اور افلاس کی محرمیوں کو بھی اور زندگی کی نعمتوں سے بھی بھر کر دل بہلا لیا۔ اس نے کشمیریوں کے جذبہ حریت کی ترجمانی کی اور ان کی کامرانی کی بشارت بھی دی۔ لیکن مہاراجہ اور دوسرے دشمن عوام، کے قصائد بھی لکھے۔ اس نے فارسی، اُردو اور کشمیری تینوں زبانوں میں لکھا۔ شعر بھی۔ تذکرہ اور تنقید بھی۔ ناول بھی ڈرامہ بھی۔ پٹوار نامہ بھی سوانحی ادب بھی۔ وہ ایک تقدس مآب پیر کی امیج بھی رکھتا تھا اور مے ومُطرب

کارسیا بھی۔ غرض اسکے وجود میں کئی شخصیات ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو زندگی کا دلچسپ کھیل کھیلنے میں مصروف تھیں۔

یک کفِ جامِ شریعت، یک کفے سندانِ عشق
ہر ہوسنا کے نہ باشد جام و سندان باختن

ظاہر ہے کہ ایسے شاعر اور ایسے شخص کی پہلو دار زندگی پر اسی طرح مدت تک حروف و حکایت کا سلسلہ ختم نہ ہو سکے گا۔ جس طرح مرزا غالبؔ جیسی بھرپور شخصیت کے متعلق یہ سلسلہ تھمنے کو نہیں آرہا ہے۔ اسپر طرہ یہ کہ مہجور تاریخ کا گہرا شعور رکھتا تھا اور اس کے یہاں ہمیں اس کے ہر دور کے متعلق بہت سی یادداشتیں اور تحریرات محفوظ ملتی ہیں۔ جو ایک ایک کر کے روشن ہوتی جارہی ہیں۔ اور اس کے باوجود اس سلسلۂ زلفِ دراز کا دوسرا سرا نظر نہیں آتا۔ شاید رسول میرؔ نے ایسے ہی موقعے پر کہا تھا۔

زالہٕ ژانکن بال ییلہِ لاگہِ شُمار
پچھ لگہِ گنزرنس لچھ تے ہزار
اَمہِ شمایہِ نو موکلن یاپہ لولو

(محبوبہ اپنے نازِ زلف کا شمارہ شروع کرے تو اسمیں لاکھوں پر ہزاروں جھرنٹ ہونگے۔ کہیں اس معاملے کی بھی کوئی انتہا ہے؟)

تازہ شمارہ کے مشمولات پر نظر رکھنے کے باوجود صرف میری نظر میں مہجور سے متعلق ابھی اتنی چیزیں موجود ہیں کہ ان سے کئی اور نمبر ترتیب دیئے جا سکتے ہیں۔

مہجورؔ کی جانب تازہ توجہ کا بڑا سبب یہ بھی ہے کہ اُن کے یہاں کشمیر کے تشخص اور شناخت کا بڑا شدید احساس موجود ہے۔ نئی نسل کو اسکی یہ قوم پرستی بڑی بھائی ہے۔ وہ کشمیری

زبان کا مشہور و مقبول شاعر ہے اور ایک لحاظ سے اسکی کامرانی اور بخت بیداری کی علامت بھی بن گیا ہے۔ جوں جوں کشمیری اپنی زبان اور اپنے وطن کے بارے میں زیادہ عرفان و آگہی حاصل کرتے جا رہے ہیں۔ مہجورؔ کا ذکر ان کی اُمنگوں کو تسکین دیتا جاتا ہے۔

آخری بات یہ ہے کہ مہجورؔ کی صد سالہ برسی اس نمبر کے قارئین تک پہنچنے تک صرف دو سال دور رہ جائیگی۔ امید یہی ہے کہ اُس وقت یہ صدی تقریبات اسی احترام سے منائی جائیگی جس طرح اردو دوستوں نے غالبؔ اور اقبالؔ کی صدی تقریبات منائیں۔ اس صدی کو بامقصد اور معنی خیز بنانے کیلئے ضروری ہے کہ اس وقت سے پہلے مہجوریات سے متعلق تمام تفصیلی اور جزوی تحریری یادگاریں وغیرہ منظر عام پر لائی جائیں۔ ہمارے زیر نظر نمبر کے پس پردہ بھی یہی خیالات کارفرما رہے ہیں۔

مہجورؔ کے بارے میں پہلا خصوصی نمبر کشمیر کے پہلے ادبی رسالے ''کونگ پوش'' نے اپریل ۱۹۵۲ء میں نکالا تھا۔ اس رسالے کے سرپرست خواجہ غلام محمد صادق اور دینا ناتھ نادمؔ تھے اور اس کے ایڈیٹوریل بورڈ میں رحمٰن راہیؔ۔ نور محمد روشنؔ۔ سوم ناتھ زُتشی اور مہندر ناتھ شامل تھے۔ اس نمبر کو اولیت کا سہرا حاصل ہے اور یہ ۳۰×۲۰ کے بتیس صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں پی این کاچرو کا بنایا ہوا مہجور کا سیاہ روشنائی سے بنایا ہوا اسکیچ شامل ہے۔ نمبر میں مہجور سے متعلق ایک صفحے کا اداریہ ہے جو اس وقت کے ذہن کی عکاسی کرتے ہوئے ترقی پسندی، معیارِ سخن کا مظاہر کرتا ہے اور مہجورؔ کے بارے میں یہ بیان پیش کرتا ہے۔

''یہ ہمارے قومی شاعر حضرت مہجورؔ کی آواز ہے۔ جو حال حال ہی
میں بظاہر ہم سے جدا ہوئے انکا تعارُف کرنے کی کوئی ضرورت نہیں
کیونکہ خال ہی ایسا کوئی کشمیری ہوگا جو ان کے نام سے واقف نہ ہو۔

یہی نہیں۔ بلکہ ہندوستان اور پاکستان میں بھی اِن کی عظمت اور بلندی کے چرچے ہیں۔ اگرچہ جناب مہجورؔ ہم میں نہیں رہے لیکن انکے دل کی آواز ہر وقت ہمارے کانوں میں گونجتی ہے............صداقت کی آواز اس وقت تک گونجتی رہے گی جب تک مہجور صاحب کے گلشن میں سے باطل کی ظلمت ختم نہ ہو اور کوہسار تازہ پرکاش سے مُنور نہ ہوں"

اس نمبر میں مہجورؔ کی سوانح اور شاعری کے متعلق اداریہ کے علاوہ صرف امین کاملؔ کا ایک مضمون مہجورؔ کے چناروں تلے شایع ہوا ہے (جس میں کاملؔ نے لکھا ہے کہ وہ مہجورؔ پر کتاب لکھ رہے ہیں۔ جسکا یہ ایک باب ہے لیکن یہ کتاب آج تک سامنے نہیں آئی ہے) اس کے علاوہ اسمیں مہجورؔ پر ماسٹر زندہ کول، مرزا عارف، دینا ناتھ نادمؔ، نور محمد روشنؔ، رحمن راہیؔ، ارجن دیو مجبورؔ، غلام رسول مشتاقؔ، پریم ناتھ پرؔیمی، پیتامبر ناتھ فانیؔ، اور امین کاملؔ کے مرثیے چھپے ہیں۔ اردو میں منشی نردوش کی جو کہانی چھپی ہے۔ وہ مہجورؔ سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔ یہ نمبر چونکہ مہجور کی وفات کے بعد شائع کیا گیا تھا۔ لہٰذا اسمیں جذباتی کیفیت کا غلبہ قابل فہم ہے لیکن اسکی یہ اہمیت کیا کم ہے کہ اسمیں شایع شدہ کاملؔ صاحب کا مضمون ۲۹ سال بعد محکمہ اطلاعات کے ماہنامہ "تعمیر" کو ترجمہ کر کے شایع کرنا پڑا۔ اس نمبر کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہے۔ کہ اسمیں امین کاملؔ کی پہلی کشمیری منظوم کوشش شائع ہوئی اور اس طرح سے کشمیری ادب کو کاملؔ جیسا بلند مرتبہ ادیب نصیب ہوا۔

ماہنامہ "تعمیر" جو محکمہ اطلاعات جموں و کشمیر کیطرف سے ۱۹۵۶ء سے شائع ہونا شروع ہوا۔ نے اپریل ۱۹۵۷ء میں ایک اور مہجور نمبر شائع کیا یہ "کونگ پوش" کی ہی تقطیع پر شائع ہوا اور اسمیں آنجہانی موہن رینہ کی بنائی ہوئی مہجور کی رنگین اور خوبصورت تصویر بھی شائع

ہوئی۔اس نمبر کے مدیر شمیم احمد شمیم مرحوم تھے۔اور راقم الحروف کو یہ فخر حاصل ہے کہ وہ اس نمبر کا جوائنٹ ایڈیٹر تھا۔اس نمبر کی ضخامت متن کے ۹۲ اور تصویروں کے ۸ صفحے ہے اور اسمیں پہلی بار مہجور کے غیر مطبوعہ اور نہایت اہم اور دلچسپ فوٹو گراف شائع ہوئے۔ اسمیں اس وقت کے وزیر اعظم بخشی غلام محمد صاحب کا مضمون پہلے صفحے پر شائع ہوا جس میں وہ کہتے ہیں۔

''مہجور کی شاعری ہماری عظیم ادبی میراث ہے اس لئے مہجور کی یاد تازہ کرنا ایک اہم ادبی فریضہ ہے...........ریاست کے فن کاروں کو ریاست سے باہر متعارف کرنا بہت ضروری ہے اس سلسلے میں ''تعمیر'' کا مہجور نمبر ایک مبارک قدم ہے''

ادارے میں مدیر شمیم احمد شمیم نے لکھا ہے۔

''فکر وفن کے وہ معیار جو تنقید کی بنیاد ہوتے ہیں۔ہمارے ہاں ناپید ہیں۔اس لئے مہجور کی شخصیت اور فن کے بارے میں جو مضامین اس خاص نمبر کی زینت ہیں۔ان کا مطالعہ اس حقیقت کی روشنی میں کرنا ہوگا۔..........ان مضامین میں نقد کا جو معیار ہے۔وہ یا تو تاثراتی ہے یا انگریزی اور اردو سے مستعار''

اسمیں پہلی بار مہجور کی بہت سی نامانوس اور غیر مطبوعہ تصاویر کے علاوہ انکے دستخط کا عکس شائع ہوا ہے۔اپنی خوش نمائی اور ترتیب کے قرینے کے لحاظ سے یہ ریاستی جرائد کی تواریخ میں ایک نئی روایت کا آغاز کرتا ہے۔اسمیں بخشی غلام محمد سے منسوب ایک مضمون (جو دراصل کسی GHOST WRITER ... نے لکھا ہے) کہ علاوہ پی،این، پشپ

۔سری نواس لاہوئی۔ امین کامل، محمد یوسف ٹینگ، پدم ناتھ گنجو۔ مظفر عازم، حامدی کشمیری، پروفیسر محمد یوسف اور گھنشام سیٹھی کے مضامین شامل ہیں* جو دراصل راقم الحروف محمد یوسف ٹینگ نے لکھا ہے۔ چونکہ میرے نام سے نمبر میں ایک مضمون شامل تھا۔ اس لئے مدیر شمیم احمد شمیم نے اسے دوسرے نام کے تحت شائع کرنا مناسب سمجھا لیکن اب وقت آ گیا ہے کہ صورت حال کو واضح کیا جائے۔ واقع یہ ہے کہ راقم الحروف اُن دنوں ۱۹۵۲ء میں ایس، پی، کالج میں زیر تعلیم تھا اور مجھے مرزا عارف اور دینا ناتھ نادم نے اپنی LAND ROVER جیپ میں لالچوک سے اپنے ساتھ بٹھالیا تھا۔ اس مضمون میں یہ اہم اطلاع درج کرنے سے رہ گیا تھا کہ پلوامہ سے منزی گام تک اس سے پہلے گاڑیوں کی آمد ورفت کیلئے کوئی سڑک نہ تھی۔ بخشی غلام محمد چونکہ وہاں خود جانا چاہتے تھے اور وہاں سے مہجور کا جسد لے آنا چاہتے تھے۔ انہوں نے راتوں رات ایک کچی سڑک بنوائی اور اسی لئے ہماری جیپ کے علاوہ بخشی صاحب کی گاڑی بھی منزی گام پہنچ گئی۔

بہر کیف یہ ایک جملہ معترضہ تھا۔ اس نمبر میں غلام نبی خیالؔ، غلام محمد مشتاق اور عبدالمجید سائر کے کشمیری منظوم خراج عقیدت شائع ہوئے ہیں اور مہجورؔ کے تیئں قیصر قلندر۔ اکبر جے پوری اور کشن سمیل پوری کی اردو نظمیں خاص نمبر میں مہجور کی کچھ نظموں کے اردو نثر میں ترجمے شائع ہوئے ہیں اور مہجورؔ کی کچھ نمبر مطبوعہ فارسی، اردو اور کشمیری منظومات بھی جن میں ان کے لکھے ہوئے کچھ قطعات تاریخ بھی شامل ہیں۔ اسکے علاوہ اسمیں مہجورؔ کی نظم ''دسنگر مالن ہیو پراگاش'' کی شان نزول کے متعلق ان کی اس گفتگو کا Trans Cript بھی کشمیری میں دیا گیا ہے۔ جو انہوں نے ریڈیو کشمیر سے بچوں کے پروگرام میں کی تھی۔ شاید کشمیری نثر میں یہ مہجور کا واحد نمونہ ہے۔ افسوس ہے کہ اس براڈ کاسٹ کی ریکاڈنگ ریڈیو

* اس کے علاوہ غلام محی الدین مہجور کے نام کے تحت 'مہجور کا آخری سفر' مضمون شائع ہوا ہے۔

کشمیر میں ضائع کردی گئی ہے۔اوراس طرح مہجوؔر کی آواز کی امانت آئندہ نسلوں کیلئے محفوظ نہیں رہ سکی۔اس نمبر میں بلراج ساہنی کی وہ چھٹی بھی شامل ہے جن میں اس نے لکھا کہ بہ حیثیت ایکٹر میری سب سے بڑی تمنا یہ ہے کہ ایک دن مہجوؔر کی زندگی کو فلما سکوں۔اور فلم میں خودمہجور کا پارٹ کرسکوں۔کون کہہ سکتا ہے شاید یہ خواب کبھی پورا ہو ہی جائے۔چونکہ یہ بات دل سے نکلی تھی۔لہٰذا قبول ہوگئی۔مہجور کی زندگی پر فلم بنی اوراسمیں بلراج ساہنی کے بیٹے پریکشت نے مہجوؔر کا رول ادا کیا۔خود بلراج بھی اسمیں مہجوؔر کے والد کے رول میں شریک رہے۔

مہجوؔر پر ایک اور نمبر تعمیر کے دور جدید میں محکمہ اطلاعات کی طرف سے ہی شائع کیا گیا۔یہ اگست ستمبر ۸۱ء کی تاریخ لے کر چھپا اوراس کے مدیر خالد بشیر ہیں۔چھوٹی تقطیع کے اس نمبر کی ضخامت ۵۴ صفحات ہے اسمیں صرف ایک تصویر ہے جومہجوؔر کی بڑی عام تصویر ہے اس میں گورنر بی کے نہرو، وزیراعلیٰ شیخ محمد عبداللہ اور بیگم شیخ محمد عبداللہ کے پیغامات شامل ہیں۔شیخ صاحب اپنے پیغام میں کہتے ہیں۔

''مہجور ہماری قومی شاعری میں ایک اہم مقام رکھتے ہیں۔انہوں نے تحریک حریت کے دوران اپنی شاعری سے یہاں کے عوام کو جابرانہ نظام کے خلاف اُٹھ کر کھڑا ہونے کا حوصلہ دیا''

مضمون نگاروں میں موتی لال ساقیؔ رشید نازکی۔مرزا عارفؔ۔مشعل سلطان پوری، رسول پونپرؔ، طٰہٰ نازکی، بشرؔ بشیر، اطہر نعیم احمد اور غلام نبی ناظرؔ کے مضامین ہیں اور امین کاملؔ کے ایک شائع شدہ کشمیری مضمون کا ترجمہ۔نمبر میں عبدالاحد آزادؔ کے نام مہجور کے لکھے ہوئے ۲۲ ماگھ ۹۳ کے ایک خط کا عکس بھی شامل ہے۔

مہجوریات کی سب سے اہم کڑی عبدالاحد آزاد کی تصنیف سوانح مہجور ہے۔ جو کلچرل اکادمی کی طرف سے ''کشمیری زبان اور شاعری'' کی تیسری جلد میں شائع ہوئی ۱۹۶۱ء میں شائع ہونے والی یہ کتاب ۱۹۴۸ء سے پہلے لکھی گئی تھی اور یہ اس جلد کے سو ۱۰۰ بھر صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس سوانح کی ابتدا ہی ''کشمیری زبان اور شاعری'' کی تکمیل کی صورت میں انتہا کو پہونچی۔ اس سوانح کا خاکہ آزاد نے مہجور اور ابن مہجور کی اعانت سے بنایا تھا اور تعجب اُن رکنوں نے اس کا مسودہ بھی خود دیکھ لیا ہو مہجوریات میں اسکو اولیت اور استناد کا شرف حاصل ہے۔

اس کے بعد دو سال قبل اکادمی کے تحت راقم الحروف کی ترتیب سے مہجور کی کشمیری کلیات شائع ہوئی چونکہ کلیات بازار میں دستیاب ہے۔ اس لئے اُسپر بات کرنے کی یہاں ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ یہ کلیات متن کے ۲۷۴ صفحات کے علاوہ متعدد رنگین اور سیاہ و سفید تصویروں پر مشتمل ہے۔

یہ بات مہجور کی ہمہ جہت شخصیت کی خودنوشت تحریروں کی موجودگی اور اسکی فنی خوبیوں کا ثبوت ہے کہ جراید کے تین مہجور نمبروں ایک اچھی خاصی سوانح اور ایک کلیات کے شائع ہوجانے کے باوجود اس کنوئیں میں بیسیوں ڈول پانی موجود ہے۔ پچھلے مہجور نمبروں کی تاریخی تقدیم اور مہجور شناسی میں ان کی خدمت کے باوجود یہ بات کہنے میں کوئی حرج نہیں کہ زیر نظر مہجور نمبر اپنے متن اپنے پھیلاؤ (Range) اور اپنی صوری اور معنوی خوبیوں میں ان نمبروں سے ایک قدم آگے ہے۔ اس نمبر میں مہجور کی شخصیت اسکے زمانے اور اس کے فن کے متعلق خود مہجور کی ایسی تحریریں پہلی مرتبہ شائع کی جارہی ہیں۔ جو بہت ہی معنی خیز اور اہم ہیں۔ ان میں ایک تحریر میں اسکی ملازمت کے کوائف ہیں۔ جسمیں اُس عہد کے توہمات و

تعصّبات اور مہجورؔ کی سماجی حدود کا بھرپور نقشہ کھینچا گیا ہے۔ ایک اور تحریر میں اس نے اپنی زندگی اور ادب کے بارے میں اعتراضات کا جواب خود دیا ہے۔ اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ مہجورؔ کا فارسی اردو اور کشمیری ادب کا مطالعہ کتنا وسیع تھا اور اسپر حبہ خاتون۔ مقبول کرالہ واری اور رسول میر کا اثر کتنا گہرا رہ چکا وہ بار بار ذکر کرتا ہے۔ اور جنکے اشعار کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈال کران کا حسن نظروں کے سامنے لاتا ہے۔ افسوس یہ ہے کہ نند لال امبار دار کا مضمون ہمیں نہیں ملا۔ لیکن مہجورؔ کے جواب سے اعتراضات کی نوعیت صاف ہوجاتی ہے۔ مرزا عارف نے ان اعتراضات کو خوب اُچھالا ہے (تعمیر اور زیر نظر شمارے میں ان کے مضمونوں میں اس کا بار بار ذکر ہوا ہے) لیکن آج تقریباً پچاس سال کے بعد ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس کشمکش میں مہجورؔ کا موقف کتنا صحیح تھا۔ عارف نے دینا ناتھ نادم کی جس تنقید کا ذکر کیا ہے خوش قسمتی سے وہ موجود ہے اور اسکا متن یوں ہے۔

''ہماری شاعری کا موجودہ دور حضرت مہجورؔ کی شاعری سے شروع ہوتا ہے مہجورؔ وہ شاعر ہے جس نے کشمیری شاعری کو روایتی تشبیہات اور محاورات سے آزاد کر کے اصل کشمیری خیال کی ہم نوا بنا دیا۔ جو بیمار روحانیت ہماری شاعری میں فارسی شاعری کی نقل سے پیدا ہوگئی تھی اسے دور کردیا۔ مگر سامراجی اور جاگیردارانہ نظام کے اثرات سے مہجورؔ صاحب کی شاعری کسی حد تک ''ہے ہائے'' اور ''فرار کرو'' جیسے خیالات کو جھنجوڑ دیتی رہی۔ ہمیں مہجورؔ صاحب کی شاعری کیساتھ یہ بڑا گلہ ہے کہ وہ ہمیشہ عوامی ضروریات سے دور رہی۔ باغِ نشاط کے گُل کی اس وقت مہجورؔ کو تلاش تھی۔ جب غیر ذمہ دار نظام حکومت ہماری عوامی تحریک

کا گلا دبا رہا تھا۔ سنگینوں کو بلند کر رہا تھا اور ٹکٹکیاں[1] لگا رہا تھا۔ جس وقت نقارۂ انقلاب نے لوگوں کے خوابیدہ جذبات بیدار کر دیئے تھے اس وقت بھی مہجورؔ صاحب کا تخیل جھیل ڈل کے پانیوں میں ''درشن کیلئے کنول بن کر انتظار[2]'' کر رہا تھا۔ مہجورؔ صاحب اس وقت کشمیری ادب کے واحد خالق تھے (حالانکہ یہ بات غلط ہے۔ مہجورؔ چاہے سب سے اہم شاعر رہے ہوں مگر اس دور میں دوسرے شعراء مثلاً آزاد۔ فاضل وغیرہ بھی لکھ رہے تھے اگر وہ ذرا سا زیادہ حُریت فکر دکھاتے ''عوام اور عوام کے انقلاب کو از حد فایدہ حاصل ہو جاتا۔ بہر حال انہوں نے ہماری شاعری میں نیا پن لایا۔ حالانکہ ان کی بیشتر نظموں کا مضمون اور ہیت پرانے طریقے کی ہے۔ مگر روح نئی ہے۔ اس کے باوجود یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں کہ حضرت مہجورؔ کشمیری ادب کے بڑے معمار ہیں۔ ۳۸ء کے بعد انکی شاعری بھی بڑی حد تک عوامی طاقتوں کی ترجمانی کرتی ہے'')

کونگ پوش جلد (۱) ماہ ستمبر ۱۹۴۹ء''

''مگر کارواں سون برونہہ برونہہ پکاں گو''

از دنیا ناتھ نادم

اس تنقید کے جواب میں مہجورؔ نے اگر بقول عارف شدید ردِعمل ظاہر کیا تو آج اسکی وجہ

---

[1] ایک طرز کے کوڑے مارنے کی سزا جو ۱۹۳۱ء کے بعد کشمیر مجاہدین آزادی کو دی جاتی تھی اور اس سے وہ لہولہان ہو جاتے تھے

[2] مہجورؔ کے اس شعر کی طرف اشارہ ہے

کامہ دیو کر سیر ڈل بوزم شبس گژھ تیل بل

درشنس پہندِس ڈلس پمپوش لا رتھ پر رہا

سمجھ میں آتی ہے۔ مہجور شاعر تھے۔ ڈھنڈورچی یا نعرہ باز ''سُلہٕ غلہٕ دار'' نہیں تھے۔ انکی شاعری کا وہی حصہ ہمارے ادب کی آبرو ہے۔ جب انہوں نے راست طریقے پر بات نہ کر کے اپنے غنائیہ اسلوب کو نبھایا ہے۔ جب انہوں نے ''پوش نول'' کو لیٹنی پر لیکچر دینے کیلئے اُبھارا۔ تو وہ کشمیری شاعری کی فنی روایت سے دور جا پڑے۔ نادم کے ادبی مرتبے کا احساس واعتراف کرنے کے باوجود آج یہ کہنے میں باک نہیں ہے کہ تنقید کا یہ نظریہ ایک جمالیاتی کجروی کا نتیجہ تھا خود نادم نے بھی اپنی پرجوش ابتدا سے سفر شروع کر کے اب اپنی شاعری کا رُخ بالواسطہ اظہار کی طرف موڑ دیا ہے اور یہی مہجور کے نظریہ شاعری کی کامرانی ہے چنانچہ ۱۹۶۱ء میں نادم، مہجور کے بارے میں اس طرح گویا ہوتے ہیں ''ہمارا محبوب مہجور ہمارے آج کے دور کا پیامبر ہے یہ وہ عظیم الشان شاعر ہے۔ جس نے پہلے پہل ہمارے درد وغم کا مداوا تلاش کیا۔ جس نے پہلی بار باغ آزاد اور آباد دیکھنے کی تمنا کی۔ اسکے علاوہ اس نے اپنی پُر محبت آغوش میں ہمارے رازِ عشق پروان چڑھائے جو آئندہ ہماری رگوں کو سیراب کرتی رہی ''تعمیر'' جنوری ۶۱ء۔

مہجور پر عارف کے علاوہ کچھ اور حلقوں نے کبھی سرگوشی اور کبھی کھُلے انداز میں یہ اعتراضات کئے ہیں کہ انہوں نے حکمرانوں کی مدح قصیدے لکھ کے اور لیڈروں کی ذم کر کے اپنی موقع پرستی کا ثبوت دیا۔ یہ مہجور کی زندگی کا ایک ایسا گوشہ ہے جسکے متعلق ان کی زندگی میں بھی گرمیٔ گفتار جاری رہی۔ چنانچہ اس سلسلے میں پنڈت بلہ کاک در سے متعلق ان کے عقیدے پر سید مبارک شاہ فطرت نے بڑی زبردست چوٹیں کیں۔ اسی طرح مہاراجہ ہری سنگھ کے متعلق انکا قصیدہ بھی نظروں میں کھٹکتا رہا۔ ہم ان عقیدوں اور ان کے جواب کو اس نمبر میں شائع کر رہے ہیں۔ یہ تاریخ کا حصہ ہیں۔ ان پر چوری چھپے بات کرنے سے

بہتر ہے کہ انکو منظر عام پر لایا جائیگا۔ عارف صاحب کا یہ الزام محلِ نظر ہے کہ انہوں نے شیخ محمد عبداللہ کے عقیدے لکھے۔ شیخ صاحب اُس وقت کشمیریوں کی آزادی اور جدو جہد کی علامت تھے۔ کیا ان کی مدح موقع پرستی کی ذیل میں آتی ہے؟ اسپر مزید گفتگو کی گنجائش موجود ہے۔ لیکن یہ بات بھی مدنظر رہے کہ جب شیخ صاحب کی پہلی وزات میں مسائل پیدا ہوئے۔ تو مہجورؔ نے ''ہی گل لالو'' اور ''آزادی'' جیسی طنزیہ نظمیں تحریر کیں۔ اور اس کے باوجود شیخ محمد عبداللہ اور بخشی غلام محمد ان کی ایسی تعظیم کرتے رہے کہ جب نیڈوز ہوٹل میں ایک کُل ہند اردو مشاعرہ ہوتا ہے۔ جسمیں جوش ملیح آبادی جیسا نامور شاعر شریک ہوتا ہے تو مولانا مسعودی کی تجویز اور شیخ محمد عبداللہ کی تائید سے مہجورؔ کو مشاعرے کی شاہ نشین پر فائز کیا جاتا ہے اور جب شیخ صاحب انکی نظم ''نو کشمیر'' سنتے ہمیں تو داد سے ہال کو سر پر اٹھا لیتے ہیں (ملاحظہ ہوں اسی شمارے میں مہجورؔ کے خطوط) یہ بات بھی ملحوظ خاطر رکھنے کی ہے کہ مرزا غالبؔ کے علاوہ مولانا ابوالکلام آزاد اور علامہ اقبالؔ نے بھی زندگی کے مختلف ادولد میں اہلِ حکم کے قصیدے لکھے۔ لیکن اس سے انکے ادبی مرتبے پر حرف نہ آیا۔

کیا یہ قصرین انصاف نہیں کہ ہم مہجورؔ کو اس کے دور کی مجبوریوں کے چوکھٹے میں دیکھ کر ان قصائد کی توجیہ دریافت کریں مہجورؔ کا بیان ہے صرف یہ خیال رہے کہ مسلمان اور غیر مسلم ذکر دراصل طبقاتی کشمکش کا ایک استعارہ ہے۔

''بس مسلمان ملازم اپنی بے بسی اور بے کسی سے مجبور ہو کر اپنے افسران کو رشوتیں دیتا ہے۔ یا اپنے مذہب اور ضمیر کے خلاف کرتوت سے اپنے.........افسروں کو خوش رکھ کر ایامِ زندگی بسر کرتا ہے۔ اب اگر مسلمان اپنی قوم کا ہمدرد ہوگا تو اس پر بناوٹی اور فرضی مقدمات بنا کر اسکو تھوڑے عرصے کے اندر نکال دیتے ہیں'' (مضمون: ص ۲۵۱ پر)

مہجور پندرہ بیس روپے کے پٹواری تھے مجاہد نہ تھے اگر اقبال جیسا شاعر کہہ سکتا ہے تو ''قوال کو حال نہیں آتا'' یا ع

اقبال بڑا اپدیشک ہے من باتوں میں موہ لیتا ہے

گفتارہ کا وہ غازی تو بنا کردار کا غازی بن نہ سکا

تو میں جی اقبال کے مقابلے میں واقعی ایک ظلمت کدے میں سسک رہا تھا۔ اگر قصاید لکھنے پر مجبور ہوا تو کیا اسکے عوامل کو نہیں سمجھا جا سکتا؟ اگر مہجور کو ''شاعر کشمیر'' کہا جاتا ہے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ اس نے کشمیریوں کے جذبات انکی قومی شناخت اور انکی ارجمندی کی شاندار ترجمانی کی کشمیری زبان کو نئی زندگی عطا کی۔ حبہ خاتون اور رسول میر جیسے شعراء کی شخصیت اور عطا کو اُبھارا۔ کشمیریوں کے شاندار ماضی کو ابھار کر کشمیریوں کو نئی بلندیاں چھونے کی ترغیب دی۔ کلہن غنی اور صرفی کا ذکر کر کے انہیں تازہ فلمی اور ادبی فتوحات پر ابھارا اور انہیں راستے میں درپیش کھائیوں سے خبردار کرتے ہوئے انکے روشن مستقبل کی بشارت دی۔ ظاہر ہے کہ یہ ایسے افق ہیں کہ ان کے توسط سے مہجور کی ''کشمیریت'' کا ذکر اور اعتراف برابر ہوتا رہیگا۔

اس نمبر میں مہجور کے صاحبزادے ابن مہجور کے متعلق بھی ایک گوشہ فراہم کیا گیا ہے۔ ابن مہجور اپنے ممتاز والد کے فرزند ہونے کے علاوہ اس کے ادبی سفر کے ایسے ہمراز اور دمساز تھے۔ کہ انکا ذکر کرنے کے بغیر ذکر مہجور کا سوز و ساز آشکارا نہ ہو سکے گا۔ اس کے علاوہ ابن مہجور کے اپنے کمالات بھی تھے جن کے بل بوتے پر انکو اکادمی نے خلعت سے بھی نوازا تھا۔ انکا ذکر آج تک اکادمی کے کسی جریدے میں نہ ہوا تھا۔ مناسب ہے کہ انکا تذکرہ بھی اسی نمبر کی زینت بنے۔ اس نمبر میں مہجور کی رفیقہ حیات مہتاب بیگم کی تصویر بھی پہلی بار منظر

عام پر لائی جا رہی ہے۔ وہ پچھلے ہی سال اپنے نامدار شوہر کی وفات کے کوئی اکتیس سال بعد وفات پا گئیں۔ وہ آخر تک حکومت کشمیر سے ادبی وظیفہ حاصل کر رہی تھیں۔ وہ مہجورؔ کی زندگی میں پردہ نشین تھیں۔ لیکن ان کی وفات کے بعد ان کی بزرگی اور زہد و اتقاد نے بہت سے لوگوں کو انکا عقیدت مند بنا دیا تھا۔ جہاں تک اس نمبر کے مضامین کا تعلق ہے وہ آپ کے سامنے ہیں۔ شاید یہ کہنا غلط نہ ہو کہ ان مضامین میں مہجورؔ شناسی کے نئے زاویے بھی ملتے ہیں اور تجزیات میں گہرائی بھی نظر آتی ہے۔

اس نمبر کا ایک حصہ مہجورؔ کی بعض نگارشات کے منظوم ترجمے پر مشتمل ہے جو ہمارے ایک خوش گو شاعر سلطان الحق شہیدی نے کیا ہے۔ مہجورؔ کی بعض تخلیقات کے انگریزی متراجم شائع ہوتے ہیں۔ پاکستان میں بھی انکی بعض نظموں کا آزاد نظم کی صورت میں ترجمہ شائع ہوا ہے لیکن ہمارے یہاں یہ شاید کلام مہجورؔ کا پہلا منظوم اردو ترجمہ ہے شہیدی صاحب اس سے قبل اقبال کی ''پیامِ مشرق'' کا کشمیری ترجمہ کر چکے ہیں۔ اردو اور کشمیری زبانوں پر ان کی دسترس نے ان ترجموں کو ایک خاص کیفیت بخشی ہے۔

حُسنِ اتفاق سے مہجوریات ان پانچ کڑیوں، جنکا ذکر اوپر ہوا ہے ''میں تین یعنی تعمیر مہجور نمبر ۱۹۵۷ء''، ''کشمیری زبان اور شاعری'' اور کلیات مہجورؔ کے ساتھ راقم الحروف کا تعلق رہا ہے۔ میں اسے خوش بختی سمجھتا ہوں کہ اس نمبر کے ساتھ بھی میرا تعلق رہا اور اس طرح مہجوریات کے ساتھ یہ میرے تعلق کی چوتھی کڑی ہے۔ ع

این سعادت بہ زور باز و نیست

کچھ ذہنوں میں یہ خیال آسکتا ہے کہ اگر اس وقت تک اردو رسائل کے دو مہجور نمبر شائع ہوئے ہیں تو پھر یہ نمبر شائع کرنے کی ضرورت کیوں پیدا ہوئی؟ اسکا جواب یہ ہے کہ

اس نمبر کا مغز، جو مہجورؔ کے خودنوشت مضامین آپ بیتی وغیرہ پر مشتمل ہے۔ اردو میں ہی ہیں۔ تواریخی استناد کے پیش نظر ان کو اسی زبان میں پیش کرنا بہتر تھا۔ اس کے علاوہ اس نمبر کے لئے مہجورؔ کے خودنوشت یا ان کے نام دوستوں کے خطوط اردو میں حاصل ہونے شاید ان دنوں کشمیری میں خط و کتابت کا رواج شروع نہیں ہوا تھا پھر مہجورؔ کا فارسی اور اردو کلام جو اگر سارے کا سارا غیر مطبوعہ نہیں، مگر پھر بھی کم یاب ہے۔ اردو میں ہی ہے اس لئے نمبر کو اردو میں ہی شائع کرنا مناسب خیال کیا گیا۔ اسکا ضمنی نتیجہ یہ بھی ہے کہ مہجورؔ کو اردو حلقوں میں زیادہ بہتر طور سمجھا جا سکے گا۔ البتہ ان تمام نگارشات کو کشمیری میں ترجمہ کر کے شائع کرنیکی ضرورت اپنی جگہ موجود ہے۔

محمد یوسف ٹینگ

(مدیر اعلیٰ)

سرینگر: ۳۰ نومبر ۱۹۸۴ء

اسداللہ کاظمیؔ

مہجورؔ سے ملاقات

(اسداللہ کاظمی، شیخ محمد عبداللہ کے پہلے دورِ وزارت
(۱۹۴۸ـ۱۹۵۳ء) میں ریاست جموں وکشمیر کے ناظم تعلیمات
تھے۔ وہ بیرون ریاست سے آئے تھے۔ شعروسخن کا اچھا ذوق
رکھتے تھے اور مہجورؔ کے بڑے قدر سنج تھے.........................ادارہ)

مہجورؔ صاحب سے میری پہلی ملاقات ستمبر ۵۰ء میں ہوئی ان سے ملنے کی تمنا مدت سے تھی کئی بار یہ طے کیا کہ مترگام جاؤں اور کشمیر کے اس شاعر کی زیارت کروں جس کے نغموں نے کشمیر کی زندگی میں ایک نئی لہک پیدا کی تھی اور اس کے گُل بوٹوں کو ایک نئی تابنا کی بخشی تھی جس کے گیتوں نے بے زبان اور ستم رسیدہ کشمیری کے دل کی دھڑکنوں کو دنیا کے کانوں تک پہنچایا تھا اور جس کے کلام نے قوم کی کھوئی ہوئی آبرو اور مٹے ہوئے وقار کی داستانوں کو پھر سے دہرایا تھا۔ لیکن کچھ ایسا ہی ہوا کہ متریگام نہ پایا اور زیارت کی یہ آرزو ۵۰ء تک پوری نہ ہوئی۔

ستمبر ۵۰ء کی شاید ۲۵ رتاریخ تھی میں سیلاب زدگان کے کیمپ سے ہاراتھ کا اپنے دفتر میں آکر بیٹھا ہی تھا کہ چپراسی نے ایک کاغذ کا پرزہ سامنے رکھا جس پر مہجورؔ کاشمیری

لکھا تھا۔ پہلے تو میں نے سمجھا کہ شاید میری آنکھوں نے دھوکا کھایا سن چکا تھا کہ مہجور صاحب عرصہ سے گوشہ نشین ہو چکے ہیں اور اب لوگوں سے ذرا کم ہی ملتے جلتے ہیں کاغذ کو دوبارہ پڑھا شبہ کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ میں نے آدمی سے کہا فوراً بلاؤ۔ تھوڑی دیر میں ایک بزرگ اندر تشریف لائے کوئی ساٹھ پینسٹھ کی عمر، میانہ قد، کھلتا ہوا رنگ، متین چہرہ اور ذہین آنکھیں۔ لباس سادہ، وضع قطع میں دیہاتی معصومیت ایک خاص شاعرانہ بانکپن یہ تھے حضرت مہجور شہر کی نفاست اور دیہات کی لطافت کا ایسا روح پرور امتزاج میں نے کم دیکھا ہے کوئی دو گھنٹہ بات چیت رہی دس منٹ کے بعد ہی ایسا معلوم ہونے لگا کہ گویا برسوں سے مہجور صاحب کو جانتا ہوں۔ باتوں میں تعلقات دیرینہ کی سی حلاوت تھی اور لب ولہجہ میں خلوص کی چاشنی۔ آنیکی وجہ نہ انہوں نے مجھے بتائی اور نہ مجھے پوچھنے کی جرأت ہوئی۔ میں تو اسے اپنے جذبہ شوق کا ایک کھلا معجزہ سمجھتا رہا۔

چلتے وقت میں نے عرض کیا کہ ابھی سیری نہیں ہوئی بس ملاقات کی تجدید چاہتا ہوں۔ فرمایا پھر کبھی حاضر ہونگا۔ میں نے کہا حضرت کل دن بھر کے لئے باہر دورہ پر جا رہا ہوں۔ اگر آپ ساتھ چلیں تو اس حج کا ثواب نذر کروں جو ابھی تک کر تو نہیں پایا لیکن جس کی تمنا ضروری ہے ہنس کر کہنے لگے۔ ایسے سودے مشکل سے نصیب ہوتے ہیں۔ ضرور چلونگا۔ اس دن کا دورہ کبھی نہیں بھولوں گا یوں تو اکثر دوروں پر جاتا رہتا تھا لیکن اس دن کا کچھ اور ہی عالم تھا اصل تو یہ ہے کہ کشمیر کے اصلی رنگ وروپ کو صحیح طور پر اسی دن پہچانا۔ کشمیر کے حسن کا بیان اور اس کے شاعر اعظم کی زبان سے دلوی کے چپے چپے، بوٹے بوٹے کی رنگینی، اس کے بہتے چشموں کا زیر و بم کے

مرغ زاروں کا لہلہاتا جمال ۔ اس کے پہاڑوں کا پروقار حسن ۔ ان سب کا ذکر اس لطف وخوبی سے کرتے تھے کہ روح وجد میں آتی تھی ان کو اپنے ملک سے ایک والہانہ محبت تھی۔ میں نے وطن کے ایسے پجاری کم دیکھے ہیں۔ وطن کا ہر ذرہ ان کیلئے ایک دیوتا تھا۔ اسی جذبہ وطن پرستی نے ان کی شخصیت کے مختلف گوشوں اور میلوؤں کو ایک یگانگیت اور وحدت بخشی تھی اور ان کے کلام کو قبولیت عام کا رتبہ عطا کیا تھا۔

اس دن مجھے اس کا بھی پتہ لگا کہ وہ کس قدر ہر دلعزیز تھے۔ وادی کے ایک دور افتادہ مقام پر ایک چھوٹے سے پرایمری سکول کے بچوں کا وہ عالم عمر بھر نہیں بھول سکتا جوان پر سنکر طاری ہوا کہ میرے ساتھ مہجورؔ صاحب آئے ہیں۔ مہجورؔ کی نظمیں اور گیت وہ جانتے تھے۔ لیکن مہجورؔ کو کبھی دیکھا نہ تھا بے لوث اور معصوم عقیدت کا یہ ہوش اظہار جو زبان کی بجائے آنکھوں سے ادا کیا جا رہا تھا۔ کتنا دلکش اور پُر کیف تھا کہہ نہیں سکتا ....شام کے وقت واپسی پر ایک سوشل ایجوکیشن سنٹر دیکھا تھا جہاں پکی عمر کے لوگوں کو پڑھنا لکھنا سکھایا جاتا تھا۔ اس سنٹر پر کوئی ایک سو کے قریب آدمی موجود تھے۔ سنٹر کا کام دیکھنے کے بعد میں نے کہا کسی کو مہجورؔ صاحب کی کوئی نظم یاد ہو تو سنائے۔ ہر شخص تیار تھا کچھ نظمیں سنیں، میں نے پوچھا مہجورؔ صاحب کو دیکھا ہے۔ کہا نہیں۔ جب میں نے بتایا کہ مہجورؔ صاحب جو میرے ساتھ موجود ہیں، تو ان غریب دیہاتیوں کا جوش عقیدت دیکھنے کے قابل تھا یا تو اب تک ناظم تعلیمات ساری توجہات کے مرکز تھے۔ اب وہ پس پشت تھے اور سارے مجمع کی نگاہیں مہجورؔ صاحب کے چہرہ پر بکھری پڑی تھیں۔ لوگوں کے اسرار اور میری درخواست پر انہوں نے مجمع سے کچھ دیر خطاب کیا۔ اور اپنی ایک نظم بھی سنائی۔ وہ لوگوں سے باتیں کررہے تھے اور میں پیچھے کھڑا ہوا

لوگوں کی اس ارادت اور عقیدت کے مزے لے رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ جو قوم اپنے شاعر کی اتنی عزت کرسکتی ہے وہ کبھی مر نہیں سکتی۔ جب وہاں سے چلا ہوں تو دل میں شعر کے اعجاز کا احساس اور کشمیر کی سخن پروری کا اعتراف کر چلا ہوں۔

یہ تھی میری پچھلی ملاقات مہجورؔ صاحب سے۔ اس کے بعد ملاقاتوں کا سلسلہ برابر جاری رہا اور جلدی ایک پُر کیف خلوص اور روز افزوں محبت کا رشتہ قائم ہو گیا۔ نومبر میں ہم لوگوں کو جموں آنا تھا مرحوم کشمیر کی ایک مربوط اور مستند تاریخ لکھنے کے لئے مواد جمع کر رہے تھے۔ چلتے وقت ان سے وعدہ لیا کہ سردیوں میں جموں آئیں اور اس مضمون پر یہاں کی کتابوں سے مستفید ہوں چنانچہ دسمبر میں وہ جموں سے میرے پاس آ کر کوئی دو ماہ مقیم رہے۔ اس تھوڑے عرصے میں گھر کا ہر فرد بشر ان کا گرویدہ ہو گیا۔ بچے تو انہیں ایک منٹ کے لئے بھی نہ چھوڑتے تھے۔ اب معلوم ہوتا تھا کہ مرحوم میرے خاندان کے ایک رکن ہیں۔ سردیوں کی طویل شاموں میں محفل شعر و سخن بپا ہوتی ار گھنٹوں ہم کشمیر کی تاریخ کے قصے اس کے اکابران علم دفن ارباب فکر و عمل، حضرات اہل علم کی داستانیں سنتے اور مرحوم کے لطف بیاں سے محظوظ ہوتے ان صحبتوں کا ایک اثر تو یہ ہوا کہ ہم لوگوں کے لئے کشمیر اب ایک اجنبی ملک نہ رہا اور ہماری رگوں میں جو تھوڑا بہت کشمیری خواں ہے وہ جوش میں آنے لگا اور دوسری یہ کہ کشمیر کی تاریخ و تمدن ادب و موسیقی سے بہت گہری دلچسپی پیدا ہو گئی یہ انہیں سبق کے طفیل تھا کہ میرے یہاں کشمیر کے چند مایہ ناز معماران تمدن کی یاد تازہ کرنیکا ارادہ پیدا ہوا اور چنانچہ گوشتہ اکتوبر میں یوم حبہ خاتون اسی ارادہ کی تکمیل میں منایا گیا۔

جموں کے قیام کا ایک اور بھی معنی خیز نتیجہ ہوا۔ مرحوم اس زمانہ میں جناب شیخ

صاحب کے قریب تر آ گئے۔ اور ان کو اس کا موقعہ ملا کہ جس قومی رہنما کے متعلق انہوں نے اپنی ایک نظم میں بشارت کی تھی وہ اس کو کس طرح پورا کر رہا ہے۔ چنانچہ کشمیر کی قسمت بدلنے والا اس کے سوئے ہوئے نصیب کو جگانے والا لیڈر اور اس دور کی جو اسی لیڈر کی بدولت وجود میں آیا تھا بشارت دینے والا شاعر ایک دوسرے کو اچھی طرح جان گئے۔ شیخ صاحب کی ہمت، ان کی جوانمردی اور وفا شعاری کے وہ پہلے سے قائل تھے اب اس درد اور محبت سے بھی واقف ہو گئے جو شیخ صاحب کے دل میں اپنے وطن سے نئے کشمیر کے بعد ہے۔

پچھلی گرمیوں میں جب وہ دفعتاً سخت علیل ہو گئے تو کشمیر پر ایک عجب اداسی تھی خدا شیخ صاحب کو خوش رکھے اور انہیں دین و دنیا کی نعمتیں بخشے کہ انہوں نے آڑے وقت مسیحائی کی متعدد ڈاکٹر متریگام بھجوائے۔ جن کی محنت ٹھکانے لگی اور مہجور صاحب موت کے منہ سے نکل آئے۔ نکل تو آئے لیکن نیم جان ہو کر۔ میں متریگام گیا اور جب اطمینان ہو گیا کہ اب وہ چل پھر سکتے ہیں انہیں اپنے یہاں سرینگر بلوالیا۔ طبیعت ٹھیک ہو چلی تھی لیکن ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ ابھی کچھ خطرہ باقی ہے احتیاط اور پرہیز لازمی ہے ان کے آجانے سے میرا گھر کشمیر کی تاریخ اس کی شاعری، ادب و موسیقی کی پر لطف داستانوں سے گونجنے لگا کشمیری موسیقی کی ترقی اور ترویج کے جو اقدامات محکمہ تعلیمات کر رہا تھا انہیں دیکھا اور خوش ہوئے یوم حبہ خاتون کے سلسلے میں گراں قدر مشورے دیں گے۔ جس آب و تاب اور کامیابی کے ساتھ دن منایا گیا بڑی حد تک مرحوم کا وجود اس کا ذمہ دار تھا۔ ان کاموں سے فارغ ہو کر کچھ دنوں کیلئے متریگام چلے گئے میرے جموں آنے سے دو ہفتہ قبل پھر سرینگر واپس تشریف لائے

اور اپنے ہی گھر میں قیام کیا۔ جس دن میں چل رہا تھا مجھے رخصت کرنے میرے گھر آئے ۔ گھر کے ہر بڑے چھوٹے سے ملے اور چلتے وقت مجھ سے وعدہ کیا اگر ڈاکٹروں نے اجازت دی تو ضرور جموں آؤنگا۔ کیا خبر تھی کہ زندگی میں یہاں سے آخری ملاقات ہوگی۔ تمنا تھی کہ جس سخن پروری کی مثال قائم کر کے حکومت جموں و کشمیر نے اس شاعر اعظم کو سول پنشن عطا کی تھی اس کی بدولت زندگی کے باقی ایام آرام سے گذار سکیں گے لیکن خدا کو کچھ یہی منظور تھا کہ عین کامیابی کے وقت وہ ہمیشہ کیلئے ہم سے جدا ہو گئے ۔ مہجورؔ صاحب کے ہجر کا زمانہ ختم ہوا۔ وہ اللہ کو پیارے ہوئے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون ۔ (ہم سب اسی کی طرف سے آتے ہیں اور اسی کی طرف جانے والے ہیں)

مقالہ نگار حضرات سے گزارش

اپنی نگارشات کاغذ کے ایک طرف خوشخط لکھ کر بھیجئے۔ اپنا مکمل پتہ لکھنا اور اس میں تبدیلی کی صورت میں ہمارے دفتر کو اطلاع دینا نہ بھولیں۔

مہجورؔ اور اُن کے ہم عصر

مہجورؔ کسی تعارف کے محتاج نہیں ہمارے دور میں جتنی توجہ کے مرکز آپ رہے اور جتنی شہرت آپکو نصیب ہوئی وہ اظہر من الشّمس ہے۔آپ نے کشمیری زبان میں جو کچھ کہا زبان زدِ عوام ہوا۔شادی بیاہ کے مواقع پر، گانے بجانے کی محفلوں میں چھکری اور ناچ ونغمہ کیلئے آپکی غزلیات کو بیحد پسند کیا جاتا رہا۔آج بھی آپ کی غزلیں جوان ہیں۔اپنی نغمگی ،تازگی اور کشش کیلئے مسحور کن ہیں۔آپ کشمیری زبان کے غزل گو شعراء کی صف میں ایک درخشندہ تارے کی طرح روشن ہیں۔

چھتیس برس کی عمر تک آپ فارسی اور اردو میں طبع آزمائی کرتے رہے لیکن کوئی بات نہیں بن سکی، گم نام کے گمنام رہے۔فارسی گو شعراء میں نام پیدا کرنا آسان کام نہیں تھا۔نہ آپکی اردو پر اتنی دست رس تھی۔آخر ۱۹۲۳ء سے کشمیری زبان میں طبع آزمائی شروع کی ابتدا ایسی غزلوں کی طرزوں سے ہوئی جو قبول عوام حاصل کر چکی تھیں یا ایسے فلمی گانوں کی لے میں جو عام ہو چکی تھیں (آپ کے چھپے ہوئے کلام کے ہر ورق پر فلمی گانوں کے بول درج ہوا کرتے تھے) نتیجہ خاطر خواہ نکلا۔شہرت پاؤں چومنے لگی۔ہر جگہ آپکے کلام کو پسند کیا جانے لگا۔خصوصیت سے عورتوں کی محفلوں میں

اور عام لوگوں کیلئے گانے والی جماعتوں میں۔

خوش قسمتی سے مہجورؔ کو ایسے خوش لحن نوجوان گوّیے بھی ملے جن کی ترنم ریز آواز نے ساری وادی کو ایک نغمہ زار میں تبدیل کیا۔ ان میں غلام محمد لوجریؒ کا نام سرفہرست ہے۔ اس کی گائی ہوئی غزلیں صدا بند ہوئیں اور گھر گھر ان کے ریکارڈ بجائے جانے لگے۔

مہجورؔ اپنے ہمعصر متصوف شعراء سے الگ تھلگ رہتے تھے اور اسطرح سے گویا اپنی دنیا آپ پیدا کرنیکے قائل تھے۔ اگرچہ اوائل عمر میں تصوف کیطرف مائل ہوئے تھے۔ لیکن ایک مرشد کامل رحیم صاحب سے بیعت کا شرف حاصل کیا تھا۔ چنانچہ انکی توصیف میں ایک اردو کتابچہ بھی سپرد قلم کیا تھا لیکن تصوف کی پُرخمار وادی میں گامزن ہونے کے بجائے وہ ظاہری حسن کے لالہ زار کے پرستار ہوگئے۔ اس اتفاق کو کشمیر زبان کی خوش بختی کہیے ورنہ بزرگ شعراء کی صف میں ایک اور شمس فقیر کا اضافہ ہوتا اور جو کچھ مہجورؔ نے اس زبان کو دیا اس سے وہ محروم رہتی۔ مہجورؔ اپنے ساتھ ہر وقت ایک ایسے منتخب گوّیے کو رکھا کرتے تھے جو ان کی تازہ ترین غزل کو گا کر سنایا کرتا تھا۔ اس لڑکے کو پُرانی اصطلاح میں راوی کہا جاتا تھا۔

ان دو تدابیر کے علاوہ آپ اپنے صاحبزادے محمد امین ابن مہجورؔ سے اپنی غزل اپنے سامنے گوّایا کرتے تھے اور جہاں کہیں کانٹ چھانٹ کی ضرورت ہوتی مشورے سے کرتے۔ مہجورؔ کی غزل کو بعد میں ابن مہجورؔ گوّیوں کے سپرد کرتے تھے اور لے پسند کر کے ان لوگوں کو ہدایت دیتے کہ جب تک تازہ کلام مہجور کا شمارہ چھپ کر نہ جائے وہ اس غزل کو صیغہ راز میں رکھیں۔

غزلیات کی جتنی تراش خراش مہجورؔ کی ہے اور جتنی احتیاط قابل قبول اور مقبول طرزوں پر کلام کو ڈھالنے میں آپ نے روا رکھی ہے شاید ہی کسی دیگر زبان کا کوئی شاعر کر پایا ہو یہی وجہ ہے کہ آپ کا کلام اتنا ضخیم نہیں ہے نہ اتنا عمیق ہے جتنا آپ جیسے بزرگ شاعر سے توقع کی جاسکتی تھی۔

آپکے ہمعصر شاعر ماسٹر زندہ کول نے ۱۸۸۴ء تا ۱۹۶۶ء آپ کی شاعری پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''مہجورؔ جھیل ڈل کے سینہ پر ایک کنول کی طرح کھلا ہوا ہے۔ مگر سطح سے نیچے کی گہرائیوں پر نگاہ نہیں جاسکی'' (پرمانند بے زندہ کول)

نگاہ ادھر جاتی بھی کیسے کیونکہ مہجورؔ کا دھیان قبول عام کی طرف تھا' ترنم پر مرکوز تھا' ساز و آواز کی جانب تھا۔ معانی و مطالب کی گیرائی و گہرائی کیطرف نہیں۔

شہرت کے شیش محل میں آپ شگاف آتے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ ذرا سی تنقید سے گھبرا اٹھتے تھے۔ سری پرتاپ کالج کے میگزین میں نندہ لعل امباردار ''ننہ'' نے (ب ۱۹۱۵م ۱۹۷۳ء) آپکی شاعری پر چندہ ناخوشگوار باتیں لکھیں تو آپ سٹ پٹائے۔ دینا ناتھ نادم نے (۱۹۱۶ء) رسالہ کونگ پوش میں ہلکی پھلکی سی گستاخی کی تو آپ سیخ پا ہوگئے۔

آپ کے اکثر نامور ہمعصر شاعروں نے کشمیری زبان کی طرف سے نظریں ہٹالیں۔ حیرت کاملی (ب ۱۸۹۰ء ۱۹۶۸ء) نے کشمیری میں مثنوی رعنا و زیبا لکھ کر بعد میں فارسی زبان کی آبیاری کی اور بیش بہا تخلیقات سے اس زبان کو مزین کیا۔ آپ کشمیر بزم ادب کی تحریک سے متاثر ہوئے۔ خلوت سے جلوت میں آئے۔ اور ۱۹۴۳ء (بزم ادب کے قیام) سے دوبارہ کشمیری زبان و ادب کی خدمت میں

مصروف ہو گئے کشمیری رسم الخط کی نظر ثانی کے ابتدائی ایام میں حیرت کاملی، مرزا عارف، پی این پشپ، عبدالحق برق، مکھن لعل محو وغیرہ کے ساتھ متعدد میٹنگوں میں شامل رہے۔ آپ فن موسیقی کے ماہرین میں شمار ہوتے تھے اور آپ نے استادِ فن کی حیثیت میں چند عمدہ مقالے بھی تحریر کیے۔

مبارک شاہ فطرت گیلانی (پ ۱۸۹۹ء) فارسی کے دوسرے عظیم شاعر ہیں اور ماہر فن موسیقی بھی حیرت کاملی کی طرح کشمیری زبان سے ان کا بہت کم لگاو رہا۔ سید شمس الدین غمگین رتن پوری (پ ۱۹۰۴ء) بھی فارسی گو شعراء کی صف اول میں شمار ہوتے ہیں۔ مگر آپ نے کشمیری زبان کا دامن بھی ہاتھ میں تھامے رکھا۔ آپ پہلے باکمال شاعر ہیں جنہوں نے کشمیری کو بے نقطہ نظم سے آراستہ کیا (گلریز جلد نمبر ۲ ۱۹۵۲ء) آپ نے اپنے کشمیری کلام کو شمع روشن کے نام سے چھپوا دیا ہے۔ اور منظوم ترجمہ سورہ یوسف بھی۔ ان تینوں شعرائے گرامی میں ایک قدر مشترک یہ رہی ہے کہ شہرت سے متنفر رہے ہیں اور حال مست رہکر اپنی انا کی نگہبانی کی ہے۔

خالص فارسی گو شعراء میں محمد امین داراب مہجور کے ایک عظیم ہمعصر شاعر تھے۔ آپ نے شاید کشمیری زبان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ مگر فارسی میں ان کی عظمت مسلمہ تھی۔

ماسٹر زندہ لعل کول "ماسٹر جی" کے نام سے مشہور تھے۔ آپ فارسی، اردو اور کشمیری تینوں زبانوں میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ ماسٹر جی (پ ۱۸۸۴ء ۱۹۶۶ء) باجود کمال فن اور قبولیت عوام گوشہ نشینی پر قانع رہے۔ آپ پہلے کشمیری شاعر ہیں جنکی کتاب "دسمرُن" کو ساہتیہ اکادمی کا ایوارڈ دیا گیا۔ آپ کے کلام میں تخیل کی گہرائی بھی ہے اور تصوف کی

چاشنی بھی۔ آپ انگریزی زبان کی بھی خاصی مہارت رکھتے تھے۔ آپ نے پر مانند (۱۸۷۹ء تا ۱۹۷۱ء) کے کشمیری کلام کو انگریزی کا روپ عطا کیا ہے۔

عبدالقدوس رسا جاودانی (ب ۱۹۰۷ء و ۱۹۸۲ء) بھدرواہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ اردو زبان کے بھی اچھے شاعر تھے اور کشمیری زبان کے بھی مقبول عوام شاعر تھے۔ آپ کی رسیلی کشمیری غزلیں نہ صرف بھدرواہ، کشتواڑ اور ڈوڈہ میں مزے لے لیکر گائی جاتی تھیں بلکہ ریڈیو کشمیر نے ان کی غزلیات کو کشمیر کی وادی میں عوام تک پہنچایا۔

کشمیر صغیر (بھدرواہ) جہاں کی زبان ٹکسالی نہیں، کرخت ہے، اور غیر مانوس الفاظ کی وجہ سے وادی کے کشمیریوں کے لئے غیر فہم بھی ہے، رسا کا مسکن رہا، تعجب بھی ہے اور اس بات کی شہادت بھی کہ آپ کشمیری زبان میں کتنے قادر الکلام تھے کہ آپ کی تخلیقات شستہ اور بلیغ زبان میں لوگوں کے سامنے آگئیں۔ شہرت اور قبول عوام میں آپ مہجور کے پایہ کے تھے آپ اپنی غزلیں ہارمونیم پر سنطور و ساز کے ساتھ بڑے ترنم سے گاتے تھے۔ آپ کی غزل کی بھی یہ حالت تھی کہ دنوں میں سارا کوہستان کشتواڑ گونج اٹھتا تھا۔ کھیتوں میں مرد و زن کورس میں گاتے تھے اور شادی بیاہ کی محفلوں میں بھی رقص و سرود کا عالم رہتا تھا۔

دونوں ہمعصروں نے زمانوی شاعری میں اپنی زندگیوں میں ہی اپنا لوہا منوایا۔ دونوں کا رسول میر شاہ آبادی (وفات ۱۸۷۰ء) کے تتبع کا دعویٰ تھا۔ مہجور گویا ہوئے۔

اتھ دردو سوزس پرِد تِلتھ گو سُہ رسُل میر
مہجور لاۓ گتھ آو بیٚہ دُبارٕ أتی روز

یعنی درد و سوز سے رسول میرؔ پردہ اٹھا کر گئے اور پھر مہجور بن کر (اس کی ہیئت میں) آ کر غزل سرا ہوئے۔

رسا جاودانی نے اپنے آپ کو رسول میرؔ میں اتنا گم ہوتے محسوس کیا اور اس کیفیت کو یوں بیان کیا کہ

بڑ ونٹھ دراور رسول میر نازنین چالے
موٗت رساؔ گوس پوٗت ژھایے لولو

(رسول میر تو نازنینوں کے انداز سے پہلے چلا گیا۔ رسا تو اسکی پرچھائی کا عاشق و دیوانہ ہے)۔

اس بات میں شک نہیں کہ دونوں بلند پایہ شاعر تھے اور جہاں تک حسنِ ادا اور رنگ تغزل کا پہلو ہے اسمیں دونوں کا رسول میر کی کامیابی پیروی کا دعویٰ حق بجانب تھا۔ لیکن جو تصوف کی جھلک معنی آفرینی، گیرائی و گہرائی رسول میرؔ میں تھی وہ دونوں حضرات کے کلام میں پیدا نہیں ہوسکی۔

یہ تینوں رومانوی شاعر نسوانی پیکر کے پجاری تھے۔ گل و بُلبُل کے ہمنوا تھے۔ زلف وخال کے اسیر تھے مگر جو بات رسول میرؔ پیدا کر گئے ہیں اور جو کیفیت ان کے کلام میں پائی جاتی ہے۔ وہ مہجورؔ اور رسا دونوں کے یہاں مفقود ہے۔ رسول میر کا مسجود ماورائے ادراک ہے اور پروازِ تخیل لاہوتی ہے آپکے بیشتر غزلیات ایسے ہی نکات سے لبریز ہیں مثلاً اپنے محبوب کے سراپے کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں:

قد چون الف لام زُلف میم دہن چھے
یوٗر عقل سبق شکلِ الف لام نگارو

"اے میرے بُت عشوہ گر تیرے قد، تیری زلف اور تیرے دہن کی تعریف کیا کروں، اُن کی حُسن وخوبی قرآن کے حرف اول آلم، میں خالق پیکر نے خود بیان کی ہے"۔

مہجور اور رسا دونوں ایسے بیان سے قاصر تھے کیونکہ دونوں اس عالم لاہوتی کے شناسا نہیں تھے۔ دونوں کی پرواز ادراک کے دائرے میں محدود تھی۔

مہجور کے ایک اور نامور بلند پایہ ہمعصر شاعر پیر پنچال کے اس پار کشتواڑ کی سر زمین میں تخیل آفرینی اور ترنم ریزی میں مصروف تھے۔ شہرت سے بے نیاز غلام رسول کامگار[۱] (۱۸۸۸ء۔۱۹۸۳ء) فارسی، اردو اور کشمیری زبانوں کی خدمت کرتے رہے۔ آپ ان تین زبانوں کے علاوہ عربی پر بھی خاصی قدرت رکھتے تھے۔ آپ نے "رموز بیخودی" کا منظوم ترجمہ کر کے کلچرل اکیڈمی کا انعام حاصل کیا۔ بابا داؤد خاکی کے ریشی نامہ لامی اور علامہ برزنجی کے عربی قصیدہ "منشور" کے بھی منظوم کشمیری ترجمے آپکے کمال فن کی دلیل ہے۔

مہجور کے متصوف معاصرین میں صمد میر، احد زرگر، لسہ خان اور مجید میر قابل ذکر ہیں۔

صمد میر (۱۸۹۲ء۔۱۹۵۹ء) احد زرگر (۱۹۰۵۔۱۹۸۳ء) نے تو اپنی اپنی زندگی ہی میں دادِ سخن پایا عوام وخواص نے آپ دونوں کے اشعار کو حرزِ جاں بنایا۔

احد زرگر بجا طور پر اس دور کے بلند ترین صوفی شاعر گردانے جاتے ہیں۔ آپ اس قبیل کے شعراء کی طرح نام نمود سے مستغنی اور حال مست رہے۔ آپ کی قادر الکلامی اور وافر الکلامی سب پر بھاری ہے۔ ندرت، نفاست خیال و بیان میں یکتا

---

[۱] کامگار صاحب کو صدر جمہوریہ کی طرف سے فارسی زبان کی تیس سال کی خدمات کے صلے میں وظیفہ کل خدمت میں عطا کیا گیا۔ (ادارہ)

ہیں۔ حسنِ بیان ورد کلام میں کشمیر کے مستند متصوف شعراء سے سبقت لے گئے۔ زرگر صاحب کو فطرت سے اتنی فیاضی سے کلام موزوں کی تخلیق سے نوازا گیا ہے۔ کہ کسی کاوش کے بنا ہی آپ سے پانی کی طرح اشعار بہہ نکلتے ہیں اور ایک شعر دوسرے سے بہتر پیدا ہوتا جاتا ہے ان کے عقیدتمندوں کا یہ حال تھا کہ بن بلائے ہی ان کا تانتا بندھا رہتا۔ موسیقاروں کے گروہ ہر وقت ان کے گرد جمع رہتے تھے۔ احد زرگر مہجور سے اس امر میں بازی لے گئے کہ ان کے کلام کے پروانے نہ صرف اہل بصیرت بلکہ ہر طبقے کے لوگ ان کے کلام کے شیدائی ہیں۔

لسہ خان اسلام آبادی (۱۸۹۲ء تا ۱۹۶۵ء) اپنے صوفیوں کی جماعت کے سردار طائفہ تصور ہوتے تھے آپ مثنوی کے فن کے اُستاد اور مولانا روم کی مثنوی کے حافظ تھے اور اسکے ہر شعر کے معانی و مطالب سے پوری طرح سے آگاہ تھے۔ آپ کے عقیدت مند آپ کے آگے سجدہ ریز ہوتے تھے اور آپکی بزرگی کے قائل نہ صرف ان کے طالب ہی تھے بلکہ ہر ملنے والا انکی بحرالعلمی اور ان کے دریائے معرفت کی غواصی کا قائل ہو جاتا تھا۔ ''گل بکاولی''، ''گلزار حقیقت'' اور شاہ بہرام ان کی تصانیف میں سے منظر عام پر آچکی ہیں۔

مجید میر اسلام آبادی کے سامنے لسہ خان زانوئے ادب تہہ کرتے تھے میر صاحب تصوف میں باکمال تھے۔ ان کا کلام اگرچہ ابھی چھاپ نہیں ہوسکا ہے، کم یاب ہے مگر نایاب نہیں۔

آپ کی ایک غزل کا مطلع ؎

تیمی کوٗر معرفت نوش سُہ چھُ خاموش باللہ

جس کسی نے معرفت کا پیالہ پیا وہ خدا مست خاموش ہو گیا آپکی بلند خیالی اور علوی مرتبت کی غمازی کرتا ہے۔ اور آپ کو اُس متصوفین کے گروہ سے بلند و بالا صاحبِ عرفان ظاہر کرتا ہے۔ جو فقط سرود وسماع اور معانی کی موشگافیوں کا قائل تھا۔ اور کاکیوں کا گروہ گردانا جاتا تھا کاکیوں کے پیرومرشد لسہ خان اور قایم صاحب سدرہ بلی مانے جاتے تھے۔ مجید میرِ محوِ ذات تھے اور اس مقام پر فائض تھے جہاں پہنچنے کی آرزو اکثر طالبانِ حق نے کی ہے یعنی مقام حیرت!

کشمیر میں سماع کے دلداروں کے تین نمایاں گروہ پائے جاتے ہیں۔

ایک وہ گروہ ہے جس میں باعمل لوگ ہیں۔ اہل دل ہیں جو اپنے من کی جوت جگانے کی خاطر حال مست رہتے ہیں۔ یہ لوگ کم گو ہیں اور سوز وسازِ دروں کے قائل ہیں۔

دوسرا گروہ کاکیوں کا ہے جن کا دعویٰ حضرت بختیار کاکیؒ کی پیروی کا ہے۔ یہ جماعت بحث وتمحیص، اشعار کی موشگافیوں اور مقامات عرفان کی زبانی جانچ پڑتال کی قایل ہے۔ ان کا دماغ روشن ہے۔ زبان و بیان میں ترجمانِ معرفت کا درجہ رکھتے ہیں لیکن یہ لوگ عمل سے خالی ہوتے ہیں۔

تیسرا گروہ عام لوگوں پر مشتمل ہے۔ یہ عام فہم غزلیات اور ناچ ونغمہ کے رسیا ہیں پہلے وہ گروہ ایسی منتخب غزلیات سے اپنی روحانی تسکین پاتے ہیں جن میں حضرات رومی،، سنائی جامی، جیسے بلند مرتبت شعراء کا کلام ہوتا ہے۔ یا اپنے یہاں کے صوفیاے کریم للہ عارفہ، شیخ العالمؒ، رحیم صاحب، شمس فقیر وغیرہ کی پُر از معرفت غزلیات سے مسرور ہوتے ہیں۔

اور تیسرا گروہ مجازی رنگ سے زیادہ لطف اندوز ہوتا ہے لیکن پہلی مذکورہ

جماعتیں اپنے کلام سے گریز کرتی ہیں۔ یہ لوگ تلاش حقیقت کے متوالے ہوتے ہیں۔ رومان سے متنفر ہوتے ہیں۔ اور ایسی غزلیات کو اعصاب پر عورت سوار ہونے سے تعبیر کرتے ہیں۔

ظاہر ہے عشقِ حقیقی کے متلاشی قلیل تعداد میں ہوتے ہیں۔ اور عشق مجازی کے دیوانے کثرت میں۔ عبدالاحد آزاد (۱۹۰۳ء تا ۱۹۴۸ء) مہجور کے ہمعصر بھی تھے اور شعر گوئی میں انکے شاگرد بھی آپ کئی برس اپنے استاد کی ہی طرز کی رومانوی غزلیات کی تخلیق میں مصروف رہے۔ لیکن انقلابی دور سے دور باغ بہار کی پر لطف ہوا انکے شعلہ فگن دل و دماغ میں آگ بھڑکائے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ آپ سیاست میں ریڈکل ڈیموکریٹ گروپ کے ہمنوا ہوئے۔ پریم ناتھ بزاز کے اخبار ہمدرد میں شعلہ فشاں ہوتے رہے۔ آپ کی شاعری نے مکمل طور پر انقلاب کا رخ اختیار کرلیا۔ برسوں ہر نقش کہن کو مٹا دینے کا درس دیا۔ اپنے بھی ان سے خفا ہوئے اور بیگانے بھی ناراض رہے۔ مداحوں کا دائرہ محدود رہا اور حاکمانِ وقت چیں بجیں۔ آزاد مسکنت پر قانع رہے۔ دوست دشمن کی پروا کئے بغیر اپنے ضمیر کی ترجمانی میں محو رہے۔ نہ ان کی شہرت کی تمنا رہی نہ سرکار کی خوشنودی کی آرزو!

اِنکے استادِ محترم مہجور بھی انکی خارا شگاف نوکِ قلم سے محفوظ نہیں رہے۔ دونوں شعرائے گرامی نے شعر کے پردے میں ایک دوسرے پر خوب حملے کئے۔

مہجور اپنی زندگی کے آخری ایام میں زیارت خانقاہ پکھر پورہ کے متولی بن گئے تعمیر نو کا بیڑا اٹھایا۔ ایک منقبت سپرد قلم کی۔ آزاد کا حساس دل مجروح ہوا۔ استاد پر ضرب کاری رسید کی۔ ایک ہجوم میں اپنے تاسف کا اظہار کیا۔ اپنے استاد کی اس حرکت کو اس

لئے ناپسند کیا کہ ان کے خیال میں مہجور اُن شاطر سیاسی رہنماؤں کی تقلید پر اُتر آئے جو سستی شہرت کی خاطر مسجدوں اور زیارت گاہوں کی تعمیر کراتے ہیں۔ زبانی دعوے سوشلزم اور سیکیولرزم کا ہوتا ہے، اور عمل سے فرقہ داریت کی بو آتی ہے اور اسطرح سے سادہ لوح عوام کا استحصال کرتے ہیں۔ آزاد نے ہجو میں یہی بات کہی کہ چالبازوں نے مقبرے اور زیارتیں چُن چُن کر اپنالیں۔ لیکن مہجور کو بلا سوچے سمجھے گھبراہٹ میں پکھر پورہ ہاتھ لگا۔ ٹیگور نے عشق و محبت کی مے کو بنگالی مشکوں میں بھر دیا لیکن مہجور نے پکھر پورہ کو ایک گھڑے پر چڑھا لیا۔ اقبالؔ نے مردِ مومن کو عرش پر پہنچا دیا۔ افسوس ہے کہ مہجورؔ نے پکھر پورہ کو "تنبکھ ناری" پر سوار کیا۔

نیہ چالبازو ژأرِ ژأرِ استان قبرستان
مہجور صأبس آو اتھِ تھپہ تھارِ پکھر پوٚر
ٹیگورؔ صأبن لولہٕ مس بنگألی ملرہن بوٚر
مہجورؔ صأبن بوٚر أکس نٹہِ وارِ پکھر پوٚر
اقبالؔ صأبن مردِ مومن کھور عرشس پیٹھ
مہجورؔ صأبن کھور تنبکھ نارِ[1] پکھر پوٚر

آزاد سیاست میں ایک واضح نظریہ کے حامل تھے۔ سماجی نابرابری سے، مزدور، محنت کش طبقے کے استحصال سے آپ کا دل و دماغ مجروح ہوتا تھا۔

اسکے برعکس مہجورؔ فطرتاً ایک رومانوی شاعر تھے۔ سیاست کے اہل نہیں تھے۔ ملازمانہ ذہنیت رکھتے تھے۔ کبھی اپنے حاکم وزیر وزارت کی تعریف میں رطب اللسان

[1] ایک کشمیری ساز

ہوئے اور کبھی وزیر اعظم کے گُن گائے۔

بلہ کاک درو وزیر وزارت کی اتنی مداح سرائی کی کہ آپ کے ہمعصر فطرت گیلانی کو ان کے قصیدے پر اظہار تاسف و ناراضگی کرنا پڑا۔

مہجور نے اس قصیدے میں در خاندان کو ان داتا کہکر بامِ عروج پر پہنچایا تھا اور اس تعریف کیلئے سعدی کے کلام کو اس طرح سے استعمال کیا تھا۔

رزق ہر چند بے گماں برسد　　　شرط عقل است جستن از درہا

اسی قصیدہ میں لیڈروں کو سارقان و لیڈر رہا کہکر پکارا تھا۔ لیکن جب تحریک حریت اپنے تاریخی انجام کو پہنچی اور یہی لوگ عوامی حکومت کے سربراہ ہو گئے تو مہجور نے پہلے وزیر اعظم کے حضور میں بھی ایک قصیدہ تخلیق کیا اور ارشاد فرمایا:

ئمی سنا بدلوو سون تقدیر　　　قائد اعظم شیرِ کشمیر

مہجور کے ہمعصر شعراء میں غلام احمد بشیر ہز ہائینس کی قصیدہ گوئی میں پیش پیش تھے۔ بشیر (وفات ۴۱، ۱۹۴۰ء) بھی ملازم پیشہ تھے۔ ایک مثنوی ''قمر زماں'' کے مصنف بھی تھے۔ آپ کا ایک مصرع[۱] اُن کو مہاراجہ کی سالگرہ پر انعام و خلوت کا مستحق بنا دیتا تھا۔

اسی دور میں دو باغی شاعر بھی تھے۔ لیکن وہ شعر کے میدان میں کوئی نام پیدا نہیں کر سکے۔ ایک اسلام آباد کے وکیل حسن شاہ زیرک تھے۔ جنہوں نے ۱۹۳۱ء کے پُر آشوب دور سے کئی برس پہلے ایک محدود ایجی ٹیشن کی رہنمائی کی تھی۔ یہ دراصل شالی کی گرانی کے متعلق ناراضگی کا اظہار تھا۔ حسن شاہ زیرک گرفتار کئے گئے آپ ابھی جیل

---

[۱] ''تیری شاہی شہنشاہی ہمیشہ باقی رہے'' [illegible]

ہی میں تھے کہ شالی کی قیمت گر کر حدِ اعتدال پر آ گئی۔ آپ نے جیل میں ہی ایک فارسی نظم کہی جسکا ایک شعر ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکا، وہ یوں تھا!

زیرک از زیرکی بقید رسید　　　نرخِ شالی باصل خویش رسید

دوسرے شاعر عزیز بہاری کہلاتے تھے۔ خواجہ یار بل کے رہنے والے تھے لنگڑے تھے اور سوٹی کے سہارے چلتے پھرتے تھے۔ تحریک حریت کشمیر کے ایک جانباز سپاہی بھی تھے۔ تحریک کے اہم واقعات کو آپ نے ایک طویل نظم میں بیان کیا تھا جو وہ خود نیشنل کانفرنس کے سٹیج پر پڑھا کرتے تھے۔ اس نظم کا ایک بند میرے ذہن میں ابھی محفوظ ہے۔ یہ اُس ناانصافی کے خلاف تھا جو مرزائیوں کے متعلق روا رکھی گئی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ مرزائیوں نے ابتدائی ایام میں تحریک کشمیر میں نمایاں رول ادا کیا اور ہمارے کئی سرکردہ لیڈروں پر مرزائی ہونے کا الزام عائد کیا گیا۔ اس تہمت کو بہاری نے یوں بیان کیا ہے۔

کران یم سخن دانائی　　　دپاں تمنۂ چھہِ مرزائی

نہ زانن زانہہ گمتی قادیان　　　یہ گو بے بوج ونا پرسان

یعنی جو لوگ عقل کی بات کرتے ہیں انہی کو میرزائی ہونیکا الزام دیا جاتا ہے۔ وہ کبھی قادیان نہیں گئے ہیں۔ انہیں قادیانیوں سے کوئی سروکار نہیں ہوتا ہے یہی انیائے عام ہو گیا ہے۔

جیسے اوپر بیان ہوا ہے مہجور پیدائشی رومانوی شاعر تھے۔ رگ رگ میں سوز وساز بسا تھا۔ آپ سالہا سال تحریک آزادی کشمیر سے بے نیاز رہے۔ چنانچہ حمید نظامی نے حیرت سے ایک طویل مقالہ ایک لوکل اخبار میں چھپوا دیا تھا کہ کشمیر ایک ایسی دھرتی ہے

جومجاہدین آزادی کے خون سے لالہ زار بنی ہوئی ہے، جسکی فضاء تظلمات کی آہ وبکا سے مکدر ہے مگر جسکا مشہور ترین شاعر گل وبلبل کے راگ الاپنے پر ہی اکتفا کر رہا ہے۔

مہجور نے انقلابی نظمیں بھی رقم فرمائیں۔ مگر اکثر ایسی تخلیقات گل وبلبل اور باغ و بہار ہی کے مزاج کی غمازی کرتی ہیں۔ اپنے ہمعصر آزاد سے آپ انقلابی دور کی امامت کی دوڑ ہار گئے۔ اگرچہ مہجور کو ہی یہ شرف بھی حاصل ہوا کہ آپ نے پہلی قومی نظم عطا کی جو نیشنل کانفرنس نے اپنائی اور عوام نے جس کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جسکا مطلع ہے۔

وولو ہا باغوانو نوبہارک شان پیدا کر
پھولن گُل گتھ کرن بُلبل تتھی سامان پیدا کر

یہ مشہور نظم بھی باغبان نو بہار اور گل وبلبل کی ہی فضا میں انقلابی رنگ پیدا کئے ہوئے ہے۔ اس میں ''پیدا کر'' کی ترکیب بھی کشمیری زبانوں کو کھٹکتی ہے غیر مانوس ہے اور ایک بلند پایہ ماہر زبان کو زیب نہیں دیتی ہے۔

آپ کے دیگر نامور ہمعصر رسا جاودانی تو جنگ آزادی سے بالکل ہی متاثر نہیں ہوئے۔ احد زرگر وغیرہ حضرات کی تو بات ہی نہیں۔ ۱۹۴۳ء میں 'کشمیر بزم ادب' کے نام سے نوجوان قلم کاروں کی ایک جماعت منظّم ہوئی۔ مہجور اس بزم میں شامل نہیں ہوئے۔ ماسٹر جی اس کے ممبر بنے اور نہ آزاد شریک بزم ہوئے لیکن تینوں بزرگ اس بزم کو اپنی مہربانیوں سے نوازتے رہے اور آشیرواد دیتے رہے۔ اس بزم کے وجود میں آنیکے بعد کشمیر کلچرل فرنٹ کا انعقاد ہوا اور کاروان ادب ہم آہنگ ہوکر ثقافت کے میدان میں گامزن ہوا۔ مرزا عارف، دینا ناتھ نادم۔ پی۔ این پشپ، پریم ناتھ پردیسی۔ عبدالحق برق، نور محمد روشن۔ سوم ناتھ زتشی وغیرہ منصۂ شہود پر نمودار ہوئے

اور مہجورؔ کے جونیر ہمعصروں میں شمار ہوئے۔

مہجورؔ نے ۱۹۵۲ء[1] میں رحلت فرمائی۔ مرحوم بخشی غلام محمد شعر کے رسیا تھے۔ شاعروں کے قدردان تھے مہجور کی میت کو اپنے آبائی قبرستان متریگام پلوامہ سے نکلوا کر اور خانقاہ معلیٰ کے صحن میں بڑے تزک واحتشام سے دوسری بار نماز جنازہ کی رسم انجام دلوائی اور اتھ واجن میں مسجد حبہ خاتون کے قریب بزعم خود حبہ خاتون کے مقبرہ کے پہلو میں سپرد خاک کیا۔

بعدِ وفات مہجور کو یہ فخر بھی حاصل ہوا کہ آپ پر ایک فلم بھی تیار ہوئی جسکا نام ''شاعر کشمیر مہجور'' رکھا گیا اور اسطرح سے آپ شاعر کشمیر مہجورؔ کا امتیاز بھی پا گئے۔ آپ کے نام پر دودھ گنگا نہر پر ایک پل بھی تعمیر ہوا اور آس پاس کی بستی کو ''مہجور نگر'' کے نام سے شرف بھی حاصل ہوا۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

☆

[1] یہاں عارف صاحب کا حافظہ پھر ان کا ساتھ چھوڑ گیا ہے۔ مہجور ۹/اپریل ۱۹۵۳ء کو رحمت حق ہوئے۔ (ادارہ)

موتی لال ساقی

مہجورؔ.........تازہ معلومات کی روشنی میں

شیرین سخن اور رنگین مزاج غلام احمد مہجورؔ کی شاعری اور شخصیت کے بارے میں اب تک بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ان کے پہلو دار شخصیت اور شاعری پر اب بھی بہت کچھ لکھنے کی گنجائش موجود ہے۔مہجورؔ کی شاعری انکی زندگی میں اسقدر مقبول تھی کہ تخلیق کے علاوہ انکی شاعری اسی زمانے میں دیوناگری اور رومن خط میں بھی شائع ہوئی اور ہاتھوں ہاتھ لی گئی۔ کشمیر کے علاوہ انکی شاعری کا شہر بنگال تک جا پہنچا۔پنجابی کا مشہور ادیب اور فلم ایکٹر مہجور کی زندگی میں ہی انکے بارے میں ایک فلم بنانے کی سوچ رہا تھا ۔یہاں پر ایک امر کی طرف اشارہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مہجور کے بارے میں اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے،اسکا بیشتر حصہ انکی شاعری سے متعلق ہے۔

مہجورؔ نے شاعری کے علاوہ اردو نثر کی صورت میں بھی بہت ساری چیزیں لکھی ہیں جنکے بارے میں اب تک لوگوں کو بہت کم معلوم ہے انہوں نے اچھی خاصی تعداد میں مضامین بھی لکھے ہیں جو اخباروں اور رسالوں کی زینت بنے ہیں مگر نایاب ہونے کی وجہ سے ان کا تجزیہ تو دور کی رہی،ان کا حوالہ تک بھی دیا نہیں گیا ہے۔آزادؔ پہلا شخص ہے جسنے مہجورؔ کی نثری تصانیف کا تفصیل سے ذکر کیا ہے اور یہ ذکر احیات مہجور

کے سلسلے میں اس ابتدائی نسخے میں موجود ہے جو کشمیری زبان اور شاعری، نام کی کتاب کی بنیاد ہے۔ یہ کتاب محمد یوسف ٹینگ نے مرتب کی ہے اور کلچرل اکادمی نے تین جلدوں میں شائع کی ہے۔ اس کتاب کی تیسری جلد میں اگر چہ مہجورؔ کا ذکر کافی تفصیل کے ساتھ درج ہے مگر انکی نثری تصانیف کا ذکر درج ہونے سے رہ گیا ہے۔ اسکی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ کتاب کا جو مسودہ کلچرا کادمی کو حاصل ہوا وہ ابھی تکمیل کی منزلوں سے گزر ہی رہا تھا کہ موت نے آزادؔ کو اس دنیا سے اُٹھالیا۔

مہجورؔ کو کشمیر کی تاریخ کے ساتھ گہری دلچسپی تھی اس حقیقت کا اشارہ انکی شاعری میں بھی ملتا ہے یہاں وہاں کتنے ہی مقامات پر انہوں نے اپنی شاعری میں تواریخی تلمیحات اور واقعات کا استعمال کیا ہے اور اس حسین انداز سے کیا ہے کہ شاعر کی روح مجروح نہیں ہونے پائی ہے۔ کشمیر کی تاریخ کے بارے میں انہوں نے ایک کتاب (یا کتابچہ) اردو نثر میں بھی لکھا تھا جسکا ذکر انہوں نے اپنی ذاتی ڈایریوں میں متعدد مقامات پر کیا ہے۔ کچھ تحریروں میں کتاب کا نام فقط تاریخ لکھا ہے اور بیشتر مقامات پر انہوں نے اس کتاب کو انڈکس تاریخ کشمیر کا نام دیا ہے۔ آزاد نے مہجور کی جن نثری تصانیف کا ذکر کیا ہے ان کتابوں میں زیر بحث کتاب کا ذکر کہیں بھی نہیں آیا ہے۔

کتاب کا وجود ایک یقینی امر ہے اگر چہ اس بارے میں وثوق کے ساتھ کچھ بھی کہا نہیں جا سکتا کہ کتاب کی نوعیت، متن وغیرہ کیا ہے۔ مہجورؔ کے اپنے بیان کے مطابق کتاب کا مسودہ کشمیر کے برگزیدہ اور سر برآوردہ شخصیات کی نظروں سے گزرا ہے، انڈکس تاریخ کا ذکر مصنف نے پہلی بار ۱۶ر جنوری ۱۹۳۸ء کو کیا ہے۔

''تواریخ زیر کار رہی، اور کوئی کام نہ ہوا''

اسکے بعد جنوری ۱۹۴۸ تک مصنف نے اسکا تذکرہ نہیں کیا ہے لگتا ہے کہ جس کام کی ابتدا انہوں نے ۱۹۳۸ء میں کی تھی بعد میں انہوں نے اسکو سرکاری نوکری سے فراغت پانے تک کیلئے اٹھا رکھا۔ ۱۹۳۸ء کا کام ابتدائی نوعیت کا رہا ہوگا جسے ہم محض کام کا خاکہ کہہ سکتے ہیں، شاید یہی وجہ ہے کہ آزاد نے کتاب کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اس امر کا اندازہ ہمیں انکی جنوری ۴۸ء کی تحریر سے ہوتا ہے۔

''خواجہ غلام محمد صاحب نے تاریخ کشمیر لکھنے کا تحریری آرڈر دیا۔ خرچ کیلئے سردست ۱۲۰۰ روپے دینگے ۳۰۰ بعد میں۔ فہرست مضامین تاریخ کشمیر مرتب ہوا''

۱۸/جنوری ۱۹۴۸ء

''خواجہ غلام محمد صاحب نے تاریخ کشمیر کیلئے دوسو روپے دیئے'' ۲۰/جنوری ۱۹۴۸ء

ان تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ مہجور نے تاریخ پر ۱۹۴۸ء میں باقاعدگی کے ساتھ کام شروع کیا اور یہ کام انہوں نے کسی حد تک ۱۹۵۰ء تک آگے بڑھایا تھا۔ اس سال انہوں نے کئی بار انڈکس تاریخ کا ذکر کیا ہے۔ ''جج صاحب کو انڈکس تاریخ کشمیر پیش کیا گیا۔ (۲۸/جون) 'پنڈت بلہ کاک درکو انڈکس تاریخ کشمیر دکھایا (۲۲/جولائی) ''کاملی صاحب کو مکمل انڈکس تاریخ کشمیر دکھانے کا وعدہ رہا'' (۱۷/اکتوبر) کاملی صاحب کو انڈکس تاریخ دکھایا۔ پنڈت رام چندر رینہ کو انڈکس دکھایا (۱۸/اکتوبر ۵۰ء)

۱۹۵۱ء کے دوران انہوں نے کتاب کے بارے میں زیادہ جانکاری فراہم کی ہے۔ اس سال تاریخ کشمیر لکھے جانے کی خبر آل انڈیا ریڈیو سے بھی نشر ہوئی۔ لکھتے ہیں۔

''اوپندرناتھ آل انڈیا ریڈیو کا نامہ نگار آیا انڈکس تاریخ دکھایا'' ۱۰ر جنوری

''اوپندرناتھ دوبارہ آیا، نوٹ مکمل کرائے۔ اخبار اور ریڈیو میں خبر دیگا''

۱۱ر جنوری۔

''سنا گیا کل شام دہلی ریڈیو سے تاریخ کشمیر کے متعلق براڈ کاسٹ ہوا ہے۔ سنا گیا کہ خبر میں مصنف کا نام نہیں بتایا گیا۔ حکومت کا کام تصور ہوا'' (۱۳ر جنوری)

''اومکاناتھ عرایض نویس نے آکر تاریخ کشمیر کا سرورق ٹائپ کیا۔

(۱۴ر جنوری)

''شیخ صاحب کی کوٹھی سے فون آیا ½۴ بجے وہاں حاضر ہونا ہے۔ کاظمی صاحب واپس آئے ان کی کار پر شیخ صاحب کے بنگلہ پر گیا۔ شیخ صاحب کی ملاقات ہوئی۔ چائے پی سی، شیخ صاحب کو وصیت نامہ سلطان العارفینؒ، ضرب کشمیر کا روپیہ، کشمیری موسیقی دکھائی۔ شیخ صاحب نے تاریخ کشمیر فرشتہ قلمی اور حلف نامہ جات راجگان سرحد دیئے۔ شیخ صاحب نے تاریخ کیلئے ہر قسم کی مدد کا وعدہ کیا اور فرمایا کہ چاریوم کے بعد دہلی آؤ۔ ساتھ لیجاؤنگا اور وہاں انتظام کر دینگے۔ پنڈت جیالال کول صاحب ملے موسیقی کلام شعراے کشمیر اور انڈکس دکھایا۔ ۴ر فروری جب مہجور صاحب دہلی تشریف لے گئے۔ انڈکس ان کے ساتھ تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''سالم یوم ملاخطہ کتاب ''عمل صالح'' شاہ جہاں نامہ، وفاثر رحیمی کرتا رہا۔ بخشی صاحب کو انڈکس تاریخ کشمیر دکھایا بیگم صاحبہ کو وصیت نامہ مخدومؒ دکھایا'' ۱۸ر فروری سنہ ۵۱ء۔

''شیخ صاحب کے ہمراہ پارلیمنٹ تک گیا۔ مولوی سعید اور بیگ صاحب ملے۔

ڈاکٹر تاراچند ایڈوائزر ایجوکیشن ہند سے ملاقات ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا ڈاکٹر رادھا کرشن پارمو کو تمہاری رہبری کیلئے بھیجدینگے۔ مولانا آزاد سے ان کے مکان پر ملے۔ مولانا آزاد نے تاریخ کشمیر کیلئے ہر ممکن امداد کا وعدہ کیا۔ ڈاکٹر رادھا کرشن پارمو مکان پر آیا انڈکس تاریخ کشمیر دکھایا" ۱۹ر فروری

دہلی میں قیام کے دوران حوالے کی کچھ تاریخی کتابیں دیکھنے کے علاوہ مہجور صاحب نے بہارستان شاہی کو اپنے ہاتھ سے نقل کیا جموں پہنچ کروہ پھر سے کتاب کیلئے ضروری مواد جمع کرنے میں مصروف رہے۔ جموں کے جنرل ریکاڈ میں مختلف دستاویزات کو دیکھنے کے علاوہ پنڈت رام جودر کی قلمی تاریخ کو نقل کیا۔ تفصیلات ان کی زبانی سنئے۔

"کاظمی صاحب میرے کشمیر جانے اور تاریخ کشمیر کے متعلق آج شیخ صاحب سے بات چیت کرینگے۔ کاظمی صاحب نے فون پر کہا کہ شیخ صاحب نے تمام باتیں منظور کرلیں ہیں۔ کاظمی صاحب دفتر سے آیا۔ انہوں نے شیخ صاحب سے میرے متعلق بات چیت کی ہے تین ہزار روپے تاریخ کشمیر کیلئے بالاقساط دینگے"۔ ۲۷ مارچ ۵۱ء

"جنرل ریکارڈ سے رام جودر کی قلمی تاریخ ملاحظ کیلئے لی گئی۔ ۳۰ مارچ

"رام جودر کی تاریخ کی نقل شروع کردی۔ ۳۱ مارچ

"تاریخ رام جودر کی نقل مکمل ہوئی ۲۔ اپریل

مہجور صاحب کشمیر کی تاریخ مرتب کرنے کے کسقدر خواہش مند تھے اسکا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں۔ وہ اس سلسلے میں زبردست محنت کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے

تھے۔مکمل مسودوں کونقل کرنااس حقیقت کی دلیل ہے کہ کشمیر کی تواریخ کے ساتھ ساتھ ان کومخطوطات جمع کرنے کا بھی زبردست شوق تھا۔نوادرات سے انکی دلچسپی کا یہ حال تھا کہ انہوں نے پنڈت بلہ کاک در کے ذاتی کتب خانے کی خاک میں لت پت ہوکر بلہ کاک کی حاضری میں وہاں سے ۶ قلمی نسخے اور ۶۰ سکے حاصل کئے جسکا ذکر انہوں نے اپنے ہاتھ سے ڈائری میں کیا ہے۔

۱۹/اپریل ۱۹۵۱ء کوآپ ہوائی جہاز میں جموں سے سرینگر تشریف لائے۔یہاں پہنچنے کے بعدانہوں نے اپنی ڈائری میں یوں لکھا ہے۔

"آج ڈاکٹر پارمو کی کتاب (شاہمیر تو شاہجان) لیکر ٹانگہ پر شیخ صاحب کے پاس گیا۔ڈاکٹر پارمو کی کتاب آر،سی،رینہ کے حوالے کی گئی۔شیخ صاحب ملے تاریخ کشمیروغیرہ کا ذکر ہوا۔حبہ خاتون کی قبر دکھلانے کیلئے بیگ صاحب کی کار پر خانصاحب کے ہمراہ روانہ ترال ہوا۔اتھ واجن میں شیخ صاحب وغیرہ کوحبہ خاتون کی قبر دکھائی۔"

اس بیان سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ اتھ واجن میں حبہ خاتون کی قبر کی نشاہدی مہجور نے ہی کی تھی۔حالانکہ بسوک (بہار) میں محمد یوسف ٹینگ کی تحقیقات نے ثابت کردیا کہ حبہ خاتون اتھ واجن میں نہیں بلکہ بسوک میں دفن ہے مہجور کے فرزند اور کشمیر کی تاریخ پر گہری نظر رکھنے والے مرحوم محمد امین نے میرے سامنے اس بات کا اعتراف کیا ہے جدید تحقیق درست ہے۔

اگست ۱۹۵۱ء سے مہجور کے خونی دباؤ نے شدت اختیار کی جسکے نتیجے میں روازنہ ڈائری لکھنے کی ان کی دیرینہ عادت تقریباً چھوٹ گئی۔اگرچہ ۱۹۵۲ء کے اوایل میں کچھ عرصے کیلئے انہوں نے ڈائری لکھنے کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا۔مگر اگست ۱۹۵۱ء

کے بعد انہوں نے اس مسوّدے کا ذکر کسی جگہ نہیں کیا ہے۔

انڈکس کا اصلی مسودہ کہاں ہے اور کیسا ہے؟ اس پر تفصیلی گفتگو اسی صورت میں ممکن ہے جب اصل مسودہ سامنے ہو۔

حبہ خاتون:۔مہجور کی لکھی ہوئی سوانح حبہ خاتون کا ذکر آزاد نے بھی حیات مہجور کے ابتدائی مسودے میں کیا ہے۔حبہ خاتون کی سوانح پر تحقیقی کام مہجور نے ۱۹۴۰ء شروع کیا تھا۔اس سلسلے میں انہوں نے لکھا ہے۔

چندہ ہار میں حبہ خاتون کی نسبت تحقیقات کیا گیا۔واپسی پر طاؤس کے گھر قہوہ پیا۔" ۱۲۸اپریل ۱۹۴۰ء

آزاد کی زندگی میں حیات حبہ خاتون کا جو مسودہ لکھا گیا تھا۔مہجور نے اسے بعد میں نئے سر سے لکھا۔مہجور کو نیا مسودہ لکھنے کی ضرورت اس لئے پڑی کیونکہ اس وقت کے ناظم تعلیمات پروفیسر محمد مجیبؔ سے حبہ خاتون پر ایک ڈراما لکھوانا چاہتے تھے۔کاظمی صاحب نے ڈرامے کیلئے بنیادی مواد فراہم کرنے کی ذمہ داری مہجور کو سونپ دی تھی۔لگتا ہے کہ اس ضمن میں حکومت کو بھی خاصی دلچسپی تھی۔اس سلسلے میں تفصیلات اس طرح ہیں۔

"مرزا غلام حسن عارفؔ آئے شام کو ملاقات ہوئی۔کاظمی صاحب نے قصہ لکھنے کی فرمائش کی۔" ۲۴/جنوری

"حبہ خاتون کا مضمون زیرِ کار آیا" ۲۷/جنوری

"آج دن بھر حبہ خاتون کی سوانح زیرِ کار رہی۔شام کو پروفیسر پشپؔ۔غلام قادر اور نور الٰہی ملاقات کیلئے آئے۔" ۲۸/جنوری

''حبہ خاتون کی سوانح زیر کار رہی۔ ٦ صفحے تک لکھے گئے۔ ۲۹ر جنوری

''دن بھر سوانح حبہ خاتون زیر کار رہی۔ ۵ صفحے فیر کئے گئے ۳۰ جنوری

''قدوائی صاحب اور اسکی اہلیہ کو چند اشعار سنائے، سوانح حبہ خاتون کا رِاصرار ہے'' ۳۱ جنوری

حبہ خاتون کی سوانح زیر کار رہی۔ چند صفحے لکھے گئے۔

''حبہ خاتون کی سوانح لکھتا رہا۔ ختم ہوئی اب متفرق حالات باقی ہیں۔ کاظمی صاحب نے آج شیخ صاحب سے میرا اور سوانح حبہ خاتون کا تذکرہ کیا''

۲ر فروری ۱۹۵۱ء

''حبہ خاتون کی سوانح زیر کار رہی ایک انگریزی نوجوان نے حبہ خاتون پر فلم بنانے کا وعدہ کیا''۔ ۳ر فروری

تاریخ فرشتہ زیر مطالعہ ہے۔ حبہ خاتون کی شاعری پر مضمون لکھتا رہا۔ مضمون حبہ خاتون کیلئے کاغذ نہیں، کل دستیاب ہوگا۔ ۵ر فروری

کاظمی صاحب نے مجیب کا پتہ دیا۔ سوانح حبہ خاتون اُس کی دینی ہے۔ 3½ بجے شیخ صاحب آئے اُنکے ساتھ کار پر روانہ امرتسر ہوا'' ۹ر فروری

''مجیب صاحب جامعہ ملیہ ملے ۱۵ر پھاگن کو مکان پر آئینگے'' ۲۱ر فروری

''مجیب صاحب کو جامعہ ملیہ فون کیا۔ نہیں ملے۔ حبہ خاتون کی سوانح مکمل ہوئی''

۲۸ر فروری

''صبح کو سرکاری گاڑی پر معہ ہمدانی صاحب و دفتر ش جامعہ ملیہ تک گیا۔ جامعہ ملیہ دیکھا۔ مجیب صاحب کو سوانح حبہ خاتون دی گئی۔ کل پرسوں تک ڈرامہ

لکھیں گے۔یکم مارچ

''صبح کو جامعہ ملیہ سے مجیب صاحب کا فون آیا۔٦ بجے شام آئینگے۔مجیب صاحب شام کو آیا حبہ خاتون کا سرسری ڈرامہ بن رہا ہے۔مجیب صاحب نے چند سوالات پوچھے۔یاداشت رکھ لی۔دو تین دن تک مجیب صاحب کو جوابات کا وعدہ رہا۔'' ۱۰/مارچ

جامعہ ملیہ میں مجیب صاحب کو حبہ خاتون کی یاداشت دی۔مجیب صاحب نے کہا ۱۵/اپریل تک ڈرامہ تیار ہوگا۔ ۲۰/مارچ

مئی ۵۱ء کے تیسرے ہفتے میں مجیب کے ڈرامے کا مسودہ کشمیر پہنچا اور وہ خود بھی ۲۴ مئی کو وارد کشمیر ہوئے۔اقلیم ادب کے شہسواروں کو یہ جان کر تعجب ہوگا کہ جب یہی ڈرامہ جامعہ ملیہ کی طرف سے شائع ہوا۔اسکے دیباچے میں مہجور کا شکریہ تو دور کی رہی ذکر تک موجود نہیں۔پروفیسر مجیب جیسے عالم و فاضل کا اس طرح دوسرے کے مال پر ہاتھ مارنا کچھ بھلا نہیں لگتا۔حبہ خاتون کی زندگی کے تانے بانے بننے کے عوض مہجور کو تین سو روپے دیئے گئے۔یہ رقم اُسنے ۵ جون ۱۹۵۱ء کو ناظم تعلیمات مسٹر اسداللہ کاظمی کے دفتر سے حاصل کئے۔

اس ڈرامے کو سٹیج کرنے کیلئے سرینگر میں کئی میٹنگیں ہوئی۔واہتھورہ کے بھگتوں کی خدمات حاصل کرنے کی بھی کوشش کی گئی۔کیا یہ ڈرامہ مہجور کی زندگی میں یہاں کبھی سٹیج ہوا۔ڈائریوں سے اس بارے میں کچھ پتہ نہیں چلتا۔

مہجور دہلی میں:۔۱۹/فروری ۱۹۵۱ء کو مہجور صاحب شیخ صاحب کے ہمراہ کار میں امرتسر کے راستے دہلی کیلئے روانہ ہوگئے۔دہلی میں آپ نے کل ملا کر

ایک مہینے اور تیرہ دن قیام کیا۔ دہلی میں قیام کے دوران آپ بیگم شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ اجمیر شریف گئے۔ اسکے علاوہ آپنے آگرہ اور فتح پور سیکری کی بھی سیر کی۔ دہلی میں قیام کے دوران مہجور کی مصروفیات کی داستان انکے اپنے الفاظ میں سنیئے۔

۱۰ر فروری ۱۹۵۱ء: حضرت مجدد الف ثانیؒ کا روضہ دیکھا۔ شیخ صاحب وغیرہ ہمراہ ہے' پسران گورو گوبند سنگھ کی قتل گاہ دیکھی۔ مقبرہ زمان شاہ بادشاہ کابُل دیکھا۔ ۴ر بجے سرہند سے روانہ ہوکر شام کو دہلی پہنچے۔ ایمپوریم میں ٹھہرے۔ شام کو شیخ صاحب نے پروگرام بنایا بدھ کو اجمیر شریف جانا ہے۔

۱۱فروری ۱۹۵۱ء: تمام قافلہ قطب کی لاٹھ دیکھنے کو گیا، مولانا سعید ہمراہ ہوئے۔ مہرولی میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا مزار شریف دیکھا، غیاث الدین کا مقبرہ دیکھا، وہاں چائے پی لی۔ معتمد خان، شاہ عالم اکبر شاہ ثانی کا مزار شریف دیکھا۔ تغلق قلعے پر گئے وہاں سارے کھنڈرات دیکھے۔

شیخ صادق حسین پاکستان سے آیا ہے۔ مِس مردولا سارا بھائی کے ساتھ آیا کشمیری چائے پی شیخ صادق حسین سے ڈاکٹر صوفی کی تاریخ کشمیر کا ذکر ہوا۔ شیخ عبداللہ شام کو اکیلے پنڈت جواہر لال نہرو کی دعوت پر گئے۔

۱۲ر فروری ۱۹۵۱ء: بیگم صاحبہ کے ہمراہ پارلیمنٹ گیا۔ پاس پر داخل ہوا۔ پنڈت جواہر لال نہرو کی تقریر سنی ½۱۲ بجے واپس آیا۔ اور کھانا کھایا۔ کھانا کھا کر انجینئرنگ نمائش دیکھی گئی آج دینا ناتھ مدت کو دیکھا۔

۱۸ر فروری ۱۹۵۱ء: شام کو بخشی صاحب کے ہمراہ مشاعرہ یوم غالب پر روانہ ہوا۔ مرزا غالب کا مزار دیکھا، فاتحہ پڑھا، پھول برسائے۔ غیر طرحی مشاعرہ کی

صدارت ہوئی۔ کشمیری نظم دو تین شعر سنائے۔ رات کا کھانا پریم ناتھ در کے ہاں کھایا۔ مشاعرے پر جگن ناتھ آزاد، عرش ملسیانی، سردار جعفری، غلام ربانی تابان، شیلا بھاٹیہ اور کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ کو دیکھا۔

۱۹ رفروری ۱۹۵۱ء: خواجہ حسن نظامی آیا۔ نظامی بندی لایا۔ ملاقات ہوئی۔ بیدی صاحب مع فرید آئے ملاقات ہوئی۔

۲۰ رفروری ۱۹۵۱ء: ڈاکٹر پارمو کتاب کا مسودہ لیکر آیا۔ شیخ صاحب کو پیش ہوا۔ پارمو نے تاریخ مسلم عہد لکھی ہے انگریزی میں ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ پارمو نے کتاب چھوڑی۔ فہرست کتب نقل ہوگی۔

ڈاکٹر پارمو آیا۔ شیخ صاحب پارلیمنٹ گئے ہیں۔ ۶ ربجے پارمو پھر آئیگا۔ ڈاکٹر پارمو آیا، اسکی کتاب شیخصاحب ساتھ لیجائینگے۔ بغرض اشاعت۔ شیخ صاحب کا جموں جانا پرسوں پر ملتوی رہا، کل نہیں جائینگے۔ مرزا افضل بیگ جموں سے آیا۔

۲۱ رفروری ۱۹۵۱ء: شیخ صاحب معہ پارٹی بچاو کونسل کیلئے سٹیٹ مینٹ مرتب کرتے رہے۔

۲۲ رفروری ۱۹۵۱ء: اطلاع آئی ہے کہ کشمیری ایسوسی ایشن راقم کے اعزاز میں کل ٹی پارٹی دے رہی ہے۔

۲۳ رفروری ۱۹۵۱ء: ۶ بجے شام ایسوسی ایشن کی ٹی پارٹی ہوئی۔ بخشی صاحب، شیخ صاحب، مولانا سعید اور بیگ صاحب شامل ہوئے۔ پنڈت پریم ناتھ ایڈیٹر آواز کی تقریر ہوئی۔ پارمو بھی آیا۔ راقم نے نظم سنائی اور تھوڑی سی تقریر ہوئی۔

۲۶ رفروری ۱۹۵۱ء: جنگ بہادر آیا پیس کمیٹی کا ممبر بنانا چاہتے ہیں۔ شام کو جانکی

ناتھ زتشی کھانے پر ملا۔

۴/مارچ ۱۹۵۱ء: کشمیری پنڈتوں کی دعوت پر لودھی باغ گیا۔ پر تکلف کشمیری کھانا، دعوت پر خواجہ احسن اللہ اور مولانا سعید بھی شامل رہے۔ کھانا کھا کر چند کشمیری نظمیں پیام ہیکی سنائی گئیں۔

۶/مارچ ۱۹۵۱ء: جموں سے چیف سکریٹری کا تار آیا۔ لٹریری کانفرنس دہلی میں بحیثیت نمائندہ کشمیر شامل ہونا ہے۔ بامزئی صاحب نے کہا کہ کل تمہارے پاس نمائندگان اخبارات آئینگے۔

۷/مارچ ۱۹۵۱ء: لکھنو سے موہن لال در کا خط آیا۔ وہاں آنیکی دعوت۔ جموں سے سرکاری حکم پہنچا۔ ۱۶، ۱۷ مارچ کو دہلی لٹریری کانفرنس میں شامل ہونا ہے۔

۱۰/مارچ ۱۹۵۱ء: امکار ناتھ نے اطلاع دی پرسوں نمائندگان پریس آئینگے۔ کلکتہ میں ایشیاٹک سوسائیٹی میں کشمیری قلمی کتابوں کا پتہ چلا۔

۱۲/مارچ ۱۹۵۱ء: جموں سے مفصل حکم آیا ۱۵/مارچ کو شامل لٹریری کانفرنس ہونا ہے لٹریری کانفرنس میں شمولیت کی تحریری اطلاع دی گئی۔ عرش ملسیانی ایڈیٹر ہندی اخبار اور ایڈیٹر انگریزی کشمیر آئے۔ فوٹو اٹھایا گیا۔ ۴ کاپیاں۔ مختلف مضامین لکھنے کیلیئے یاداشت دی۔ صرف نظم بھیجنا باقی۔

۱۳/مارچ ۱۹۵۱ء: عرش ملیسانی نے کار بھیجدی۔ کار پر انکے دفتر "آج کل" پر پہنچا۔ جوش ملیح آبادی کی ملاقات دفتر پر ہوئی۔ عرش ملیسانی نے تمام دفاتر دکھائے اور چائے پیش کی۔ دیوندر سیتارتھی کی ملاقات ہوئی۔ ہندی آجکل کا ایڈیٹر ہے۔ جوش ملیسائی نے فارسی، اردو، کشمیری شاعری کا مضمون مانگا۔ آج کل کیلیئے جوش صاحب

کے ہمراہ کار پر واپس آیا۔

۱۵/مارچ ۵۱ء: علی الصبح جموں سے مرزا عارفؔ اور جیالال کول آئے، ملاقات ہوئی۔ مرزا عارفؔ کے ہمراہ لٹریری کانفرنس میں شامل ہوا۔ 10½ بجے زیر صدارت ابوالکلام آزاد جلسہ شروع ہوا۔ خطبہ صدارت سنا۔ ایک بجے واپس آکر کھانا کھایا۔ جیالال کول کلچرل کانگرس سے آیا۔ 2½ بجے پھر شامل کانفرنس ہوا۔ ۵ر بجے کانفرنس ختم ہوئی۔ نوشہری بھی ہمراہ رہا۔ سرکاری بس پر مع عارفؔ صاحب لال قلعہ کو گیا۔ جلسہ کلچرل کانفرنس راجندر پرشاد، نہرو جی، آصف علی کی تقریریں سنیں۔ بہار کے شاعر کی نظم سُنی۔

۲۳/مارچ ۵۱ء: پرسوں پروفیسر کول کے ہمراہ جموں جانا مقرر رہوا۔

کشمیر سے باہر مہجور کو کس قدر عزت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا، اسکا بخوبی اندازہ ان کی ڈایری کے ان چند اوراق سے اچھی طرح ہوتا ہے۔ شیخ صاحب مہجورؔ کے قدردان تھے اور چاہتے تھے کہ اس کو اپنے منصوبوں کو بروئے کار لانے کیلئے جس مدد اور حوصلہ افزائی کی ضرورت ہے وہ انہیں ملے۔ شیخ صاحب کا مہجورؔ کو اپنی بیوی بچوں کے ساتھ جموں سے دہلی کار میں لے جانا اس حقیقت کا بین ثبوت ہے کہ شیخ صاحب کو کشمیر اور کشمیری تمدن کی بازیافت کا زبردست احساس تھا۔

شاعری کی ابتداء: محققین نے لکھا ہے کہ مہجورؔ نے اردو میں شاعری کی ابتداء ۱۹۰۵ء سے کی اور کشمیری میں انکی شاعری کی ابتدا ۱۹۱۸ء سے ہوئی خوش قسمتی سے مجھے مہجور کی ڈایری میں انکے اپنے ہاتھ سے لکھے ہوئے ایسے مادہ ہائے تاریخ ملے جن سے ان کی شاعری کی ابتداء کے بارے میں گرہیں کھل جاتی ہیں۔

اردو میں شاعری کی ابتداء کے بارے میں مادۂ تاریخ یوں ہے۔ سخن دان کشمیر ۱۳۳۵ ہجری

کشمیری شاعری کی ابتداء کی نسبت مادۂ تاریخ اسطرح ہے۔ کشمیری سخن دان ۱۳۴۵ ہجری

حساب لگانے سے ۱۳۳۵ ہجری ۱۹۱۶ء اور ۱۳۴۵ ہجری ۱۹۲۶ء بنتا ہے۔ اسطرح انہوں نے اردو میں شاعری کی ابتداء ۱۹۱۶ء میں اور کشمیری شاعری کی ابتداء ۱۹۲۶ء میں کی ہے۔
ان دو قطعہ ہائے تاریخ کے ساتھ اُسی جگہ ایک اور مادۂ تاریخ بھی درج ہے جو یوں ہے۔

کاشر گونہ ماتہ مہجورؔ ۱۳۰۲ ہجری۔

۱۳۰۲ ہجری جو انگریزی میں ۱۸۸۴ء بنتا ہے۔ اس مادۂ تاریخ سے مہجورؔ کی پیدائش کے سن کی نشاندہی ہوتی ہے۔ اور یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مہجورؔ ۱۸۸۷ء میں نہیں ۱۸۸۴ء میں پیدا ہوئے تھے یہ تینوں مادہ ہائے تاریخ مہجورؔ کے اپنے ہیں اور مری دانشت میں یہ قطعات تاریخ مہجورؔ کی ذاتی تحریر ہونے کے ناطے مستند اور معتبر ہیں اور اس سلسلے میں کئے گئے تمام سابقہ دعووں کو رد کرتے ہیں۔[2]

مہجورؔ کے آخرالذکر مادہ تاریخ کشمیری میں کہا گیا دوسرا مادہ تاریخ ہے۔ اس سلسلے کا پہلا مادۂ تاریخ بابا نصرالدین کا ہے۔ جو اس نے علمدار کشمیر کے اس جہاں فانی سے اُٹھ جانے پر کہا ہے اور اسطرح ہے:

نُند زوت گوبا یہ سورگ

اقبالؔ اور مہجورؔ: اقبالؔ اور مہجورؔ کے درمیان تعلقات کا تفصیلی ذکر سب سے پہلے عبدالاحد آزاد نے کیا ہے۔ آزادؔ کے بعد بھی اس موضوع پر کئی بار بات

ہو چکی ہے مگر کسی نے بھی اس مادۂ تاریخ کا ذکر نہیں کیا ہے جو مہجورؔ نے علامہ مشرق کی وفات پر کہا ہے۔ ۲۳/ اپریل ۱۹۳۸ء کو مہجورؔ نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے۔

''سنا گیا علامہ سر محمد اقبالؔ فوت ہوا ہے'' اس عبارت کے نیچے یہ مادہ تاریخ درج ہے۔

آہ اقبال! آفتاب آسمان شاعری ہے

۱۳۵۷ ہجری

اپریل ۱۹۴۷ء میں مہجور کو مکاتیب اقبال پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ کتاب کو پڑھ کر آپنے ۹/ اپریل کا اپنی ڈائری میں مندرجہ ذیل تاثرات درج کئے ہیں۔

''محمد امین نور محمد کتب فروش سے دستور السالکین لایا۔ جلد بازی کیلئے دیا گیا۔ 'مکاتیب اقبال' کتاب لایا۔ رات کو مکاتیب زیر مطالعہ رہے۔ راقم کا نام ظہور الدین مہجورؔ غلط درج ہوا ہے۔

مہجور کا حلقہ تلمذ: مہجورؔ کے حلقہ تلمذ میں کون کون سے لوگ شامل تھے جنہوں نے ان سے اکتساب فن کیا۔ اس سلسلے میں عبدالاحد آزادؔ کا نام زبان زد ہے۔ آزادؔ نہ صرف شاعری میں مہجورؔ کے حلقہ تلمذ میں شامل تھے بلکہ ''کشمیری زبان اور شاعری'' لکھتے وقت بھی وہ مہجورؔ سے ضرور صلاح لیتے اور ان کی رائے طلب کرتے تھے۔ اس بات کے کافی شواہد بھی موجود ہیں کہ مضامین لکھنے کے بعد وہ یہ مضامین مہجورؔ صاحب کو سناتے اور ان کی رائے جان لیتے تھے۔ آزادؔ کے بعد اس ضمن میں مہجورؔ نے مرزا غلام حسن بیگ عارفؔ کا ذکر کیا ہے۔ عارفؔ صاحب نے اگرچہ اس حقیقت کا اب تک اعترف نہیں کیا ہے۔ کہ انہوں نے مہجورؔ سے فیضان حاصل کیا ہے مگر آخر الذکر نے ۱۴/ فروری ۱۹۴۵ء کو اپنی ڈائری میں لکھا ہے:

''مرزا غلام حسن بیگ آیا۔ اسکا کلام دیکھا، دوستی ہوئی'' آگے چل کر انہوں نے ۲۷رفروری ۱۹۴۵ء کو لکھا ہے۔

''گھر پر نظم غلام حسن بیگ کا تعارف لکھا، نظم نقل ہوگئی''

محمد الدین فوقؔ اور مہجورؔ میں بہت ہی گہری دوستی تھی، تاریخ اقوام کشمیر، لکھنے میں جو مدد مہجورؔ نے انہیں بہم پہنچائی ہے وہ الگ سے ایک مکمل مضمون کا موضوع بن سکتی ہے۔ حق تو یہ ہے کہ اس کتاب کا شریک مصنف مہجورؔ کو بھی ہونا چاہئے تھا۔ اسی طرح غلام محی الدین صوفی کو ''کشیر'' لکھنے میں مہجورؔ کی مدد شامل حال تھی، چنانچہ دبے الفاظ میں صوفی نے اس مدد کا اعتراف بھی کیا ہے۔

مہجورؔ کی شخصیت ایک ہمہ جہت شخصیت تھی۔ وہ ایک سرمست اور شاعر ہونے کے علاوہ ایک تاریخ شناس اور عالم بھی تھے۔ انہیں کشمیر کے جلوۂ صد رنگ حسن اور اسکی ثقافت پر ناز تھا۔ مہجورؔ کی شاعری پر تو لکھا جاتا رہا ہے اور لکھا جائیگا مگر انکی شخصیت کو سمجھنے کیلئے نئے انداز نظر کی ضرورت ہے۔

حواشی

۱۔ کلچرل اکیڈیمی کے شائع کردہ ''کلیات مہجورؔ'' میں ان کے نثری کارناموں کا پورا ذکر آ گیا ہے۔ اور ابتداء میں ہی لکھا گیا ہے۔ کہ یہ اُن کا صرف کشمیری کلیات ہے ورنہ ان کے اردو نثری کارناموں کو لیا جائے تو کلیات کی کئی جلدیں تیار ہو سکتی ہیں۔

(محمد یوسف ٹینگ)

۲۔ مجھے ساقیؔ صاحب کے اس بیان سے بنیادی اختلاف ہے اور یہ ''شد پریشان خواب ما از کثرت تعبیر ما'' والا معاملہ نہیں ہے میرے پاس مہجورؔ اور ابن

مہجورؔ کی اپنے دستخط کی تحریریں ہیں جن میں ان کا سال پیدائش ۱۸۸۷ء لکھا گیا ہے۔ خود ابن مہجورؔ نے کافی تحقیق کے بعد ان کے تمام سوانحی کوائف کو ایک ورق پر تاریخ وار لکھا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کی نظر میں مہجورؔ کی بیان کردہ پرانی تاریخیں بھی تھیں لیکن انہوں نے ان کو مسترد کر کے تاریخ ولادت یوں تحریر کی:

"۱۱ اگست ۱۸۸۷ء پیدائش متریگام بوقت شب، بروز جمعرات ۲۱ ذیقعد ۱۳۰۴ھ"

جیسا کہ ساقیؔ صاحب نے لکھا ہے کہ یہ مادہ تاریخ مہجورؔ نے اپنی پیدائش کے بہت بعد لکھے ہیں ظاہر ہے کہ مہجورؔ سے کوئی غلطی سرزد ہوئی تھی جسے بعد میں ابن مہجورؔ نے ٹھیک کر دیا۔ ویسے بھی شماریات میں ابن مہجورؔ اپنے والد سے ایک قدم آگے تھے اور یہ بات ساقی صاحب نے میرے سامنے تسلیم کی ہے بعد میں مہجورؔ کا کچھ ڈائریوں کے سرورق پر سن ولادت ۱۸۸۷ء درج کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ابن مہجورؔ کے نظریئے سے متفق ہو گئے تھے۔ یہ بات بھی غور طلب ہے کہ جہاں ساقیؔ نے باقی جگہ ڈائری کی تاریخوں کا حوالہ دیا ہے۔ اس جگہ انہوں نے تاریخ درج نہیں کی ہے۔ ان کی ڈائریوں میں یہ تاریخ بار بار انہیں کے خط میں نظر آتی ہے۔ ابنِ مہجورؔ نے تو ۱۱/اگست ۱۸۸۷ء کی تاریخ کو صحیح مان کر اِن کے یوم پیدائش کو منانے کا سلسلہ بھی شروع کیا تھا اور اس سلسلے میں ریڈیو کشمیر اور اکیڈیمی کی توجہ بھی دلائی تھی۔

(محمد یوسف ٹینگ)

۳؎ یہ مادۂ تاریخ "تعمیر" کے مہجور نمبر (۱۹۵۷ء) میں شائع ہو چکا ہے۔

(ادارہ)

میرزا محمد زمان آزردہؔ

آثارِ مہجورؔ

کشمیری شاعری کا خیال آتے ہی غلام احمد مہجورؔ کا نام ذہن میں ضرور آتا ہے۔ کشمیری زبان کے شعراء میں مہجورؔ جیسے مقبول اور خوش فکر شاعر بہت کم ہوئے ہیں کشمیر کا علاقہ دشوار گزار راستوں کی وجہ سے ہمیشہ ہی اپنے اندر سمٹا رہا ہے اور اس کا اثر یہاں کی ہر چیز یہاں کے رہن سہن، ملنے ملانے کے طریقوں، تہذیبی آثار تصور مدنیت، فنون لطیفہ وغیرہ میں موجود ہے۔ اس میں بیشتر چیزیں خودرو ہیں بلکل ایسے ہی جیسے جنگلی گلاب۔ اس کا رنگ اور اس کی مہک کسی باغبان کی مشقت کا نتیجہ نہیں ہوتی۔ بلکہ فطرت خود اس کی آبیاری کرتی ہے۔ ہوا اس کی صفائی کرتی ہے اور شبنم اسکی پتیوں کو تر و تازگی بخشتی ہے کسی سوچے سمجھے منصوبے کے تحت نہ تو اس کی شاخ تراشی ہوتی ہے، نہ زاید گھاس ہٹا دی جاتی ہے اور نہ چمن بندی کا کوئی اہتمام ہوتا ہے۔ دوسرے فنونِ لطیفہ کی طرح شعر و ادب میں بھی یہاں کا یہی حال رہا۔ چنانچہ ہمارے اکثر شاعروں نے خارجی حالات اور واقعات کی طرف آنکھ اٹھا کے دیکھا بھی نہیں۔ جیسے یہ وادی کشمیر، زیر آسمان فطرت کی گود میں کھیلنے والی ندیوں میں صرف اپنا ہی عکس دیکھتی رہی اسی طرح یہاں کی شاعری آپ اپنا معیار اور آپ اپنی کسوٹی قرار پائی۔ ظاہری خوبیوں

پر ہمیشہ جہانِ معنی کو ترجیح ملتی رہی خارجی حسن پر باطنی پاکیزگی کو اہمیت دی جاتی رہی۔ یہی سبب ہے کہ یہاں کے شعراء کے خیال اچھوتے حسن کا نمونہ ہیں۔ان کی حیثیت ان جنگلی شہزادیوں کی سی ہے جو بہتے ہوئے پانی میں اپنا عکس دیکھ کر خود ہی اپنے اوپر فریفتہ رہتی ہیں۔ وہ اظہار چاہتی ہیں۔ چاہے کوئی دیکھنے والا ملے یا نہ ملے۔ان کی وضع قطع میں کسی طرح کا تصنع نہیں ہوتا لیکن فطری تر و تازگی اور خداداد مستی انگ انگ پر چھائی رہتی ہے۔ انکا لباس درزی کی قینچی اور نقلی رنگوں کا مرہونِ منت نہیں بلکہ یہ قبائے گل کی طرح قدرت کی بوقلمونی اور فطرت کی دراز دستیوں کا نتیجہ ہے۔ان کی ادائیں سکھائی ہوئی نہیں معلوم ہوتیں بلکہ ان میں بچے کی معصوم مسکراہٹ اور توتلی زبان کی لڑکھڑاہٹ کا لطف موجود رہتا ہے۔ بالکل اسی طرح ہمارے یہاں کی شاعری میں طمطراق اور دھوم دھڑاکا نہیں۔ یہاں کے شعراء کا کلام اپنا آئینہ خود ہے۔ تعلیم جو شعر کے لئے زیور کا کام کرتی ہے اس کی کائنات بھی محدود رہی۔ عموماً کریما، پندنامہ عطار، بوستان سعدی اور ''پنج گنج نظامی پر ہی اس کی دنیا مشتمل ہوتی تھی اور ان کے اثر سے بھی نگاہ باہر کے مقابلے میں اندر کی دنیا کو ترجیح دیتی تھی۔ اظہار کی صورتیں ،صوفیانہ موسیقی کی محفلوں تک محدود تھیں اور ان محفلوں کا حاصل بھی یہی ہوتا تھا اسلئے عموماً ہمارے شعراء اندر کی دنیا آباد کرنے میں مسرت محسوس کرتے تھے۔ پھر یہاں کے سیاسی حالات بھی ایسے رہے کہ انسان اپنے آپ سے باہر آنا اپنے لئے مشکل محسوس کرتا تھا۔ یہاں تک کہ باہر کی دنیا سے لطف لینے کی حس ہی مفقود ہوگئی تھی۔ بے شک اس میں اس زمانے کی تعلیم کا بھی بڑا دخل رہا ہوگا۔

اس خول سے باہر آنے کی کوشش سب سے پہلے رسول میرؔ نے کی انہوں نے

اپنے کلام میں خارجی پہلو کو اسطرح سے شامل کرلیا کہ لگتا ہے اس سے قبل کی شاعری کسی بند کمرے میں سانس روکے ہوئے بیٹھی تھی۔ اس کیفیت کو میرے نزدیک صرف اسی طرح سے بیان کیا جاسکتا ہے۔ کہ رسول میر کے کلام میں یہاں کی شاعری نے پہلی بار آنکھ اٹھا کر نظارہ حسن کیا۔ اس سے قبل ایک طرح کا شرمیلا پن پایا جاتا تھا۔ آنکھ اُٹھا کے دیکھنا جیسے عمل ممنوعہ ہوگیا تھا۔ کلام رسول میر نے پہلی بار ظاہری حسن کی موجودگی کا احساس دلایا۔ حسن کے تقاضوں اور انسان کی حسن شناسی کا پتہ بتایا۔ رموز حسن کا یہ پہلو اس سے پہلے ہماری شاعری میں مفقود۔ رسول میر کے بعد اگر کسی نے مسلکِ حسن کو اپنا جادۂ افتخار بنایا تو وہ غلام احمد مہجور ہیں۔

مہجور کے ہاں آکر کے اس خارجی دنیا نے اپنے قدو قامت کا شدید احساس دلایا۔ اس کے چہرے سے کئی اور پردے ہٹ گئے اور اسطرح اس کے خطوط واضح اور صاف ہوگئے۔ کسی طرح کے ابہام نے اس کو ظاہر ہونے سے باز نہیں رکھا۔ غلام احمد مہجور نے شاعری کی طرح اپنی ذاتی زندگی میں بھی روایات سے انحراف کی کوشش کی۔ ان کا آبائی پیشہ پر مُریدی کا تھا۔ یہ چاہتے تو اپنی زندگی نذر و نیاز کے سہارے آرام سے گزار سکتے تھے مگر انہوں نے محنت سے چار پیسے کمانے کو اس آرام و آسائش پر ترجیح دی۔ انہوں نے اس زمانے کے طور طریقوں کو بالائے طاق رکھ کر بڑی جرات کے ساتھ اپنے والد سے کہدیا۔

''ایک توانا اور تندرست پیرزادے کو صدقہ خیرات اور نذور نیاز لینے کا کیا حق حاصل ہے؟ پیر کی خدمت انجام دینے سے غریب مرید کو کیا نعم البدل مل سکتا ہے؟ آخر اس آمدنی کا کیا نام

ہے جو محنت و مشقت کے بغیر حاصل ہوگی؟ میں ایسی مفت خوری کو ہمیشہ کیلئے خیر باد کہتا ہوں میں خود کما سکتا ہوں خدا نے تندرستی علم اور عقل بخشی ہے۔ ایسا ہوتے ہوئے ایک غریب کے گھر موٹے گھوڑے پر خدمت گار کو ساتھ لے کر بڑے جاہ و حشم سے جا کر کباب اور مرغن کھانا پسند نہیں کرتا۔ میں کسی امیر کی نوکری کر کے چار پیسے کمانے کو ایسے طرز معاش پر ترجیح دیتا ہوں[1]۔

اسی حقیقت پسندی کے پیش نظر انہوں نے سرکاری ملازمت کی۔ سرکاری ملازمت میں انہیں بڑی تکلیفیں اٹھانا پڑیں۔ بار بار کی معطّلی تنخواہ کا نہ ملنا اور اپنے سے کم تجربہ اور کم لیاقت رکھنے والوں کے مقابلے میں ترقی کے معاملے میں نظر انداز کیا جانا یہ سب باتیں ملازمت سے دستبردار ہونے اور آبائی پیشہ کی طرف لوٹ کے آنے پر مجبور کر رہی تھیں۔ مگر مہجورؔ نے اس کی پروا نہیں کی، اپنے حق کے لئے لڑتے رہے اور ان مصائب کو آبائی پیشہ پر ترجیح دی۔ ملازمت میں سب سے مشکل منزل وہ آتی ہے جب بغیر کسی خطا کے ترقی روک دی جائے، قابلیت اور لیاقت کے مطابق حکام عزت نہ دیں اور کم تجربہ اور بے لیاقت لوگوں کی حوصلہ افزائی کر کے صاحب لیاقت ملازمین کے وقار کو مجروح کیا جائے۔ مہجورؔ کے ساتھ یہ سب ہوا۔ ان کا اپنا بیان ہے۔

"١٩٦٥ ب[2] میں چوہدری خوشی محمد ناظر[3] سٹیٹمینٹ آفیسر صاحب نے مجھ کو چھ روپے کا پٹواری بنایا تھا۔ آج بارہ سال کے بعد (١٣ روپے) کا پٹواری ہوں۔ گویا میں نے بحالت مجموعی ۴ آنے دو پائی سالانہ ترقی پائی۔ ٦٥ ب میں میرے ساتھ جو لوگ بہ

حیثیت پٹواری کام کرتے تھے۔ان میں سے بطور نمونہ چند اشخاص
کے نام پیش کروں گا جو کہ ابھی تک زندہ ہیں (۱) پنڈت ویشنہ
بٹ (۲) پنڈت گویند بٹ (۳) پنڈت آنند رام (۴) پنڈت
دینا ناتھ (۵) پنڈت مکند رام (٦) پنڈت گواشہ لال کول ان
میں سے ۱ آج کل وزارت بارہمولہ کا صدر محاسب ۳۰ روپے ماہ
دار پر اور ۲ لغائیت (۴) ویلی کشمیر میں ۲۵ روپے سے ۱۴ روپے تنخواہ
پانے والے گرداور قانونگو ہان ہیں ۵، ٦ نائب تحصیلداران ہیں،
اہل کاروان مذکورہ کی علمی لیاقت کسی طور پر مجھ سے زیادہ نہیں ہے،
بلکہ بہ لحاظ کارکردگی، تجربہ و محررانہ قابلیت کے میں ان سے بدرجہا
بہتر ہوں۔ میں نے بھی ترقی کیلئے ہر وقت کوشش کی تھی۔مگر ایک
گرداور اور قان گو ئیے سے سٹیٹمنٹ آفیسر تک تمام آفیسر غیر مسلم
تھے اسلئے مجھے کبھی ترقی نصیب نہ ہوئی .... میرے دل میں
اس بات کا سخت افسوس رہا کہ آیا میرے برخلاف کیا شکایت تھی اور
کس جرم کی پاداش میں میرے ساتھ اس قدر سختی کا سلوک ہوا۔[۹]

اس موقعے پر اس بات کا ذکر قارئین کے لئے بڑا دلچسپ ہوگا کہ اس ظلم و ستم کا حقدار سمجھے جانے والے مہجورؔ کا جرم یہ تھا کہ وہ پڑھا لکھا ہے، اخباروں میں مضمون لکھتا ہے اخبار گھر پر منگواتا ہے اور مشاہیر کے ساتھ خط و کتابت رکھتا ہے۔غرض یہ حالات ایسے تھے کہ کوئی بھی ذی شعور آدمی اس گھٹن کے باعث اپنا گریباں پھاڑ کر اوروں پر کنکر پتھر پھینکنے لگے گا۔لیکن مہجورؔ کی طبیعت اس ظلم و ستم کے باوجود نہ تو ملازمت

کوترک کرنے پر مائل ہوسکی ناہی اپنے آبائی پیشے میں پناہ لینے پر آمادہ ہوسکی۔ یہ بہت بڑی آزمائش ہے مہجورؔ جیسے شاعر کی غیور طبیعت نے اس ظلم وستم کو کیسے گوارا کرلیا سمجھ میں نہیں آتا۔ اصل میں ان آزمائشوں میں قلم نے ان کو بڑا سہارا دیا۔ اور وہ شاعری کی دنیا میں اپنے دل کی بھڑاس نکالتے رہے۔ ایک طرف وہ اپنے احساسات کو اپنے قلم کے سہارے محفوظ کرتے رہے اور دوسری طرف نفسیاتی اعتبار سے اپنی توجہ دوسری طرف ہٹاتے رہے۔ مگر ان باتوں کے باوجود اپنے حقوق کے لئے جدوجہد بھی کرتے رہے چونکہ یہ باتیں میرے حیصہ موضوع میں نہیں آتیں اسلئے ان پر تفصیل سے کسی اور موقعے پر بحث ہوگی۔ مگر اس کے باوجود یہ بات تو بار بار دہرانا پڑے گی۔ کہ کوئی کشمیری شاعر اپنی زندگی میں اس قدر مقبولیت حاصل نہ کرسکا۔ جتنی شہرت اور مقبولیت مہجورؔ کو ملی۔ ایک تو وہ خود سفر کرتے رہے اور دوسرے عام لوگوں کو ان کے شعر متاثر بھی کرتے تھے۔ چنانچہ عام لوگ ان کا کلام گاتے تھے اور گانے والی ٹولیاں گاؤں گاؤں جاکر ان کے شعر لوگوں کو گا کر سناتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا کلام ۱۹۳۰ء سے اب تک برابر شائع ہوتا رہا اور ہر حصہ ہزاروں کی تعداد میں برابر چھپتا رہا۔ کسی کشمیری شاعر کا کلام اتنی بار اور اتنے ایڈیشنوں میں نہیں چھپا ہے مہجورؔ کا کلام رومن رسم الخط اور دیوناگری رسم الخط میں بھی چھپا۔ گزشتہ برس محمد یوسف ٹینگ[6] نے یہ سارا کلام جمع کرکے مقدمہ اور خواشی کیساتھ کلیات مہجور کے نام سے مرتب کیا اور اسے جموں اینڈ کشمیر اکیڈیمی آف آرٹ اینڈ لینگوئیجز نے بڑی محنت اور توجہ سے شائع کرایا۔

کلامِ مہجورؔ کے کثیر الاشاعت ہونے کے باوجود بعض قلمی آثار اب تک اوراقِ پریشاں کی صورت میں ہے۔ ان آثار میں بیشتر ابھی زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوسکے

ہیں۔ اور ان میں سے کوئی چیز کہیں کسی رسالہ میں چھپی بھی ہے وہ نایاب ہونے کی حد تک کم یاب ہے۔

راقم کو محمد احمد اندرابی [۷] اور ابدال مہجور [۸] کی وساطت سے ایسی کچھ چیزیں دستیاب ہوئی ہیں۔ ان میں بعض فنی اعتبار سے کسی بڑی اہمیت کی حامل نہیں ہیں مگر یہ آثار چونکہ ایک بڑے شاعر، عالم اور محبِّ وطن سے منسوب ہیں اسلیئے ان کا محفوظ کرنا نہ صرف ادبی خدمت بلکہ قومی امانتداری بھی ہے۔ اسی خیال کے پیش نظر ان آثار کو آپکی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

اردو کلام۔ بقول آزاد مہجور نے ۱۹۱۲ کے بعد فارسی کو ترک کر کے اردو میں شعر گوئی شروع کی۔ لیکن ان کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ۱۹۱۲ء سے قبل بھی اردو میں شعر کہتے تھے کیونکہ ان کی ایک غزل پر ۱۰ مارچ ۱۹۱۱ کو تاریخ درج ہے بقول آزاد مہجور کی یہ غزل ۱۹ اشعار پر مشتمل تھی لیکن اسکے صرف چھ شعر مل سکے ہیں جو یہاں پیش کیئے جاتے ہیں

تشنہ غم کے لئے وصل کا جام اچھا ہے
عندلیبوں کے لئے گل کا پیام اچھا ہے

در دولت پہ گئے بار نہ پایا اے دل
تو ہے بیکس تجھے عزت کا مقام اچھا ہے

راز سر بستہ کی دل میں ہے حفاظت لازم
مال رکھنے کے لئے مالِ گودام اچھا ہے

اجڑے غاروں میں رہا کرتے ہیں رہزن چھپکے
قلب مضطر میں ہی دلبر کا قیام اچھا ہے

دل سے بہتر ہے کہ آنکھوں پر بٹھائیں انکو
اوج پر ہو دئے اگر طالع تمام اچھا ہے
زلف اور خال کو مہجور یہ سمجھا میں نے
طائر دل کے پھنسانے کو یہ دل اچھا ہے

ایک اور نظم پر ۲۶/مارچ ۱۹۱۱ء کی تاریخ پڑھی ہے۔ مگر یہ نقل بہت ہی ناقص ہے۔ یہاں صرف اس کے آخری بند کے نقل کرنے پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے ۔

تو پاؤں میں تو دوشوں میں		رندوں میں تو خاموشوں میں
مستوں میں تو مدہوشوں میں		جلوں میں تو روپوشوں میں
تو مہجور کے گوشوں میں
تو اسلئے دُرِ مدنی

۱۹۱۱ء ہی میں ترال کے راجہ عبدالرحمان صاحب فارسٹر محکمہ جنگلات کی خاطر سات اشعار پر مشتمل یہ غزل کہی گئی تھی جو مطبوعہ شکل میں کہیں نظر سے نہیں گزری ۔

آہ مجھ پر پھر ستم ہونے لگا		دور جب سے وہ صنم ہونے لگا
حال زار قلب مفطر سینے پر		خونِ دل سے اب رقم ہونے لگا
گل رخوں کی بے وفائی دیکھ کر		بارِغم سے سرو خم ہونے لگا
جب سے وہ دلبر جُدا مجھ سے ہوا		ہم نشین رنج والم ہونے لگا
یارِ من محفل میں کچھ رونق نہیں		شربت غم جام جم ہونے لگا

وصل کی شب قہر میں ساری کٹی مہر ہوتے صبح دم ہونے لگا
دیرے سے رخ پھیر کر مہجورؔ آج
داخل بیت الحرم ہونے لگا

تضمین .... ۱۹۲۴ء کا کیا ہوا ایک مخمس بھی ملتا ہے جس میں سودا کی ایک غزل کو تضمین کیا ہے جس کا مطلع ہے ۔

نے بلبل چمن نہ گل نو دمیدہ ہوں میں موسم بہار میں شاخ بریدہ ہوں ۹

مخطوطے سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مخمس سرینگر میں نظم ہوا ہے اس مخمس سے مہجورؔ کے کثیر المطالعہ ہونے کا بھی ثبوت ملتا ہے کہ اردو کے اور اساتذہ کے علاوہ سودا کے کلام میں بھی انہیں دلچسپی تھی ۔ یہ تضمین مہجورؔ کی خود اعتمادی اور شاعرانہ جرات کی غماز ہے ۔ روانی اور الفاظ کا انتخاب اس کے خاص اوصاف ہیں ۔ یہ مخمس اس سے قبل ''تعمیر'' کے مہجور نمبر[۱۰] میں شائع ہوا ہے مگر شیرازہ کے جس شمارہ کے لئے یہ مضمون لکھا جا رہا ہے اس کی حیثیت آئندہ کے لئے دستاویز کی ہوگی ۔ اسلئے قارئین کی دلچسپی کے پیش نظر اس مخمس کو یہاں بھی پیش کیا جاتا ہے ۔

آتے ہیں دور دور سے رندانِ خوشخرم وہ مست بادہ اور میں رہتا ہوں تشنہ کام
اپنی کمی وغیرہ کی بیشی پہ صبح شام گریاں بشکلِ شیشہ ہوں خندان بطرز جام
اس میکدے کے بیچ عبث آفریدہ ہوں
ناواقفِ حیات و ممات اور گرم سرد نا آشنائے فرقِ سفید و سیاہ و زرد

مہجور سُن یہ نکتہ اقوال نیک مرد میں کیا ہوں اور کون ہوں؟ سودا بقول درد[۱۲]
جو کچھ بھی ہوں میں سو غرض 'آفت رسیدہ ہوں''

اس مخمس سے مہجورؔ کی صلاحیتوں کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ سوداؔ جیسے پختہ کلام استاد کے اشعار کو تضمین کرنا معمولی شاعر کا کام نہیں۔ زبان اور خیال دونوں میں ایک بھی کہیں اَنمل اور بے جوڑ نظر آئے تو سارا مزا جاتا رہے گا۔ مہجورؔ نے اس ذمہ داری کو خوب نبھایا سوا اس کے کہ کہیں کہیں بے ضرورت عیبِ تنافر پیدا ہو گیا ہے۔

بقولِ آزاد ۱۹۹۱ بکرمی میں سرینگر کی نمایش گاہ میں ہونے والے مشاعرے میں مہجورؔ نے کشمیری غزل کے علاوہ ایک اردو غزل بھی پڑھی تھی کشمیری غزل ''باغ نشاط کے گلو.........'' تھی۔ اردو کا مشاعرہ طرحی تھا مصرعہ طرح غالب کا تھا ع

گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو.......... عبدالاحد آزاد نے اس غزل کے پانچ شعر اپنی کتاب[۱۳] میں شامل کئے ہیں۔ راقم کو جو مسودہ دیا گیا ہے اس میں ۹ شعر ہیں۔ اس خیال سے کہ پوری غزل اب تک کہیں شائع نہیں ہوئی ہے۔ یہاں اسے اس احتیاط کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے کہ جو اشعار آزاد کی کتاب میں شائع ہو چکے ہیں ان کے ساتھ 'م' یعنی مطبوعہ اور پہلی بار شائع ہونے والے اشعار پر 'غ م' یعنی غیر مطبوعہ کی نشانی موجود ہو۔

دل درد آشنا میرا کسی سے ہمزباں کیوں ہو
'م' عیاں انجام ہو جسکا وہ میری داستاں کیوں ہو

نہ سوچو پہلے کیا انجام ہوگا دل کے سودا کا
'م' دم ہنگامہ آرائی غمِ سود و زیاں کیوں ہو

کیا باد صبا نے جس گل کا چار سو شہرہ
'م' چمن میں آج گلچیں کو ہراس باغباں کیوں ہو۔

نکالا گوشہ عزلت سے اس کو میرے نالوں نے ‘م’ میری آہ وفغاں سنکر وہ مجھ پر مہربان کیوں ہو

نیاز ونماز کی باتیں تکلف سے ہیں بالاتر ‘غ م’ تکلم میں گل وبلبل کے مالی ترجمان کیوں ہو

بہا ہے اشک کے ہمراہ میر کارواں ہوکر غ م جو سرمہ کی طرح ہو بے وفا وہ رازداں کیوں ہو

بدل دِی رخ کی زردی غازہ مغرب کی سرخی نے غ م قدیمی وضع کا پابند اب ہندوستان کیوں ہو

رہ کوئے صنم گوشہ نشین زاہد بتائے کیا غ م جو منزل سے ہوناواقف وہ میر کارواں کیوں ہو

پئے تسکین دل لازم ہے اے مہؔجور خاموشی
خیالِ پیش وکم تا کے! گمانِ این وآں کیوں ہو
‘غ م’

مہؔجور نے ایک نظم ’خطاب بہ مسلم کشمیر‘ کے عنوان سے کہی تھی۔ بقول آزاد مہجور نے یہ نظم علامہ اقبال کی مشہور نظم ’’خطاب بہ مسلم‘‘ کے زیر اثر لکھی ہے[۱۴] یہ نظم ’اخبار کشمیر‘ لاہور مورخہ ۶/جون ۱۹۲۴ء کو شائع ہوئی ہے۔ آزاد نے س کا ایک انتخاب ’کشمیری زبان اور شاعری‘ میں شامل کیا ہے۔ راقم کے سامنے اخبار کشمیر کا متذکرہ پرچہ نہیں ہے۔ اسلئے نہیں کہہ سکتا کہ یہ نظم پوری کی پوری شائع ہوئی تھی یا نہیں۔ راقم کو جو مخطوط دستیاب ہوا ہے۔ اس میں اس نظم کے ۱۷ اشعار درج ہیں۔ آزاد نے گیارہ اشعار شائع کئے ہیں۔ اس خیال سے کہ نظم ایک جگہ محفوظ ہو جائے یہ پوری نظم یہاں پیش کی جاتی ہے۔ جن اشعار کے ساتھ ’م‘ یعنی مطبوعہ لکھا گیا ہے وہ عبدالاحد آزاد کی کتاب ’’کشمیری زبان اور شاعری‘‘ سے متعلق ہیں اخبار کشمیر کے محولہ بالا پرچے کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔ نظم یہ ہے

O

بتا اے مسلم کشمیر کبھی سوچا بھی ہے تو نے م تو ہے کس گلشن رنگین کا برگ شاخ عریانی

تیرے اسلاف وہ تھے جن کے علم وفضل کے آگے م ادب سے جھکتے تھے دانشوران ہندو ایرانی

شہنشاہ معظم شاہ زین العابدین بڈشاہ م کیا اکبر نے جس سے کسبِ آئین جہانبانی

نظیر اسکی دکھا سکتا نہیں یہ چرخ دولابی م اگر لاکھوں برس کرتا رہے گا چرخ گردانی

ہنر منداں عالم خوشہ چین تھے ترے خرمن کے غ م اسی سرچشمہ علم وادب سے لیتے تھے پانی

بخوبی یاد ہے ابتک سخن سنجان عالم کو م غنی کی نکتہ سنجی شیخ صرفی[15] کی سخندانی

وہ شہنشاہ باتقویٰ وہ فخر تاج چغتائی م وہ جسکی زندگی کا شغل تھا دین کی نگہبانی

تیرے پیارے وطن کو قبہ اسلام کہتے تھے[16] م گواہی کیلئے موجود میں احکام سلطانی

وہ شمع ملت مجدد الف ثانی کا غ،م سر اہلِ طریقت مالک ملک خدادانی

تیرے آبا کے شاگرد ہیں[17] انکا نام نامی ہے غ،م وہ فخراً کرتے ہیں اس فیضیابی کی ثنا خوانی

غرض ہے مثل تھے اسلاف تیرے حسن وخوبی میں غ،م مگر اب قابل ماتم ہے تیری خانہ ویرانی

شکستہ حالی بغداد پر ہے نوحہ خواں ہو رہی م پے اسپین ہے اقبال محوِ مرثیہ خوانی[18]

مگر کشمیر میں ویراں ہوا اسلام کا گلشن کوئی کرتا نہیں جز آب شبنم اشک افشانی

نہیں باقی رہا اسلاف کا کوئی نشان تجھ میں م وہ تھے محنت کے عادی کذا اور تو مست تن آسانی

وہ چمکے آسمانِ علم پر شمس وقمرین کو غ،م پڑا تو قصرِ ذلت میں بروے جہل ونادانی

مٹایا ملت بینا نے جس باطل پرستی کو م تعجب قبہ اسلام میں اسکی ادانی

زبان پر نام حق دل میں بتانِ شوخ کی الفت م چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

سرینگر ہی میں ۱۹۲۹ء ''سیر نشاط باغ'' کے عنوان سے مسدس کا ایک بند ملتا ہے۔

اس بند میں کوئی خاص بات سوا اس کے نہیں ہے کہ یہ آثار مہجورؔ میں سے ہے۔ گمان غالب یہ ہے کہ مہجورؔ نے کوئی طویل نظم کہنے کا ارادہ کرلیا ہوگا اور صرف ایک بند کہہ کے ارادہ بدل دیا یا کوئی اور بات مانع ہوئی۔ ان اشعار میں بھی سوداؔ کا اثر دیکھا جاسکتا ہے۔ یہ اشعار بھی مطبوعہ شکل میں راقم کو کہیں ملئے اسلئے یہاں پر درج کئے جاتے ہیں کہ محفوظ ہوجائیں ۔

ایک اور غزل جو مطبوعہ صورت میں راقم کی نظر سے اب تک نہیں گزری ہے یہاں پیش کی جاتی ہے۔ غزل سات اشعار پر مشتمل ہے۔ مسودے سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ غزل کب اور کہاں کہی گئی ہے۔ گمان غالب یہ ہے کہ مہجورؔ کا ابتدائی کلام ہے۔ غزل یہ ہے ۔

عاشق بیداہیں پر قیس بیاباں اور ہے
شیر قالین اور ہے شیر نیستاں اور ہے
قتل کا فتویٰ دیا قاضی نے اس سے کیا ہوا
نیم بسمل جس سے ہوں وہ تیغ براں اور ہے
باغ شالامار کا سودا میرے سر میں نہیں
جس چمن میں ہے میرا گل وہ گلستان اور ہے
طعنہ اغیار جسم ناتواں پر تیر ہیں
جس سے زخمی دل ہوا وہ تیر مژگاں اور ہے
دلبر طناز[۲۲] کا اس خاک پر منزل نہیں
شاہ خوباں کیلئے اک کاخ و ایواں اور ہے

مثلِ اسکندر نہیں ظلمات کا سودا مجھے
جس[۲۳] کا ہوں میں تشنہ لب وہ آبِ حیوان اور ہے
نالہ مہجور سُن کر بن کے بولا وہ صنم
شعر تو کہتے[۲۴] ہو اچھے پر داغِ سخنداں اور ہے

اس غزل میں تغزل اور انتخاب الفاظ قابل توجہ ہے۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اردو شاعری میں مہجور کوئی نیا پن لانے کی فکر میں نہیں تھے بلکہ روایت کے راستے پر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے آگے چلتے ہیں۔

غیر مطبوعہ اردو کلام کے سلسلے کی آخری کڑی جسے راقم آپکی خدمت میں پیش کرنے جا رہا ہے ایک نظم ہے اردو میں اس کا عنوان ہے ''خطاب بہ زبان کشمیر' چار بندوں پر مشتمل یہ نظم بھی مخمس ہی ہے اور راقم کی نظر میں اب تک غیر مطبوعہ ہے

O

ذرا اے کاشمیری زندگی کی شان پیدا کر　　زبان شیرین مثالِ بلبل نالاں پیدا کر
دمِ آتش فشاں اور سینہ بریاں پیدا کر　　نگہ[۲۵] میں جذبہ دل[۲۶] میں حسرت وارماں پیدا کر
تو ہر محفل میں جانے کے ذرا سامان پیدا کر

وقوف قرب درگاہِ شہہ دوراں[۲۷] پیدا کر　　حسینانِ جہاں کی محفلوں میں شان پیدا کر
گل افشانی شکر ریزی لب خنداں پیدا کر　　ادا بانکی نظر ترچھی نرالی آن پیدا کر
نشان شانِ محبوبی تو میری جاں[۲۸] پیدا کر

عبث ہے خواہش وصل بتاں اور جام عیاشی　　خیال حشمت و جاہ شکوہ ارثِ آبائی
رفیق راز ہیں تیرے ملال ورنج ورسوائی　　شب دیجور چشم تر ہجوم یاس و تنہائی

وفورِ جوش و خونِ دل کہیں طوفان پیدا کر

ستائیں دشمن نا اہل انکا رنج بر سر لے
نکلنا ہے بصد حشمت تجھے زنداں کلفت سے

یہی احکام ہیں جاری یہاں قانون قدرت کے
کیا مسند نشین مجھ کو ہے آخر گماہی نے

زلیخا اور قید یوسف کران پیدا کر

یہ نظم نامکمل معلوم ہوتی ہے۔ اس بارے میں تو کچھ کہنا مشکل ہے کہ یہ نظم کب اور کہاں کہی گئی لیکن ایک بات اس سے واضح ہے کہ اس نظم میں مہجور نے اپنے آپ کو مخاطب کیا ہے اور در پردہ خود کو تسلی بھی دی ہے۔ جن مصائب کا انکو سامنا کرنا پڑا اور وہ اُف تک نہ کر سکے، ان کے پیش نظر یہ نفسیاتی تسلی اور توجہ کو ایک طرف سے ہٹا کے دوسری چیزوں کی طرف منتقل کرنا ایک دانشورانہ ردعمل ہے۔ اپنے دشمنوں کو وہ نا اہل بھی کہتے ہیں مگر ان کا رنج قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ کار بھی نہیں۔

گذشتہ صفحات میں مہجور کا بیشتر غیر مطبوعہ کلام آپ نے ملاحظہ فرمالیا۔ اس میں آپ کو وہ خوبیاں نہیں ملیں گی جو اردو کے اساتذہ کے کلام میں آپ دیکھتے ہیں۔ مہجور کشمیری کے شاعر ہیں اور بڑے شاعر ہیں۔ اس اعتبار سے اس کلام کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک بڑے کشمیری شاعر کا اردو کلام ہے۔ ہفت روزہ 'رہبر' ۱۱/ اکتوبر ۱۹۳۹ء میں "خطاب بہ مہاراجہ بہادر" کے عنوان سے مہجور صاحب کی ایک قصیدہ نما نظم چھپی ہے جسے یہاں قارئین کی دلچسپی کیلئے منتقل کیا جا رہا ہے۔

O

بلبل شیریں بپا لائی پیام نو بہار
صد مبارک آ گیا فصل بہار خوشگوار

چھیڑ کر کس نے جگایا آج خواب ناز سے
نو نہالانِ چمن کو کس طرح اترا خمار

آج کس تقریب پر یہ اہتمام و دھوم دھام — ساکنانِ باغ ہیں مست بے شوق فگار
یادگارِ جامیو لو چن راجہ کیواں حشم — معدن عدل و شجاعت بانی جموں دیار
صاف کہدوں گلبدن گلاب کی ٹہنی ہری — جس سے خارستانِ کشمیر بن گیا لالہ زار
اے ہمالہ تجھکو ہے اپنی بڑائی کی قسم — آج تک دیکھا ہے تونے کوئی ایسا شہریار
تیری سنسان وادیوں میں اب بہار آنے کو ہے — چپہ چپہ تیرا بن جائیگا رشک شالہ مار
ساکنانِ کاشمر اے خسرو گیتی پناہ — حالِ دل اپنا سناتے ہیں بعجز و انکسار
دور جد و جہد کے اس عہد پر آشوب میں — کسطرح دن کاٹتے ہیں کیا ہے انکا کاروبار
کالی دامان ناتوان اور بے زباں بے دست وپا — تیرے ظلِ رحم میں مانند طفلِ شیر خوار
ہم اگر ناداں ہیں، بیکار ہیں لاچار ہیں — تو بنا سکتا ہے ہم کو صاحب عز و وقار
ہم اگر جاہل ہیں، بے تمیز ہیں بے علم ہیں — دل پہ ہے تیری وفاداری کا نقش پائیدار
لب پہ حرفِ مدعا طرزِ تکلم نا پدید — تو سمجھ سکتا ہے سب کچھ اے شہ جم اقتدار
تحفہ کیا لائیں ترے دربار میں ہم بے نوا — جز دعائے نیک جو ہے بے بہا پھولوں کا ہار
یا الٰہی جب تک دورِ دمہ و انجم ہے — جب تلک باقی رہیگا گردِش لیل و نہار
سر مہاراجہ بہادر تا ابد پائندہ باد — زندہ ہو پایندہ و تابندہ تا روزِ شمار

ختم کر مہجور مدحِ خسرو فیروز بخت
کردعا پھولے پھلے یہ نونہال سایہ دار

اس مضمون کے آخر میں مہجور کے فارسی کلام کا وہ حصہ پیش کیا جاتا ہے جو راقم کی نظر سے مطبوعہ صورت میں نہیں گذرا ہے۔

رباعیات

○

نورالبصر کہ رہبر اہلِ طریق مشد
کنجے گرفت از نظرِ مثل عقیق[29] شد
ہشتم زماہ رحلت سرتاجِ انبیاء
در بحر نورِ غوطہ زن بودو غریق شد

○

صد مبارک بر کلاہ و برقبائے سروری
بخت وتخت عزودولت مژدہ نیک اختری[30]
برزباں آمد کہ یارب درترقی روز وشب
برکار نور دور کوکب اسکندری

○

دربارگاہ وحدت حیران ہر کہ دمہ
گفتند اہل حکمت پیش قفارضابہ
نہ جائے شکوہ ہرگز نے موقعہ شکایت
نے طاقتے کہ گویم ایں باز گرابہ

نظم (۱)

○

صد ہزاراں شکر منت سوے درگاہ خدا
کارسازِ ہردو عالم یاورِ ہر دوسرا[31]
آں خداوندی کہ دریک طرفتہ العین ازعدم
دروجود آورد مہرو انجم و ارض و سما
تر زبان بودم بحمد خالق کون ومکاں
ناگہاں درگوشم آمد مژدۂ فرکت فزا
بشنویداے حاضرین محفل ازسمع قبول
مژدۂ آوردہ ام فرحت فزاوغمِ رُبا
نو گلے بشگفت درباغِ خوشی غم دورکرد
صد مبارک برگل وبرآمدس صد مرحبا
افتخار خاندان وباعث عیش وطرف
نونہالِ گلشن امید ایں آقائے ما
یارب ازفضل دوام ویرداری برسرش
سایہ مادرپدرائے یاور ہر دوسرا

در جہاں از نورِ حکمت مثلِ خورتابندہ باد
ہمرکابش دولت و اقبال بادگذا
در ترقی روز افزوں دیگرش باداوراز
علم وحلم و عزودولت از فضل خدا
نیز در گہوارہ فضل وکرم دہ مردرا
شیر از شیر شجاعت شکرازنوروضیا
اندریں محفل کسے مہجوؔر مدعو[۳۲] نہ کرد
لیک از حوشِ محبت آمدو کرد ایں دعا

O

(۲)

بحمداللہ بحمداللہ نسیم نوبہار آمد
بہ بلبل صد مبارک بادوقتِ لالہ[۳۳] زار آمد
گرنیراں شدز دل تشویش واندوہ پریشانی
بہر سُونعرۂ شادی زوشت وکوہسار آمد
بوقتِ صبح در گلزار ابلبل باگلاں میگفت
بسنت آمد بسنت آمد غمیں دل برقرار آمد
مزین محفلے رشکِ ارم بابزم کیخسرو
خوشی[۳۴] یاحشمت[۳۵] وسردار[۳۶] باہم آشکار آمد
فلک شاداں مُلک خنداں زمین نازاں زماں خرم
چوآں شاہِ جہاں در بوستان شالامار آمد
فلک از بہرمقدمش زمین سیمین ولنسرین کرد
محبان جُملہ در فرحت عدوزار ونزار آمد
شہے والاہمم عالی حشم آں ظل سبحانی
بجودت حاتم ثانی بصولت شہریار آمد
فریدوں فرسکندر حشمت و کیخسر وثانی
شہہ پرتاب[۳۷] چوں مہتاب باعزووقار آمد

خوشی وحشمت واقبالؔ دایم شہہ کذا
دعا گودلحزیں مہجوؔر سوے کرد گار آمد

O

(۳)

بردرت آمد گدائے دلحزیں شیاللہ اے شہِ دُنیاودین[۳۸]
اے امانت دارِ از خیر و شر مخزن اسرار ہائے بحروبر
درپناہت آمدم اندوہگین رحم فرمانت خیر الراحمین

رمزدان خوے آں یاررحیم   کوہ (کذا) کریم
ہست درآینہ دِل عکس یار   کبرِ کم کنُ تابہ بینی آشکار
نسبتے دارم بدر بارِے کسے   دیدہ ام لطف و عنایت زوبسے
دست دامانِ در فضل اوزدم   تونہ پنداری کہ من بے یاورم
ہاں بیا اے بُلبُل گلزار حسن   وہ بمن پیغام آں اسرار حسن
نیک ام یابدولیکن ازغلامان توام   کذا

ماندہ ام ازبزم او مہجور دور
کے رسد جانم بداں دارالسرور[۳۹]

(۴)   O

بُلبُل بشاخِ سُنبل شدنغمہ خواں مبارک   دردِزبانِ ہرگُل جان جہاں مبارک[۴۰]
نرگِس بآب دیدہ گلزارِ آرمیدہ   بادِصباوزیدہ شدگل فشاں مبارک
نسرین ونستراں راہم سُنبل چمن را   ریحان ویاسمین راز گلستان مبارک
دروقت نیک وخوشتر باہ جاہ عزت وفر   بامہرماہ انورشد ہمقراں مبارک
یعنی رشید ارشد نورِ نظر محمد   درآن خوب واسعدشدکافراں مبارک
برپشت بور نیراں شہزادہ پرستان   مانندشہ سلیمان تخت رواں مبارک
بایک رکاب صولت دیگرگرفتہ حشمت   تمکین جاہ ودولت ہمراہ رواں مبارک
سوئے سعیدمنزل ہردلِ شداست مایل   شدازمکین حاصل شرف المکاں مبارک
ازبہرسال گفتاہاتف زروے ہمت   انعام یافت شغلے[۱۳۴۰]باعزوشان مبارک
اے خاں نیک سیرت مہدی خوش فضیلت   بارے قبول فرما از دوستاں مبارک

مہجوؔر دید میموں فالے سعادت افزواں
آمد پدپد اکنوں تفسیر آں مبارک

(۵)

O

وترڈاست ایں قریہ یا سرتاج ملک ما است ایں
خوش دِہے منزل گہِ حورانِ خلد آراست ایں
قبۂ کاف است یا تختِ سلیمان یا سبا
مسکنِ دیوان وگلگشت پریُرخ ہاست ایں
دور بین یا جامِ یک رصد گاہے بلند
بہر ہر کس سیر گاہِ پستی و بالاست ایں
قلعۂ نور است یا ہور است یا حصن حصین
یا سر طورِ منور خیمہ برپاست ایں
کوہِ بنان است یا بخد است یا غارِ خلیل
کہف صحاب رقیم و گوشۂ فقر است ایں
کذا نسواں است ایں یا خوانچہ نعیاست ایں (کذا)
یارب ایں غول است یا خناس دہ مرتبہ (کذا) نیبا است ایں

O

کیفت ایں مداح وترڈ دالہ بل گستاخ وشوخ
درسخن شمشیر زن مہجوؔر بے پرواست ایں

اب مہجوؔر کی ۱۲۲ اشعار پر مشتمل وہ معرکتہ الآرا فارسی نظم پیش کی جاتی ہے جو ۱۹۰۸ء میں انجمن نصرت الاسلام سرینگر کے سالانہ جلسہ میں ۱۹۰۸ء میں پڑھی گئی تھی۔ اس میں مولوی رسول صاحب مرحوم و مغفور کا ذکر خاص طور سے قابل توجہ ہے۔ مہجوؔر نے ان کو کشمیر کا سرسید کہا ہے اور نظم میں پہلے ان کا ذکر آیا ہے اور بعد میں پرتاپ سنگھ کا۔ یہ نظم کشمیری میگزین اگست ۱۹۰۹ء میں شائع ہوئی ہے مگر اس وقت نایاب ہونے کی حد تک کم یاب ہے۔ اس نظم سے اس بات کی تائید ہوئی ہے کہ مہجوؔر بڑے مُحب الوطن

تھے۔ اور وطن کی ہر چیز کو نہ صرف عزیز رکھتے تھے بلکہ اس کی تعمیر و ترقی کے خواہش مند تھے۔ نظم ملاحظہ فرمائیں۔

۵

صد ہزاراں شکر و منت سوے درگاہِ خدا — ہزار ہر دو عالم یا در پر دوسرا
آلہ و خداوندی کہ در یک طرفۃ العین از عدم — در وجود آورد و مہر و انجم و ارض سما
ابن آدم را عطا کرد از ازل علم و ادب — تا کند فرق نمایاں در صواب و در خطا
وردئے تاریکی و ظلم و جہالت ذا — کرو بس روشن بہ نور پاک آں شمس الہدا
یعنی آں خورشید رحمت منبع علم و ہنر — رہنمائے گرہان و شافع روز جزا
چشمہ فیضِ ہدایت کرد جاری در جہاں — آں شہہ والا ہمم واں سرگروہ انبیا
گر ہمے خواہی کہ یابی دولتِ دنیا و دیں — گیر محکم دامن علم و ہنر اے باصفا
اندریں فتے کہ ہر قومے پئے اصلاح خویش — ہمت کذا ترقی از سر ہست بپا
لیک اندر خواب غفلت خفتہ سومد ہوش مست — بے خبر از گردش گردوں گرداں قوم سا
زاغ اندر باغ شد ساکن بجائے عندلیب — باغباں بے دردِ گل چیں بے حیا گل بے وفا
گشتے ایں قوم در دریا ناپیدا کنار — سیل بر سر موج زن در خواب غفلت ناخدا
دوش در حسرت فتادم خواب از من نمود — گفتم از سوز جگر اے چارہ ہر بے نوا
رحم کن بر حال دارم قوم من انے ذوالمنن — دے پناہِ عاجزاں آمرز موخوم فذا
آتش آہِ درونم بر زبان بُد شعلہ زن — ناگیاں در گوشم آمد مژدہ فرحت فزا
اے فدائے قوم از قلبِ حزیں غم دور کن — نغمۂ شکرانہ کُن چوں عندلیب خوش نوا
نصرت الاسلام آں دار العلوم کاشمر — شد مزین از جلوس زمرۂ اہل صفا

بادِل خود گفتم ایں خواب است یا بیداری است | یا مگر سر سید آمد از پے اصلاح ملا!
نیرِ چرخ فصاحت عالم عالی خیال | حامی دین نبی کالبدر یطلع فے الدحا
ہم محقق ہم مدقق میر مولانا رسول | نصرت الاسلام کرداش صاحب صدق وصفا
بارور سر سبز شد نخل دادش در جہاں | از کمال جود و مہر سایۂ فضل خدا
آں فریدوں فر سکندر حشمت و دارا شکوہ | والے کشمیر شبہ پرتاب آں فرح نوا

در دلِ مہجورؔ شُد قومی محبت جوشن زن
ورنہ شانِ این چنیں محفل کجا و من کجا

۱۹۳۵ء میں محمد الدین فوق کی تاریخ اقوام کشمیر زیور طباعت سے آراستہ ہو کر بازار میں آئی۔ اس کتاب کے صفحہ ۱۶ پر مہجورؔ کے نمونہ کلام کے طور پر پنڈت بلہ کاک در (وزیر وزارت کشمیر کی تعریف میں مندرجہ ذیل اشعار درج ہیں۔

O

ای سرِ سرورانِ عالیجاہ | یادگارِ قبیلہ درہا
آمدی باہزار جاہ وچشم | ماہ گلندیم درریت سرہا
از وجودِ گروہِ راہزنان | بوداین سرزمین پُر از شرہا
آمدند ایں ہمہ گرفتہ بکف | تیر و تیغ وچوب وخنجرہا
سوی زندان بحکم تو رفتند | ایں ہمہ سار قارن ولیڈرہا
وقت تو خوش کہ وقت ماہم خوش | کردی ای دشمن ستمگرہا
گفت درباب جستن روزی | سعدیؔ آگاہ ازمقدرہا
رزق چند بے گماں برسلہ | شرط عقل است اسر جستن از درہا

در جواب آں غزل............

(مہجورؔ کے قصیدے کے جواب میں سید مبارک شاہ فطرت نے یہ جواب لکھا)[1]

O

آہ ! ازیں شاعرانِ بے زرھا
گُل بدستار ولیک بے سرہا

بے خودنداز غنائی خودزاں رو
می نوازند حلقۂ درہا

اے سرِ سردرانِ عالیجاہ
مدحِ مسلم بہ شان آوزھا

تف بہ ایں شاعران ہرزہ سرا
عار براِیں چُنیں سُخنورہا

ہر کجانانِ روغنی یا بند
می نویسند لغو دفترہا

مابہ میخانہ دیدہ ایم بسے
کاسہ لیانِ جام و ساغرھا

فطرت ازبادۂ غنیؔ شد مست
بست برروی خویشتن درھا

---

[1] یہ اشعار تحریک حریت کشمیر جلد ۳، از رشید تاثیر میں چھپے ہیں۔ (ادارہ)

حواشی

۱۔ کشمیری زبان اور شاعری عبدالاحد آزاد جلد سوم ص ۱۹۳

۲۔ بکرمی

۳۔ بعد میں کشمیر کے گورنر بھی ہو گئے تھے۔ اردو کے خوش بیاں شعراء میں ان کا شمار ہوتا ہے ان ہی کے خاندان کے محقق انوار احمد خان نے ان پر پی ایچ ڈی کے لئے اردو میں مقالہ لکھا ہے

۴۔ سکہ سرائج الوقت کے حساب سے تقریباً ۲۹ پیسے

۵۔ کلیات مہجور مرتبہ محمد یوسف ٹینگ ص ۳۶۔ ۳۷

۶۔ محمد یوسف ٹینگ کلچرل اکادمی کے سیکرٹری ہیں۔ مگر اس سے زیادہ وہ اپنی لیاقت سے پہچانے جاتے ہیں۔ آزاد کی کشمیری زبان اور شاعری پر ان کے حواشی بکار آمد میں اور کاموں کے علاوہ کلیات مہجور بڑی محنت اور عرق ریزی کے ساتھ مرتب کیا ہے۔

۷۔ محمد احمد اندرابی شیرازہ اور کے مدیر ہیں

۸۔ ابدال مہجور پیرزادہ غلام احمد مہجور کے پوتے اور محمد امین ابن مہجور کے صاجزادے ہیں۔ ریڈیو کشمیر سری نگر میں ملازم ہیں۔ ہندی میں سند یافتہ میں اور اب تک پچاس سے زائد دزسیاں کا بیان سے کشمیری میں ترجمہ ہے۔

۹۔ سودا کی غزل نو اشقار پر مشتمل ہے مگر مہجور نے صرف تین اشعار اور ایک

نامکمل، مصرعے کا استعمال کیا ہے۔ پوری غزل ملاحظہ کیجئے کلیات سودا جلد اول مطبوعہ ۱۹۳۲ء میں ص ۱۱۶

۱۰۔ تعمیر۔ مہجور نمبر جلد ۲ شمارہ ۴، ۵ اپریل مئی ۱۹۵۰ء ص ۷۵

۱۱۔ سودا کا مصرعہ یوں ہے ع رجوں گل ہزار جا سے گریباں دریدہ ہوں۔ کلیات سودا ۱۱۶

۱۲۔ درد سودا کے ہم سر تھے درد صوفی تھے اور سودا تصوف سے دور اپنی ذات کے بارے میں کیا اور کون جیسے سوالات تصوف ہی کا نتیجہ ہیں۔

۱۳۔ کشمیری ابان اور شاعری جلد سوم ص ۲۱۶

۱۴۔ ایضاً ص ۲۱۷

۱۵۔ آزاد نے اس مصرعہ کو یوں لکھا ہے ع غنی کی خوش بیانی اور صرفی کی سخندانی کشمیری زبان اور شاعری جلد سوم ص ۲۱۷

۱۶۔ آزاد نے کہتے تھے کی بجائے کہتا تھا، لکھا ہے۔ ایضاً ص ۲۱۷

۱۷۔ غالباً نقل کرنے میں غلطی ہوئی ہے۔ پہلا مصرعہ یوں ہونا چاہتے ع ترے آبا کے ہیں شاگردان کا نامہنا می ہے۔ راقم

۱۸۔ آزاد نے یہ مصرعہ یوں لکھا ہے ع ہے اندلس کے لئے اقبال محو مرثیہ خوانی کشمیری زبان اور شاعری۔ جلد سوم ص ۲۱۷

۱۹۔ آزاد نے یہ مصرعہ یوں لکھا ہے مگر صد حیف !اجڑا گلشن اسلام کشمیر میں۔ ایضاً ص ۲۱۷

۲۰۔ یہاں پر یہ بات قابل ذکر ہے کہ یہ نظم بھی مہجور نے ایسی زمین میں جس

کو سوداؔ نے پہلے ہی استعمال کیا ہے اس زمین میں سوداؔ کا ایک نعتیہ قصیدہ موجود ہے جس کا پہلا مطلع ہے

ہوا جب کفر ثابت سے وہ تمنائے مسلمانی   نہ ٹوٹی شیخ سے زنار تسبیح سیلمانی

اور مطلع ثانی ہے۔

عجبِ نادان ہیں جن کو ہے عجب تاج سلطانی
فلک بال ہما کو پل میں سونپے ہے مگس رانی

(کلیات سوداص ۲۴۳_۲۴۲)......اس وتسیع کو محض اتفاق کہنا مناسب نہ ہوگا۔ تضمین کے لئے سودا کی غزل کا انتخاب کرنا اور اپنی پر جوش خطابیہ نظم کے لئے سوداؔ ہی کی زمین کا انتخاب کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ سوداؔ کا کلام مہجورؔ کے مطالعے میں ضرور رہا ہے اور باوجود اس کے کہ مہجورؔ بہت ہی آسان زبان کا استعمال کرتے ہیں ان کی تمنا سوداؔ کی تقلید کرنے کی رہی ہے راقم کا خیال یہ ہے کہ اردو میں شعر کہنے سے گریز کا سبب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کوشش میں جو ظاہر ہے کہ معمولی کام نہیں تھا۔ کامیاب نہ ہوسکے۔

۲۱؎ لگتا ہے نقل کرنے والے سے الفاظ چھوٹ گئے ہیں، ممکن ہے کہ مصرعہ یوں ہو

ع ہے دھوم جس کی (آج کل) دنیا میں سر بسر

۲۲؎ مسودے میں 'کی' کے بجائے 'کا' ہے یہ یا تو کاتب سے نقل کرنے میں سہو ہوا ہے منزل کو چونکہ کشمیر میں تذکیر کے ساتھ بولا جاتا ہے اس لئے یہ سنم آگیا۔ فارسی کے کئی اسم جو اردو میں تانیت کے ساتھ بولے جاتے ہیں کشمیری میں اسی مفہوم اور

شکل میں استعمال ہوتے ہیں مگر جنس بدل دی جاتی ہے جیسے قسمت، تکلیف، تقدید، تحریر وغیرہ تفصیل کے لئے راقم کا مضمون weluence of kashmir

----

۲۳ے زیرِ نظر مسودہ میں کا کی جگہ سے لکھا ہے

۲۴ے مسودے میں یہ مصرعہ یوں لکھا ہے ع

شعر تو کہتے ہو اچھے پر داغ سخندان اور ہے

یہ نقل کرنے والے کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔

۲۵ے مسودے میں گنہ کے بجائے نگاہ لکھا ہے۔ مسودے کے کاتب سے سہو ہوا ہے۔

۲۶ے مسودے میں جذب کی جگہ جذبہ لکھا ہے۔

۲۷ے کشمیری میں لفظ کے آخر میں نون غنہ کی نون کا اعلان ہوتا ہے۔ ویسے بھی شاعری میں نون کا اعلان غیر صحیح نہیں۔

۲۸ے یہ رباعی کرگل میں منشی عطا محمد صاحب ناظر بندوبست کی صاحبزادی نور بیگم کے فوت ہونے پر کہی تھی۔

۲۹ے یہ رباعی راجہ سکندر خان کے تحصیلدار لداخ ہونے پر کہی تھی۔

۳۰ے یہ نظم لداخ میں ۱۹۰۹ء میں چودھری خوشی محمد ناظر کے فرزند ارجمند حمید اللہ کے تولد ہونے پر مبارک باد کے طور پر کہی۔ چودھری خوشی محمد وہیں ہیں جنہوں نے مہجور کا تقرر کیا تھا۔ چنانچہ اس نظم میں بھی آقائے ما کہہ کر یاد کیا ہے۔

۳۱ے مہجور نے مقطع میں شکایت بھی کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس

موقعے پر چودھری صاحب نے اپنے نومولو وصاجزادے کا جشن منایا تھا جس میں مہجورؔ کو دعوت نہیں دی تھی۔

۳۲۔ یہ نظم ۱۹۰۹ء میں لداخ میں بسنت وپنجی کے موقعہ پر کہی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈوگرہ شاہی میں بسنت پنجی کا تہوار بہت دھوم سے منایا جاتا ہے اوراس سلسلے میں ہونے والے اجتماعات میں امراورو سابھی حصہ لیتے تھے۔

۳۳۔ چودھری خوشی محمد ناظر

۳۴۔ حشمت اللہ

۳۵۔ سردار ٹھاکر سنگھ

۳۶۔ پرتاپ سنگھ

۳۷۔ مثنوی کی بیت میں یہ نظم سرینگر میں ۱۹۲۲ء میں نالہ مہجورؔ کے عنوان سے کہی ہے۔ ماہنامہ تعمیر'' کے ۱۹۵۷ء کے مہجورؔ نمبر میں فارسی نظم اسی عنوان سے شائع ہوئی ہے وہ اس سے مختلف ہے

۳۸۔ اس نظم سے مہجورؔ کے عقائد کا بھی پتہ چلتا ہے اوراس معجز کا بھی اندازہ ہوا تا ہے۔ جوان کی طبیعت میں تھا۔

۳۹۔ یہ نظم مبارک باد کے طور پر سورسیار میں ۱۹۲۷ء میں کہی گئی ہے ہجری سن (۱۳۴۹ھ) از بہر سال گفتار.......... بانی وشان مبارک سے برآمد ہوتا ہے۔

۴۰۔ آٹھ اشعار پر مشتمل یہ نظم وتر ڈ کی مدح میں بار ۱۹۷۵ء بکری میں کہی گئی ہے۔ وتر ڈ تحصیل بڈگام میں ہے اوراس نظم سے انداز ہوتا ہے کہ مہجورؔ ملازمت کے سلسلے میں وہاں رہے تھے۔

اظہر نعیم احمد

مہجورؔ اپنے گھر میں

یوں تو اس دنیائے ناپائیدار میں زندگی جیسی نعمت ہر ایک کو نصیب ہوتی ہے۔ لیکن کچھ ہی شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں جو کائینات کی حقیقتوں سے پردہ ہٹا کر خواب وخیال کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ذہنوں کو آزاد کردیتی ہیں۔ جبکہ اکثر اپنی ہی زلف سنوارنے میں مشغول رہتی ہیں۔ کائنات بھلا انہیں کیسے بھول سکتی ہے جو اِس کی بکھری ہوئی زلفیں سنوارتے سنوارتے اجل کا پیغام بڑی خوشی سے تسلیم کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ کائنات کا مکمل حصہ اسی طرح بن جاتے ہیں۔ جس طرح چاند اور سورج۔ یہاں تک کہ چاند اور سورج کیلئے روشنی کی لذتیں پھیلانے کیلئے مقررہ وقت ہی درکار ہوتا ہے۔ لیکن ان ہستیوں کے لئے کوئی وقت درکار نہیں، کوئی قید نہیں یہی ہیں وہ ہستیاں جو بادِ صبا کی فرحت بخش سرسراہٹ کو محسوس کرسکتی ہیں کائینات کے ذرے ذرّے سے پیدا ہونے والی آواز خوش آئیند کی گونج سُن لیتی ہیں اور جب ان سب چیزوں کے خالق کی عظمت کی جھلک ان کے نصیب کی زینت بن جاتی ہے تو ان کے دل میں جذبات اُمڈ آتے ہیں اور تخیل عالم بالا میں پرواز کرنے لگتا ہے۔ مدہوشی کا

یہ عالم عجیب سی سرمستی پیدا کر دیتا ہے احساسات کا سمندر پھوٹنے لگتا ہے جو لفظوں کے پیرہن میں نغمے بن کر ہر ایک کی زبان بر آنے لگتے ہیں۔ نغمے جو دوسروں کے لئے پُر پیچ راہوں میں ایک لائحہ عمل پیش کرتے ہیں زندگی کی سنسان راتوں میں روشنی کی کرنوں کی طرح جلوہ گر ہوتے ہیں لیکن جب تخیل کے آئینے میں حقیقت نمودار ہوتی ہے تو سماجی رشتوں سے وابستگی زندگی کی ضرورت بن جاتی ہے ایک طرف اپنا آشیانہ انگ و آشنا اور دوسری طرف وہ نا آشنا افراد جن سے اپنی ضرورتوں کے پیش نظر کبھی کبھار واسطہ رکھنا ہی پڑتا ہے۔ آشیانے کی طرف نظریں دوڑائیں تو زندگی بے معنی سی دکھائی دینے لگتی ہے کیونکہ اس آشیانے کا کیا کیجئے جس کے درودیوا شفقت اور راحت جیسے جذبات سے خالی ہوں راحت اور شفقت بخشنے والے پہلے ہی اجل کا جام پی چکے ہوں۔ ایسے آیشانے کا ذکر کریں تو مہجؔور کو بھلا کیسے الگ کریں۔ جس نے اپنے توتلے پن میں زندگی کی بہاروں کو اپنی آنکھوں سے لٹتے ہوے دیکھا۔

مہجؔور کو گھر کے آئینے میں دیکھیں تو کبھی سراب ہی سراب کبھی بہار ہی بہار......شاید اس لئے کہ انہیں کشمیر کا مہجؔور بننا پڑا۔

مہجؔور نے اپنے گھر میں جنم تو لیا۔ لیکن حالات کی تیز آندھی نے انہیں اس گھر کو وراثت میں پانے سے محروم رکھا۔ شاید خدائے برتر کو بھی مہجؔور کا اس موروثی گھر میں قید ہو کر رہ جانا منظور نہیں تھا۔ تبھی تو والدِ محترم کے سامنے پیر مریدی کے موروثی پیشے کو اپنانے سے انہوں نے صاف انکار کیا اور گھر کو خیر باد کہہ کر بکھری ہوئی راہوں کے مسافر بن گئے۔ منزل کو پانے کی تلاش جتنے بھی موڑ ملے انہیں گھر سمجھتے رہے اور اپنی ازدواجی زندگی کے آغاز تک صرف اپنی ہی ذات تک محدود رہے زندگی کا یہی دور

شخصیت کی تعمیر میں کافی فایدہ مند ثابت ہوا۔ پیر مریدی کے پیشے سے متعلق ان کے خیالات کو یہاں پر رقم کرنا نامناسب نہ ہوگا۔ ایک توانا اور تندرست پیرزادے کو صدقہ وخیرات اور نذر ونیاز لینے کا کیا حق حاصل ہے۔ پیر کی خدمت انجام دینے سے غریب مرید کو کیا نعم البدل مل سکتا ہے؟ آخر اس آمدنی کا کیا نام ہے جو محنت وشفقت کے بغیر حاصل ہوگی میں ایسی مفت خوری کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہتا ہوں۔ میں خود کما سکتا ہوں خدا نے تندرستی، علم اور عقل دی ہے۔ ایسا ہوتے ہوئے ایک غیرب کے گھر موٹے گھوڑے پر خدمت گار کو ساتھ لیکر بڑے جاہ وحشم سے کباب اور مرغن کھانا پسند نہیں کرتا۔ میں امیر کی نوکری کر کے چار پیسے کمانے کو ایسے طرز معاش پر ترجیح دیتا ہوں۔

مہجور کی والدہ سیدہ بیگم فن خوشنولسیی میں ماہر اور پڑھی لکھی خاتون تھیں۔ ابھی مہجور نے دو سال کی عمر بھی نہ پائی تھی کہ ممتا ماں کے دست شفقت سے ہمیشہ کے لئے محروم ہوگئے جو ۱۸۸۸ء میں کالا جیسی مہلک بیماری سے انتقال کر گئیں اور یتیم بچے کی پرورش انکی نانی نے ذمہ لی جو ایک پاکباز اور عبادت گزار خاتون تھیں اور روحانیت میں کمال حاصل کر چکی تھیں۔

مہجور ذہین ہونے کے ساتھ ساتھ بہت شوخ اور چنچل تھے۔ تھوڑے ہی عرصے میں انہوں نے قرآن پاک کے نو پارے حفظ کر لئے تھے۔ تین سال کے قلیل عرصے میں آپ نے پنج گنج نظامی'' وغیرہ کا درس مکمل کر لیا۔ ابتدائی تعلیم علاقہ ترآل میں حاصل کی۔ سکول کے ماسٹر صاحب نے ایک دن مہجور کو گھر سے چند بطخ لانے کو کہا۔ مہجور نے رات کے سناٹے میں پانچ چھ بطخوں کا تھیلا ماسٹر جی کے حوالے کر دیا۔

مہجورؔ کو پڑھنے کا بہت شوق تھا چونکہ آپ کے والدِ محترم خود بھی اچھے خاصے پڑھے لکھے اور انسان دوست شخص تھے۔ انہوں نے ہر طرح کی آسایش مہیا کر کے مہجورؔ کو پڑھنے کا موقع فراہم کیا۔ مہجورؔ نے اپنی زندگی میں یہ بات اپنے نواسے رشید احمد سے کہی ہے کہ ایکدن والدِ محترم سے اصرار کر کے پکھر پورہ کی زیارت گاہ پر گیا۔ انہوں نے خرچ کیلئے دو آنے بھی دیئے زیارت گاہ پر یہی خیال ستاتا رہا کہ کیا کیا چیزیں خریدی جائیں تو جلد ہی خیال آیا کہ گھر والوں کے لئے کچھ تبرک اور اپنے لئے پنسل اور کاغذ خریدوں چنانچہ ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد برابر تین مہینے تک خواجہ سعدیؒ کی گلستان بوستان'' نقل کرتا رہا۔ کیونکہ والد محترم سے اکثر سنا کرتے تھے کہ کوئی چیز نقل کرنے سے ہاتھ اچھا ہو جاتا ہے۔ مہجورؔ کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنیکا بے حد شوق تھا۔ لیکن ان دنوں ریاست میں تعلیم کے زیادہ مواقع اور وسائل میسر نہ تھے اس لئے نصرت الاسلام سرینگر میں اردو تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ مزید تعلیم حاصل نہ کر سکے چونکہ ان کی طبیعت بچپن ہی سے باغی تھی لہذا ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا ان کی تقدیر میں لکھا تھا اعلی تعلیم کی غرض سے والد بزرگوار کی اجازت کے بغیر پنجاب چلے گئے۔ خوشنویسی میں دستگاہ حاصل کرنیکا شوق ہوا۔ ادبیات میں بھی کافی دلچسپی پیدا ہوئی۔ بعد میں مشہور خطاط غلام علی کے پاس جا کر چھ مہینے باضابط اُجرت پر کام کرنے لگے۔ اسی دوران اردو اور فارسی کے مشہور و معروف شاعر مولوی عبداللہ بسمل سے ملاقات ہوئی خط و کتابت کا سلسلہ کافی دیر تک چلتا رہا۔ ان ہی کی بدولت آپ اخبار البدر میں لکھتے رہے۔

دو سال بعد آپ کشمیر واپس آ گئے تو یہاں آپ کا نکاح ہوا۔ گھریلو حادثات میں

آپ کی تخیلی دُنیا مسمار کردی اور تلاش روزگار زندگی کا معمول بن گیا بہت تگ ودو کے بعد لداخ میں نوکری مل گئی۔ اقارب واحباب وہاں جانے کیلئے راضی نہ ہوئے جس کی وجہ سے آپ بے سروسامانی کی حالت میں سفر لداخ پر چل پڑے۔ دوسال وہاں رہ کر آپ کو والد صاحب کے انتقال کی خبر ملی اور نوکری کو خیر باد کہہ کر پھر کشمیر آگئے۔ گھریلو زندگی کی ذمہ داریوں نے آپ کو جیسے اپنی زنجیروں میں جکڑ لیا اور آپ ایک زخمی پنچھی کی طرح پھڑ اپھڑاتے رہے۔ بہت عرصے کے بعد محکمہ بندوبست میں ملازمت مل گئی۔

مانہٕ ہتھ درویشِ کأمل آسہکھ نے حلقہٕ دار

مانا کہ آپ خود زیادہ پڑھے لکھے نہیں تھے لیکن دوسروں کی تعلیم میں آپ بہت زیادہ دلچسپی لیتے تھے خصوصاً اپنے بچوں کی تعلیم کے لئے وہ اپنی تمام تر مصروفیات ترک کردیتے تھے جس کی مثال اس واقعہ سے مل سکتی ہے۔

انکے پوتے رشید صاحب نے چھٹی کا امتحان دیا تھا لیکن پرچے معیار کے مطابق نہیں کر پایا تھا۔ نتیجہ نکلا مہجورؔ خود اسکے سکول گئے جہاں انکی بہت قدر ومنزلت ہوا کرتی تھی۔ شام کا اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ مہجورؔ بغل میں کچھ چھپائے ہوئے گھر کی طرف لوٹ رہے تھے، رشید نتیجے کے لئے بیتاب ہورہا تھا۔ لیکن مہجورؔ کے چہرے پر متانت اور ٹھہراؤ دیکھ کر کچھ نہ بول سکا۔ انہوں نے چار پانچ قسم کے کپڑے رشید کے سامنے رکھے اور پسند کرنے کو کہا۔ لیکن اسکی بے تابی بڑھتی ہی جارہی تھی۔ وہ بار بار مہجورؔ کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا کہ شاید وہ کچھ بتادیں بڑے ہی مدبرانہ انداز میں مہجورؔ صاحب نے اسے یہی صلاح دی کہ پرانی کتابیں دوبارہ پڑھنے سے انسان ذہین اور

عاقل بن جاتا ہے۔ رشید نے مہجورؔ صاحب کے چہرے پر ذرا سی خفگی نہ پا کر اطمیان کا سانس لیا اور دو مہنے تک مستی کی حالت میں رہا ایک دن مہجورؔ صاحب اس پر برس پڑے اور اسکو پھر سے سکول میں داخل کروایا۔ اس طرح وہ تخیل کی دنیا سے نکل کر حقیقت کی دنیا کو سنوارتے اور اپنی زندگی کی سانسوں کو دوسروں کو بنانے سنوارنے میں صرف کرتے گئے۔

مہجورؔ اساتذہ کا بہت احترام کرتے تھے۔ اپنا وہ وقت ان ہی کی صحبت میں رہ کر گزارا کرتے۔ ایک دن رشید احمد سکول سے ہاتھوں میں مُنہ چُھپائے ہوئے گھر آ رہا تھا۔ پلکوں پر آنسو بھی لرزاں تھے۔ پوچھ تاچھ کر کے رونے کی وجہ معلوم ہوئی کہ اسے سبق یاد نہ کرنے کے لئے دو تین تھپڑ بطور سزا کھانے پڑے ہیں۔ اسی بہانے اس نے تین دن سکول نہ جانے سے انکار کر دیا۔ چند روز بعد سکول کے ہیڈ ماسٹر مہجورؔ صاحب کے ہاں آنے کا سبب دریافت کیا۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے رشید احمد کی ساری کرتوت ان کے لئے سامنے رکھی مہجورؔ کے چہرے پر مایوسی اور غصے کے ملے جلے تاثرات واضح طور پر دکھائی دے رہے تھے۔ وہ ان سے مخاطب ہوئے۔

''کاش آپ نے مجھے ہی سکول میں بلا لیا ہوتا تاکہ میرے بچے کے دل میں اساتذہ کی قدر و منزلت کا احساس پیدا ہوتا۔ آپ نے ایسی چھوٹی سی بات کے لئے یہاں آکر اسے بہکا دیا۔ اور گمراہی کے عالم میں دھکیل دیا۔ بچوں میں اساتذہ کیلئے عزت و احترام کا جذبہ پیدا کرنا اساتذہ کا ہی فرض ہے'' اور ہیڈ ماسٹر بنا کچھ کہے وہاں سے چل پڑا۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے۔ کہ بچپن میں مہجورؔ کو والد محترم کی طرف سے یہ حکم ملا تھا

کہ وہ پیری مریدی کا موروثی پیشہ اپنائیں۔لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ان کی منزل نامعلوم اور راستہ دشوار تھا۔اور اس پر جذبات و احساسات کا لااُبالی پن۔اسی کشمکش میں محلّہ تاشوان سے گزر رہے تھے کہ وہ ان پر بیٹھی دو جوان و حسین عورتیں آپ میں محو گفتگو تھیں۔گفتگو کا مفہوم یہ تھا کہ وہ کل کسی فقیر کے پاس جائیں گی۔مہجورؔ کے دل کا اشتیاق بڑھنے لگا اور ان سے فقیر کے بارے میں پوچھا۔انہوں نے حضرت رحیم صاحب صفاپوری کا نام بتایا۔اسی وقت وہ رحیم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔اپنی حالت بیان کر کے ان سے اپنے حق میں دعا کی درخواست کی۔

تلاش روزگار کرو۔خدا تمکو کامیاب کرے گا۔اگر چہ ابتداء میں تکلیف اٹھاؤ گے مگر گھبرانا نہیں استقلال سے مصائب کا مقابلہ کرنا۔ضرور کامیاب ہو جاؤ گے جو لوگ آج تمہارے، مخالف ہیں ایک دن تمہارے ہم خیال ہوں گے۔بلکہ تمہاری شہرت وعزت پر رشک کریں گے۔''

وہ اکثر کشمیریوں کے توہمات دیکھ کر بھڑک اٹھتے تھے۔ہمیشہ گاؤں والوں کو سمجھاتے تھے۔کہ اپنے آپ پر مکمل اعتماد رکھو اور خالق حقیقی کی تلاش کرو۔مہجورؔ کے گھر کے باہر ایک چھوٹی سی ندی بہتی ہے جس کے بیچ میں انہوں نے چھوٹے چھوٹے جزیزے سے بنائے تھے۔اور جو آج بھی بہت ہی خراب حالت میں وہاں موجود ہیں۔ندی سے انہوں نے چھوٹا سا آبشار بنایا تھا۔جسکے نیچے لکڑی کے ٹکڑے پر جلتا ہوا دیا رکھا تھا۔روکے ہوئے پانی کو اس کے اوپر سے گزرنے دیا جاتا تھا۔گاؤں والے یہ دیکھ کر دنگ رہ جاتے اور مہجورؔ کو جادوئی پیر ماننے لگے تھے۔ان کی سادہ لوحی کو دیکھ کر مہجورؔ اندر ہی اندر تڑپ اٹھتے۔

متری گام پلوامہ میں حضرت شاہمدان کی ایک زیارت ہے۔ مہجور کے گھر سے جو چند گز کے فاصلے پر ہے مہجور کی سکونت سے پہلے وہاں یہ روایت تھی کہ وہاں رہنے والے ہر کنبے کے لئے لازمی تھا کہ تقریباً ۵ سیر چاول اور ایک مرغ زیارت گاہ لے جائے اور اس چاول اور مرغوں کو بھنڈار کیلئے استعمال کیا تھا لیکن اس جبری بھنڈار سے گاؤں والے خوش نہیں تھے اور وہ بھنڈار کے لئے نذر و نیاز دینے سے ہچکچاتے تھے مہجور نے اس روایت کو توڑ کر گاؤں والوں کو اپنی مرضی کے مطابق نذر و نیاز دینے کو کہا اور جو کچھ بھی حاصل ہوتا۔ اسے بھنڈار کے لئے خرچ کیا جاتا۔

۱۹۴۶ء میں مہجور متری گام پلوامہ میں مستقل طور پر سکونت کرنے لگے، ان دنوں گاؤں کی حالات ابتر تھی۔ ظلم وستم کا بول بالا تھا۔ خوف وہراس سے لوگوں کی آوازیں دب گئیں تھیں۔ مہجور کے وہاں رہنے سے گاؤں کی حالت میں سدھار آ گیا وہ اکثر گاؤں والوں کے ساتھ شام کا وقت گزارا کرتے اور ان کے مسائل میں کافی دلچسپی دیکھا کر انہیں حل کرینکی کوشش کرتے۔ ان دنوں اس گاؤں میں کم عمر جوڑوں کی شادیوں کا رواج عام تھا۔ ایسی ہی ایک شادی میں گاؤں کی عورتیں ایک ڈھلوان کو ٹھہار پر روایتی انداز میں گا رہی اور روف کر رہی تھیں۔ کوٹھہار پر زیادہ دباؤ پڑ جانے سے نیچے سے زمین کھسک گئی اور ایک کہرام مچ گیا۔ چند عورتیں زمین کے نیچے دب گئیں۔ ملبہ ہٹا کر دیکھا تو تین عورتیں ہلاک ہو چکی تھیں۔ سارے گاؤں میں صفِ ماتم بچھ گئی مہجور کی اطلاع ملتے ہی عجیب قسم کی بے چینی نے گھیر لیا۔ کیونکہ تحقیقات کے دوران احتمال تھا کہ پولیس اس راز سے واقف ہو جائے جو کہ قانوناً جرم ہے اس لئے مہجور چند گاؤں والوں کیساتھ پولیس چوکی میں گئے اور رپوٹ درج کروائی۔

مہجورؔ کے خیالات سیکولر قسم کے تھے۔ غیر مسلموں سے بھی ان کے روابط براورانہ تھے۔ ان کے گھر میں مُرن پلوامہ کے پنڈت ہمیشہ صلاح ومشورہ کے لئے آتے رہتے۔ متری گام میں مہجورؔ صاحب کے گھر میں آج بھی ایسے برتن موجود ہیں جو پنڈتوں کے لئے ہی رکھے گئے تھے۔ ۱۹۴۷ء میں جب برصغیر سے انگریزوں کا سایہ دور ہوا اور ہندوستان پاکستان وجود میں آئے تو پورے ملک کی طرح کشمیر میں بھی فرقہ وارانہ تصادم کے کچھ واقعات رونما ہوئے چونکہ پلوامہ میں مختلف فرقوں کے لوگ رہتے تھے۔ اس لئے وہاں بھی امن وامان برہم ہونے کا اندیشہ تھا لیکن مہجورؔ نے وہاں کی پنڈت پرداری پر آنچ نہ آنے دی۔ اور انہوں نے اپنے مراسم کو نہ صرف برقرار رکھا بلکہ فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو بھی مستحکم کیا ایک موقعہ پر اپنے ایک غیر مسلم کو لکھتے ہیں۔

۲۹ بھادوں

مائی ڈیئر پنڈت دامجو صاحب

بندگی

رسول بٹ متری گام زخمی ہوا ہے۔ خون جاری ہے۔ بند نہیں ہوتا۔ اس وقت اس کا پلوامہ پہنچنا یا ڈاکٹر صاحب کا یہاں پہنچنا مشکل ہے۔ کیونکہ غیر وقت ہے اس لے قلمی تحریر ہے کہ آپ برائے مہربانی یہاں تک آجائیں، تاکید ہے

مہجورؔ کاشمیری

جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی مہجورؔ کا لااُبالی پن تقریباً ڈھائی تین سال میں ختم ہو کر رہ گیا۔ خوبصورت ذہین اور حساس طبیعت رکھنے والا مہجورؔ ہندواڑہ کی پُرفضا ہواؤں

میں کھو گیا۔عیش وعشرت کی زندگی اپنے جوبن پر تھی لیکن نہ جانے کس کی چشم بد سے نوکری سے معطل ہونے کا آرڈر ملا۔افلاس کی دیواریں نمودار ہو گئیں اور وہ ایک ایک پیسے کیلئے محتاج ہو گئے۔خدا کی خدائی پھر سے جلوہ گر ہوئی اور زندہ رہنے کے کئی وسایل پیدا ہوئے۔اس طرح مہجورؔ کی زندگی کا ایک ایک دن ایک ایک داستان کی صورت اختیار کر گیا۔

ہندواڑہ سے بچھڑنے کے تقریباً تین سال بعد مہجورؔ ایک دن ان دنوں کے ڈائرکٹر ایجوکیشن جناب اسداللہ کاظمی کے ہمراہ تعلیمی دورے پر سوپور گئے تو وہاں چند طلبا نے مہجورؔ سے ہندواڑہ میں گزرے ہوئے ایام کے بارے میں پوچھا مہجورؔ کے چہرے پر عجیب سی رونق پھیل گئی ڈھائی سال کا عرصہ آنکھوں کے سامنے گھومنے لگا اور انہوں نے یہ شعر کہہ دیا

فیضانِ عیش وراحت اب تو گزرے چکے ہیں
بِکتا ہے حُسنِ ماضی بازار ہندوارہ[۱]

ملازمت کے چکر نے مہجورؔ کو ہمیشہ ہی اکثر و بیشتر گھر سے دور رکھا اور انہوں نے مختلف مقامات پر اپنی زندگی کے دن گزارے۔آپ آری گام میں بھی ملازمت کرتے رہے یہاں آج بھی وہ چنار استادہ ہیں جن کی آبیاری خود مہجورؔ نے کی ہے۔مہجورؔ دوربین اور ہوشیار تھے اس سے بڑھ کر آپ کے کارندے (نوکر وغیرہ) کافی چالاک تھے اس سلسلے میں آری گام کے ایک واقعے کا ذکر کرنا یہاں نامناسب نہ ہوگا۔ایک دفعہ آری گام میں تحصیلدار کا زمین کے انتقال کے سلسلے میں آنا ہوا تین چار دن وہ مہجورؔ کے

---

[۱] فیض (فضی) اور راحت کشمیر میں عورتوں کے نام بھی ہیں اور اس لئے حیات مہجور کا استقفارہ بھی ہیں۔(ادارہ)

ساتھ ہی ان کے ڈیرے پر رہے تحصیلدار نے خواہش ظاہر کی کہ چند مرغے اور کچھ اچھے قسم کے چاول ان کے گھر بھیج دیئے جائیں۔ مہجورؔ نے ان چیزوں کے علاوہ شہد کا ایک برتن بھی اچھی طرح ڈھانپ کے اپنے نوکر رمضان منگرو کے حوالے کیا اور تحصیلدا کے گھر چھوڑ آنے کی ہدایت دی اسے ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ برتن میں زہر رکھا گیا ہے جسے کھولنے کی زحمت نہ کرنا چند روز بعد مہجورؔ نے رمضان منگرو بلا وا بھیجا۔ تا کہ ان چیزوں کے بارے میں دریافت کرلیں۔ رمضان منگرو کے سر پر ہلدی لگی ہوئی تھی اور اسکی بیوی سرہانے بیٹھے سینہ کوبی کررہی تھی۔ مہجورؔ نے دو آدمیوں کو حکم دیا کہ اسے اسی حالت میں پیش کریں۔ رمضان منگرو کو مہجورؔ کے سامنے لایا گیا۔ تحصیلدار بھی وہیں موجود تھا۔ پوچھ پچھ شروع ہوئی تو اس نے جواباً کہا جناب کچھ سامان دکان پر لینے کیلئے آ گیا کہ تحصیلے میں سے مرغے نکل پڑے میں نے چاول کی بوری سے چاول نکال کر ان کے سامنے ڈالے۔ لیکن وہ بھاگتے ہی رہے یہاں تک کہ چاول ختم ہو گیا۔ اور مرغے بھی واپس نہ آئے اور آپ نے جو زہر کا برتن دیا تھا۔ اسے کھا کر میری یہ حالت ہوگئی ہے تحصیلدار بنا کچھ کہے ہی وہاں سے چل دیا۔

۱۹۴۷ء کی بہار کی ایک شام تھی۔ پروفیسر دیویندر ستیارتھی سیاحت کے لئے کشمیر تشریف لائے تھے اور ویری ناگ کے گھنے جنگلوں میں گھوم رہے تھے۔ ان کے کانوں سے پھول کی ملی جلی سُریلی آوازیں ٹکرائیں بچوں کو کچھ پیسے دے کر یہی گیت گانے کو کہا بچوں نے فرط مسرت سے مہجور کا ''پوشہ متہ جانانو'' والا گیت سنایا پروفیسر پر سکتہ طاری ہو گیا اور شاعر کے بارے میں دریافت کرنے لگا سرینگر پہنچ کر اس گیت کا ایک ماہر زبان سے انگریزی ترجمہ کروایا جو بعد میں انگریزی اخبار MODERN

REVIW میں شائع ہوا۔ یہ مضمون رابندر ناتھ ٹیگور کی نظروں سے گزرا۔ تو وہ پھڑک اٹھے پروفیسر صاحب (جوان کے شاگرد تھے) کو کشمیر روانہ کیا۔ یہاں پہنچ کر بہت تگ و دو کے بعد بھی مہجور کا کہیں پتہ نہ ملا۔ ایک شام ناامید ہو کر وہ ٹانگے پر اپنے ڈیرے کی طرف جارہے تھے کہ اسی ٹانگے پر مہجور بھی سوار تھے۔ دونوں میں باتوں کا سلسلہ چلا۔ باتوں باتوں میں پروفیسر صاحب نے کشمیر آنے کی وجہ بتائی۔ دل ہی دل میں مہجور بہت خوش ہوئے اور انہیں اپنے گھر لا کر ان کی خوب خاطر تواضع کی جب خود کو متعارف کیا تو پرفیسر صاحب خوشی سے اُچھل پڑے اور انہیں گلے لگایا۔ اس کے بعد برابر ا پندرہ دن مہجور کے ساتھ رہے اس طرح مہجور کا نام اور ان کی شاعری ملک کے کونے کونے میں پھیل گئی جس کیلئے انہیں ٹیگور کی طرف سے کشمیر کے WORDS WORTH کا خطاب ملا۔

مشہور فلم ایکٹر بلواج ساہنی جو مہجور کی شاعری کے مداح تھے نے ۱۹۳۹۔۱۹۳۸ میں وشنو بھارتی (شانتی نکتین کے انگریزی رسالہ) میں مہجور پر دو مضمون لکھے شمیم احمد شمیم سے اپنے ایک خط میں ایک جگہ یوں رقمطراز ہیں۔

''بطور ایکٹر میری زندگی کی سب سے بڑی تمنا ہے کہ ایک دن مہجور کی زندگی کو فلما سکوں شاید یہ خواب کبھی پورا بھی ہو جائے۔''

بیگم مہجور کے مطابق مہجور باہری دنیا کے ساتھ ساتھ گھر کے مسائیل میں بھی کافی دلچسپی لیتے تھے بلکہ الجھے رہتے تھے اور ان کی حل کرنے میں بڑی ہی دلچسپی لیتے تھے۔ اختلاف کی صورت میں افراد خانہ کی رائے بھی لیتے تھے اور اختلاف کی جڑ کو کاٹ کر رکھ دیتے۔ شاعری کو ترجیح دے کر گھر کی ذمہ داریوں سے کبھی خایف نہ رہتے

تھے۔ بلکہ گھر میں تو تخیل کی دنیا چھوڑ کر ایک عام گھریلو مرد کی طرح گھر کے کام میں لگے رہتے۔

کبھی کبھی اگر رات کے وقت شاعری کا موڑ ہوتا تو گوشہ خلوت میں رہنا پسند کرتے اور زیادہ مناظر قدرت کا لطف اٹھانے کی غرض سے بہت دور نکل جاتے اور انہیں الفاظ کا جامہ پہنا کر پیش کرتے۔

آنکھ نرگس کی کھلی سنبل نے زلفیں کھول دیں
ہے گل بادام مست لذتِ جام نشاط
سبزۂ نوخیز پر رقصِ عروسِ نو بہار
جھتا پھرتا ہے گویا بادہ آشام نشاط!

وہ اگر چہ زیادہ تر وقت گھر سے باہر گزارتے لیکن افراد خانہ کی فکر انہیں ہمیشہ ہی دامن گیر رہتی۔ ان کے ایک ہی اولاد نرینہ، محمد امین ...... جو ابن مہجورؔ کے نام سے مشہور تھے امین صاحب بھی ہمیشہ گھریلو ذمہ داریوں سے دور بھاگ کر تنہایوں میں پناہ لینا زیادہ پسند کرتے تھے ایک خط میں امین صاحب کو لکھتے ہیں۔

سری نگر

۶ / ماگھ

عزیز سلم اللہ

ہم سب یہاں بخیریت ہیں میں نے عزیز رشید کو چند یوم یہاں اس لئے روکا تھا کہ میرا ارادہ تھا کہ ہم اکھٹے گاؤں چلیں، مگر بد قسمتی کہ ایسا بعمل نہیں آیا۔ آپ نے تحریر کیا ہے کہ ماگھ پھاگن چیت تین ماہ کی رسد یکمشت وصول کرنی چاہے۔ آپ نے صرف چالیس روپے بھیج دیئے۔ سہ ماہ رسد پر ۶۳ روپے خرچ آتے ہیں روپے کی

تلاش ہے۔نہیں ہیں ۔اب ریڈیو والوں کے مگر ہوں ۔انہوں نے سوموار وعدہ کیا ہے۔امید ہے کہ روپے لے کر رسد وصول کرینگے ۔اس کے علاوہ جموں میں کام تھا۔مگر دس یوم سے ڈاک بند ہے۔فون بھی خراب رہا۔اس لئے کام میں درنگی رہی مفصل عزیز رشید زبانی سنائیگا۔آج صبح آپ کا تار بھی موصول ہوا۔اس لئے عزیز مذکورہ روانہ کیا گیا۔کل دن میں دینا ناتھ دریوہ بھی ملا۔انشاءاللہ تعالیٰ جموں کا کام مکمل ہونے پر اور باقی کام درست کر کے ہم بھی روانہ متری گام ہوں گے۔عزیز رشید کے ہاتھ سنگترہ ساگ، پھری[1] ہا ہوگاڑہ[2]، قلوچہ ہا، قبضہ ہا اور وغیرہ اشیا ارسال ہیں۔۸ عدد باقی چیزیں ہم ساتھ لائینگے۔رشید احمد کا کوئی قصور نہیں ۔یہ ہر وقت گاؤں جانے کے لئے مضطرب تھا۔مگر میں نے جبراً اس کو روکا تھا۔

مہجورؔ کاشمیری

ایک اور خط میں رشید احمد (امین صاحب کے بڑے صاجزادے) کو لکھتے ہیں

عزیزی رشید احمد

میں ہوائی جہاز پر صرف ۴۵ منٹ کے اندر اندر سری نگر سے جموں پہنچا، جہاز میں کوئی تکلیف محسوس نہ ہوئی ۔آرام سے سفر طے ہوا۔جموں میں کاظمی صاحب کے بنگلے پر ٹھہرا ہوں خدا کے فضل سے ہر طرح کا آرام ہے روزانہ اس کے ساتھ موٹر کار میں دفتر جاتا ہوں۔

ان باتوں کے متعلق جواب تحریر کریں،

[1] بھنی ہوئی مچھلیاں۔ [2] سکھائی ہوئی مچھلیاں۔

(۱) گھر کا کیا حال ہے بچوں کا حال جدا جدا لکھو۔ کیا ماسٹر روزانہ آتا ہے اور کیا بچے اچھی طرح پڑھتے ہیں؟

(۲) کیا قصر مولہ سے تیل سیاہ پہونچا اور کیا احمد بٹ نمبردار نے گھاس اور کھل دی ہے یا نہیں؟

(۳) عزیز ڈار کا کیا حال ہے۔ کیا وہ کبھی آتا ہے قطب شاہ کا کیا حال ہے

(۴) محمد امین شاہ سرینگر سے آیا تھا۔ آج کل وہ کہاں پر ہے اور س کا کیا حال ہے؟

(۵) گھر میں کسی چیز کی نایابی تو نہیں۔ اگر ہے تو کس چیز کی۔ مفصل لکھو۔

(۶) گاؤں کا کون کون شخص تمہارے پاس آتا ہے کیا دونوں احد بٹ آتے ہیں یا ایک بھی نہیں۔

(۷) گایوں، مرغوں اور بطخوں کا کیا حال ہے۔ کیا برف موجود ہے۔ کتنی برف پڑی تھی۔

(۸) اگر ماسٹر دینا ناتھ تحریر کریں گے کہ رشید احمد اس سال ضرور پاس ہوگا تو میں رشید احمد کے لئے یہاں سے کوئی خاص تحفہ لیکر آؤں گا یا وہ چیز لاؤں گا۔ جس کے لئے رشید احمد چٹھی میں شوق ظاہر کرینگے۔

(۹) اپنی نانی صاحبہ، والدہ صاحبہ، طاہرہ بیگم، عبدالباری اور زبیدہ بیگم کو سلام پہنچاؤ۔ عزیز وانی کو سلام۔

راقم

مہجور کاشمیری معرفت جناب کاظمی صاحب

چارٹرئیکر ایجوکیشن جے اینڈ کے، جموں (توی)

مہجورؔ نہ صرف اپنے عزیز واقارب سے بلکہ ہمسایوں اور شناساؤں کے بارے میں بھی جانکاری حاصل کرتے اوران کارویہ ان سے ہمیشہ ہی مشفقانہ رہا۔

بیگم مہجورؔ کے کہنے کے مطابق وہ ان کی بہت عزت کرتے اوران کا کافی خیال رکھتے تھے ایک دن میں نے باتوں میں بیگم مہجورؔ سے پوچھا کہ مہجورؔ صاحب کے انتقال کے بعد کیا آپ نے کبھی کوئی کمی محسوس کی۔ان کے چہرے پر متانت اور پس ماندگی کے ملے جلے تاثرات نمودار ہوئے اور چند لمحوں کے بعد انہوں نے کہا۔

مہجورؔ صاحب مجھ سے کبھی جدا نہیں ہوئے ہمیشہ سائے کی طرح میرے ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔میں نے کبھی ان کے جانے کا غم نہیں کیا کیونکہ ہم دونوں کا رشتہ روحوں کا رشتہ تھا۔ جہاں روحیں آپس میں ملی ہوں وہاں تن کا ملنا بےکار معلوم ہوتا ہے انہوں نے میرے سامنے اللہ کے فیض و برکت سے ایک بڑی دنیا تعمیر کی جس کے لئے انہوں نے ساری زندگی وقف کردی۔اس سے زیادہ مجھے اور کس چیز کی تمنا ہونی چاہے تھی کہ میں نے اپنے بیٹے کے بچوں کی پرورش کی وہ میری دیکھ بال کرتے ہیں۔

ایک اور سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ مہجورؔ صاحب زیادہ تر گوشت پکانے کی فرمایش کرتے۔چاول تو وہ بالکل کم کھایا کرتے تھے۔اسکے بعد زندگی کے آخری ایام میں مہجورؔ کافی لاغر دکھائی دیئے افلاس اور بھوک سے کئی بار دامن جھٹکنا چاہا لیکن وہ ہمیشہ سائے کی طرح ان کے ساتھ ساتھ ہو لئے۔خانگی حالت جب زیادہ ہی ابتر ہوتی جارہی تھی تو آپ عزیز واقارب رشتہ داروں سے ادھار مانگ کر گھر کی ذمہ داریاں بنھاتے رہے۔آخری ایام میں ایک بار بیماری نے شدت اختیار کی کھانے

کے لئے گھر میں کوئی چیز نہیں تھی۔ دوائی کی بات ہی نہیں۔ اپنے عزیز دوست کو پرچی لکھکر اپنی بے بسی اس طرح عیاں کردی۔

ٹنکی کدل

۴ ماگھ برادرم خواجہ علی محمد بک سیلر صاحب

اسلام

دو چار یوم سے آپ کی ملاقات نہیں ہوئی، کل میں ڈاکٹر علی جان صاحب سے ملا۔ انہوں نے بعد ملاحظ کچھ عرصہ کے لئے گاؤں جانے کا مشورہ دیا۔ اس لئے اب کل پرسوں تک متری گام جانا چاہتا ہوں۔ رسد شالی ماہ ماگھ، پھاگن آج وصول کرنا چاہتا ہوں مگر روپے موجود نہیں۔ اس لئے عرض ہے کہ براہ کرم عزیز رشید احمد کے ہاتھ مبلغ ۴۰ روپے بطور قرضہ حسنہ ارسال فرمائیں۔ انشاء اللہ زیادہ سے زیادہ ایک ماہ تک یہ قرضہ کو یکمشت واپس کردوں گا۔ یہ رقم سابقہ حساب کے ساتھ نہیں رہیگا۔ یہ خاص طور پر ادا کروں گا۔ اندیشہ نہ فرمائیں۔ کیونکہ وقت بہت نازک ہے اور یہ رزق کا معاملہ۔ ممکن ہے کہ گاؤں جاکر جلد واپسی ہوگی۔ ماہ رواں کی رسد ضائع ہوگی۔ اس لئے تکلیف دی جاتی ہے کہ درنگی نہ کریں۔

عزیز رشید احمد کے ہاتھ ڈاکٹر علی جان صاحب کا نسخہ بھی ہے ایک دو درجن ٹکیہ ہا انگریزی دوافروشوں سے خرید کر ارسال کریں باقی شکریہ۔

مہجور کاشمیری

اس طرح سے مہجور زندگی کی تلخ حقیقتوں کو جام صُبو کی طرح پیتے رہے۔ زندگی سے لڑتے رہے اور جیتے رہے۔ حالانکہ نہیں آرام ہے زندگی بسر کرنے کے مواقع بھی

میسر تھے۔ اگر انہوں نے والد بزرگوار کے پیشے کو اپنایا ہوتا تو بھی وہ آرام سے زندگی کے دن بسر کر سکتے تھے۔ جن کی آمدنی اس زمانے میں سالانہ ایک ہزار سے زاید تھی لیکن وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہونا چاہتے تھے خود کمانا اور دوسروں کو کھلانا چاہتے تھے۔ اس لئے تنگدستی میں بھی خوش تھے۔ انہیں زندگی کا یہ روپ بھی پسند تھا۔

O

سید رسول پونپر

مہجورؔ کے خطوط

اسے مہجورؔ کی خوش بختی ہی سمجھے کہ اس کی شخصیت کے پروان چڑھانے میں تاریخ کشمیر کے پر آشوب دور کا ہاتھ رہا۔ مہجورؔ خود بھی زمانے کا نبض شناس تھا جو فنی تقاضوں کو عوامی مزاج کے مطابق ڈالنے کو اولیت دیتا تھا اور سیاسی مزاج کو اپنے شعری آہنگ سے ہم آہنگ کرنے کی نزاکت کو سمجھتا تھا۔ یہاں ہمیں مہجورؔ کی شخصیت اور اُس کے فن کو موضوع بحث نہیں بنانا ہے بلکہ چند ایک مکتوبات کے تعلق سے اسکی زندگی کے باطنی پہلوں کو اجاگر کرنا ہے۔ جو بیشتر اسکے معاصرین نے اسے لکھے تھے، غالب کے خطوط سے اردو ادب میں جدید خطوط نگاری کی شروعات ہوئیں۔ یہ خطوط غالبؔ کی بلند قامت شخصیت کے اندرون کو بلا تر دُد و تاٴمُل ہمارے سامنے رکھتے ہیں۔ غالبؔ نے کسی تکلف کو روا نہیں رکھا، جس سے اسکے اسلوبِ نگارش کا حسن دوبالا ہو گیا۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے جیل سے اپنی بیٹی اندرا گاندھی کے نام خطوط میں ہندوستان کی تہذیب وثقافت کے گراں قدر ورثہ کی نشاندہی کی۔ اقبالؔ حالی سرسید اور سب سے بڑھ کر مولانا ابوالکلام آزادؔ کے خطوط کو غبار خاطر کی صورت میں مدنظر رکھیئے تو خطوط نگاری کا جادو سر چڑھ کے بولنے لگتا ہے ان ممتاز ادبی وسیاسی اور ہمہ جہت شخصیات

کے خطوط کا ذکر کر ضمناً اس لئے کیا گیا تا کہ یہ امر واضح ہو جائے کہ ان کا اسلوب نگارش بھی تحریک حُریت ہند کا مرہونِ منت ہے یہ ٹھیک ہے کہ ایسے حالت کی عدم موجودگی میں ان کے خطوط کا معنوی حُسن اگر چہ زیادہ مختلف تو نہیں لیکن اتنا جاذب نظر نہ آتا۔

مہجورؔ کو اپنے دور کے متعلق سے اس حیثیت سے بھی اولیت حاصل ہے کہ اس نے ۱۵ ستمبر ۱۹۳۸ء کو نمایش گاہ سرینگر میں ایک کل ہند مشاعرے میں پہلی بار کشمیری نظم پڑھی اس مشاعرے میں ہندوستان بھر کے صفِ اول کے شعراء کے علاوہ اُس وقت کی کابینہ کے سبھی ارکان اور ریاستی انتظامیہ کے اعلیٰ حکام موجود تھے اس ضمن میں سیکریڑی مشاعرہ کمیٹی نمایش گاہ سرینگر کا مہجور کے نام لکھا ہوا یہ دعوتی مکتوب تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔

مہجورؔ کو جن ممتاز شخصیات سے سلسلہ مراسلت رہا ان میں علامہ اقبالؒ منولانا جیب الرحمان خان شیروانی ڈاکٹر غلام محی الدین صوفی ڈاکٹر مفتی محمد صادق (قادیان) عرش ملسیانی اسداللہ کاظمی اور عبدالاحد آزاد وغیرہ شامل ہیں۔ رابندر ناتھ ٹیگور سے مہجورؔ کے سلسلہ مراسلت کا ابھی تک کوئی ثبوت فراہم نہیں ہوا ہے مجھے دسمبر ۸۲ء میں ساہتیا اکادمی کی وساطت سے مغربی بنگال جانے کا موقعہ ملا۔ مجھے وہاں تقریباً سبھی ثقافتی اداروں اور ان کے سربراہوں سے ملنے کا موقعہ بھی ملا۔ بنگالی ایک صاحب بصیرت قوم کے ناتے ٹیگور کی زندگی کے ہر حرف وسط کو محفوظ کر چکے ہیں۔ میں نے کلکتہ میں ٹیگور سے منسوب ہر ادارہ دیکھا شانتی نکیتن بھی گیا۔ کافی تلاش و جستجو کے باوصف مجھے ٹیگور۔ مہجورؔ خط وکتابت کا سراغ لگانے میں کامیابی نہیں ہوئی پھر میں نے

ٹیگور میوزیم کی مطبوعہ یادگاری فہرستیں بھی دیکھیں۔ یہاں بھی میں اس رشتہ کی لو لگانے میں ناکام ہی رہا۔

مہجور صاحب نے کئی جگہ تاریخ ادبیات کشمیر لکھنے کا ذکر کیا ہے اور اس سلسلے میں انہوں نے جناب شیخ محمد عبداللہ وزیراعظم جموں وکشمیر کے ہمراہ دلی کا سفر بھی کیا تاکہ وہاں کے کتب خانوں میں جاکر بھی اس کتاب کے لئے مواد اکٹھا کرسکیں۔ اس سلسلے میں ملک کی سرکردہ شخصیتوں کے ساتھ انکی خط وکتابت تھی۔ یہ مناسب نہ ہوگا کہ اس تذکرے سے متعلق خطوط کے بارے میں یہاں بات کی جائے اس سلسلے میں ڈاکٹر علامہ اقبال کے اس خط کا حوالہ دینا غیر ضروری نہیں ہوگا۔ جو کہ علامہ نے مہجور کو ۱۲ مارچ ۱۹۳۴ء کو لکھا ہے اور جس میں انہوں نے مہجور کے اس منصوبے پر خوشی کا اظہار کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ (اقبال) کئی سالوں سے اسے لکھنے کی تحریک کر رہے تھے لیکن افسوس کہ کسی نے اس طرف توجہ نہ کی۔ ساتھ ہی مہجور کو یہ مشورہ بھی دیا ہے کہ تذکرہ شعرائے کشمیر لکھتے وقت انہیں چاہے کہ مولانا شبلی کا شعر العجم پیشِ نظر رکھیں۔ اس خط کا عکس ماہنامہ تعمیر کے مہجور نمبر (۱۹۵۷ء) میں چھپ چکا ہے۔

جناب محمد یوسف ٹینگ کلیاتِ مہجور کے ایک باب مہجور کے تصنیفات وتالیفات کے آخر میں یوں رقمطراز ہیں وہ مہجور تاریخ کا مسودہ ترتیب دے رہے تھے اس سلسلہ میں وہ خاکہ (SYNOPSES) کا ذکر بھی کرتے ہیں مہجور اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں کہ شیخ محمد عبداللہ اور بخشی غلام محمد وزیراعظم ونائب وزیراعظم جموں وکشمیر دونوں نے یہ مسودہ دیکھا انہوں نے اس میں گہری دلچسپی دکھائی شاید شیخ محمد عبداللہ نے ۱۹۵۰ء میں انہیں اسی سلسلہ میں دہلی اپنے ساتھ لیا جہاں مہجور نے بہارستانِ شاہی کا مسودہ نقل

کیا۔ شیخ صاحب نے انہیں کچھ اہم کتب بھی مہیا کیں جنکا ذکر مہجور کرتے ہیں نہ معلوم پھر یہ تالیف کیا ہوئی۔

اس سلسلے میں اُس اشتہار کا ذکر کرنا نامناسب نہ ہوگا جو مرحوم مہجور مقامی اخبارات میں بغرض اشاعت بھیجنا چاہتے تھے اشتہار کے سلسلے میں اخبارات کے مدیر صاحبان کے نام ایک خط بھی قلم بند کیا گیا ہے جو یوں ہے۔

محترمی ومکرمی

السلام علیکم ورحمتہ اللہ

مزاج شریف

نصب ہذا ایک قلمی مضمون ارسال خدمت ہے۔ آپ کی ادبی علمی اور ملکی خدمات کو ملحوظ رکھتے ہوئے متوقع ہوں کہ آپ اپنے موقر روزنامہ اخبار کی کسی قریبی اشاعت میں اسے درج فرما کر مجھے سپاہی گزاری کا موقعہ بخشیں گے۔

والسلام

(۱) خدمت خالد (۲) مویگ (۳)) (۴ دیش (۵) مارتنڈ

اور اشتہار، جسے مہجور علمی مضمون قرار دیتے ہیں کا متن درج ذیل ہے۔

جدید تاریخ کشمیر

میرے خاندانی کتب خانہ میں خطہ کشمیر کے متعلق چند پرانے مودات قدیم تاریخیں بزبان فارسی، قلمی موجود تھیں، ان کے مطالعہ سے عہد طفولیت سے ہی مجھے اپنے وطن کی تاریخ کے ساتھ ایک خاص انس اور دلچسپی پیدا ہوئی۔ ۳۰ سال عہد ملازمت میں مجھے کشمیر کے اطراف واکناف میں پھرنے کا موقع ملا۔ اس دوران میں

جہاں جہاں تاریخ کشمیر کے متعلق کچھ ریکارڈ میسر آیا میں اسکو فراہم کرتا رہا۔ سرزمین کشمیر کے بعض تاریخی مقامات کو بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا وہاں بھی اپنی وسعت کے مطابق تفقد و تحقیق کے بعد حالات قلم بند کرتا رہا، مورخان کشمیر کی فارسی اور سنسکرت زبانوں میں لکھی ہوئی تاریخوں کے علاوہ میں نے بیرون کشمیر کے مورخان کی لکھی ہوئی وہ فارسی، عربی، اردو، انگریزی کتابیں بھی فراہم کیں۔ جن میں کشمیر کا تذکرہ آیا ہے۔ اس طرح کشمیر کی تاریخ کے متعلق ایک اچھا خاصہ ذخیرہ میرے پاس جمع ہوگا۔

سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہونے کے دن سے میرے دِل میں یہ خواہش پیدا ہوئی تھی۔ کہ میں اپنے اندوختہ اور سال ہا سال کی محنت و کدہ کاوش کو ایک کتابی صورت میں ترتیب دیکر اہل ملک کے سامنے پیش کروں۔ مگر اقتصادی کمزوری نے میرے اس تمنا کو پورا نہ ہونے دیا۔ خدا کا شکر ہے کہ کشمیر کے ایک قدیمی علمی و ادبی خاندان کے ایک روشن خیال اور علم دوست ممبر نے اس کام کیلئے اخراجات کی ذمہ داری اٹھائی ہے۔ اب میں اردو زبان میں کشمیر کی ایک مستند مکمل جدید تاریخ آفرینش کشمیر سے لیکر اب تک مرتب کرنے کا کام شروع کر دیا ہے۔

کشمیر کا تعلیمیافتہ طبقہ یوں تو تاریخ عالم سے واقف ہے تاریخ انگلستان تو ان کو زبانی یاد ہے۔ مگر تاریخ کشمیر سے مطلق نا آشنا ہیں۔ حالانکہ اس ملک کے ماضی کی تاریخ ہر لحاظ سے دلچسپ حوصلہ افزا نا قابل فراموش اور قابل فخر ہے۔ مگر جب ملک میں کوئی جامع اور مکمل تاریخ ہی موجود نہیں تو وہ کہاں سے واقفیت حاصل کرینگے۔ سال ۱۹۴۸ء کے غیر متوقع انقلاب نے اہل عالم کو تاریخ کشمیر کی طرف خاص طور پر متوجہ کر دیا ہے۔

قبل اسکے کہ میں اس کتاب کا مسودہ لکھنا شروع کروں۔ میں اپنے وطن کے علم اور حق پسند حضرات سے اپیل کرتا ہوں کہ اگر کسی صاحب کے پاس کوئی تاریخ یاداشت، ماضی بعید یا ماضی قریب کی موجود ہو۔ تو وہ مجھے دکھائیں۔ بعد ملاحظہ بشرط ضرورت بعد اندراج اصل کتاب یا یاداشت شکریہ کے ساتھ واپس کرونگا۔ اور تاریخ شائع ہونے پر ایسے حضرات کو ایک ایک کاپی مفت پیش کی جائیگی۔ اس سلسلہ میں شاہی فروین۔ پروانہ جات۔ قبالہ خاصہ جات۔ خطوط۔ سکہ جات بعض اشیاء عبد قدیم بھی تاریخی حیثیت رکھتے ہیں ان سے بھی استفادہ حاصل ہوگا۔

مہجور کاشمیری۔ متری گام۔ ڈاک خانہ پلوامہ کشمیر

اسی طرح شری موتی لال دھر کا انگریزی میں جوابی خط اس بات کا غماز ہے کہ مہجور تاریخ کشمیر مرتب کرنے کا منصوبہ باندھ چکے تھے۔ خط کا ترجمہ حاضر ہے!

شری ایم، ایل، دھر

ایم، ایس، سی، پی، ایچ، ڈی۔ ایف، آر، آئی، سی۔

چٹان منزل، لکھنو

۵/ مارچ ۱۹۵۱ء

آپ کے عنایت نامہ کا شکریہ۔ کاش! مجھے اردو، لکھنا آتی، لکھنے کو تو لکھ سکتا ہوں، لیکن ایسا نہیں کہ آپ کو پسند آجائے۔ مجھے ان غلطیوں کا بھرپور احساس ہے جو مجھ سے اردو میں سرزد ہو سکتی ہیں۔

مجھے بلاشبہ جانکر انتہائی مسرت ہوئی کہ آپ کشمیر کی تاریخ مرتب کررہے ہیں۔ مجھے پورا یقین ہے یہ ایک عظیم کام ہوگا۔ آپ نے لکھا ہے کہ آپ لکھنو آرہے ہیں۔

برائے کرم تشریف لائیے اور میرے ہاں قیام کیجئے۔

آپ کو اپنے درمیان پا کر ہمیں بے حد شادمانی ہوگی۔ لکھئے کہ آپ کب اور کس تاریخ کو آرہے ہیں تا کہ میں سٹیشن جا کر آپکا استقبال کرسکوں۔

بصد احترام واکرام!

آپ کا مخلص

موتی لال دھر

اس سے قبل موتی لال ساقی کے ترتیب دئے گئے مہجور کے دس پندرہ خطوط جو انہوں نے عبدالاحد آزاد کو مختلف موقعوں پر لکھے ہیں، رسالہ ''نیب'' کے اپریل ۱۹۷۱ء کے شمارہ نمبر ۱۴، اور شیرازہ اردو، اسی طرح کچھ خطوط ماہنامہ ''تعمیر'' میں چھپ چکے ہیں لیکن میں نے تاریخ ''ادبیات کشمیر'' سے متعلق ہی بات کی ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ مہجور کی مراسلت کو یکجا کیا جائے تا کہ ان کی شخصیت کے مختلف پہلو، کسی حد تک ہمارے سامنے آسکیں۔ ہم خطوط کی روزن سے ان کے اندرون کو جھانکیں اور اپنی ثقافتی تحریک کے مختلف مراحل سے آشنا ہوسکیں۔

O

شیرازہ میں چھپنے والی نگارشات

O...... ہر نگارش کا معاوضہ پیش کیا جاتا ہے بشرطیکہ وہ غیر مطبوعہ اور غیر نشر شدہ ہو۔

O...... ہندوستانی تاریخ وتمدنی اور ثقافت وادب کے مختلف پہلوؤں پر معیاری و تحقیقی مضامین قبول کئے جاتے ہیں۔

0......ریاست کے تمدن اور فنی ورثے کے بارے میں تحقیقی اور تنقیدی مقالات ترجیحی طور پر شائع کئے جاتے ہیں۔

0......فن تعمیر، آرٹ اور مصوری سے متعلق مضامین کے ساتھ آنیوالی نادر تصاویر کا الگ سے معاوضہ دیا جاسکتا ہے۔

0......منظومات، بشرطیکہ معیاری ہوں، قبول کی جاتی ہیں۔

☆

سروانند کول پریمی

یادوں کے چند نقوش

موجودہ صدی کے تیسری دہائی کی بات ہے۔ میں ساتویں آٹھویں میں پڑھتا تھا۔ میرے پچیرے بھائی تاراچند گانے بجانے کی محفلوں مین چوری چھپے شرکت کیا کرتے تھے اُن کی آواز بڑی سُریلی تھی اور جب بھی وہ سُر تال سے کوئی کشمیری غزل کسی محفل میں گاتے تو محفل خوب جمتی۔ اُن دنوں کسی خاندانی پنڈت گھرانے کے کسی بھی چھوٹے یا بڑے فرد کا ایسی محفلوں میں شِرکت کرنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ مگر تاراچند کو ایسی لت پڑی تھی اور ایسا شوق تھا کہ وہ کسی نہ کسی بہانے گھر سے غیر حاضر رہتا اور راتیں ان محفلوں میں گذارا کرتا۔ میری زندگی کے اولین دنوں میں تاراچند کا کافی دخل رہا۔ وہ مجھے کسی نہ کسی طرح اپنے ساتھ ان محفلوں میں لے جایا کرتا، تاراچند کے پاس مہجورؔ اور احد زرگر کی غزلوں کے چند مجموعے تھے جو اُن دِنوں کلام مہجورؔ اور کلام احد زرگر کے نام سے بازار میں آئے تھے میں بھی یہ کلام پڑھنے کی طرف مائل ہو گیا۔ اور دھیرے دھیرے نہ صرف یہ غزلیں زبانی یاد کرنے لگا بلکہ ''تک بندی بھی کرنے لگا، اور دو تین سال بعد یعنی میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد میں'' شاعری '' کرنے لگا۔

۱۹۴۰ء کی بات ہے میں کھادی بھنڈار میں کوئی پندرہ برس کی عمر میں ملازم ہوگیا۔ پڑھائی جاری رکھنے کا از حد شوق تھا۔ مگر گھر کی حالت مانع ہوئی اور مجبوراً ملازمت کرنا پڑی۔ کھادی بھنڈار کو اُن دِنوں "چرخہ سنگ" اور آل انڈیا سپنرس ایسوسی ایشن All India spinners Association کہا کرتے تھے۔ ملازمت کے دوران میرا تبادلہ کھدر بھنڈار کے پیداواری اور سپلائی سنٹر پانپور میں ہوا جہاں سینکڑوں کاری گر اور دوسرے ملازم کام کرتے تھے۔ تعلیمی اداروں کی طرح اس سنٹر میں معمول کا کام شروع ہونے سے پہلے پرائر" پڑھا جاتا تھا اور سارے چھوٹے بڑے کارکن ایک بڑے ہال میں جمع ہوا کرتے اور حمد و ثنا کرتے۔ کئی بار مہجور کی شہرہ آفاق نظم

ولو ہا باغوانو نو بہارک شان پیدا کر
پھولن گُل گتھ کرن بلبل تتھی سامان پیدا کر

بڑی سُریلی اور اونچی آواز میں روزانہ پڑھی جاتی۔ مہجور کی قومی نظموں خاص کر ......وُلو ہا باغوانو.......... اور صُبح چھم، باگ چھم، مستانہ دِل چھُم، تازہ یاون چھُم۔ بہارس دادہیون چھُم شوقہ سان گلزار چھاوُن چھُم، نے مجھ پر جادو کا اثر کیا۔ اور میں بھی نظم اور غزلیں لکھنے لگا۔

یہاں ۱۹۴۰ء کا ایک واقعہ تحریر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ میرا تبادلہ کھدر بھنڈار کی نوکری میں چند مہینے بعد ہندواڑہ ہوا۔ وہاں مرحوم مہجور کچھ برس پہلے پٹواری رہ چکے تھے اُن کی شاعری اور اُن کی غزلیں ہندواڑہ کے عوام کی زبان پر تھیں۔ میں ان غزلوں کو دوسروں کی زبانی سن کر بہت ہی اُتاولا ہوتا تھا۔ اور ایک روز ایک موسیقی کی

مجلس میں شامل ہو کر جب رات بھر صرف مہجورؔ کی غزلیں سُنتا رہا تو میرے دِل میں مہجورؔ سے ملاقات کرنے کی خواہش روز بروز بڑھنے لگی۔ میں نے پانپور سے اپنی ایک ابتدائی نظم ؎

کیا سنا درشن سُہ دِیہ نابوزِ ننامیائی زأری یے
داغ ہاوس سینہ کی بودآ دِک باوس سأری یے

لِکھ کران کی خدمت میں ڈاک سے بغرض درستی ارسال کی مہنیوں کے انتظار کے باوجود اس کا کوئی جواب نہ ملا۔ ان دِنوں مہجورؔ بڈگام کے کسی گاؤں میں پٹواری تھے۔ مجھے لگا کہ شاید ایڈریس غلط ہوا۔ اس لئے جواب نہیں ملا۔ بعد میں پتہ چلا کہ مہجورؔ پلوامہ علاقے میں مورن گاؤں کے نزدیک مِتری گام میں رہتے ہیں۔ اِتفاقاً ۱۹۴۴ء میں میرا تبادلہ پُلوامہ ہوگیا۔ یہاں پہنچکر میں نے مہجورؔ صاحب کا اتہ پتا معلوم کیا۔ اور پھر یہ جان کر کہ مہجورؔ آج کل اپنے آبائی گاؤں مِتری گام میں رہتے ہیں میں نے ان کے پاس جا کر ملاقات کا اِرادہ کیا۔

پہلی ملاقات:۔

یہ نومبر ۱۹۴۴ء کے دِن تھے۔ ہم (میرے ساتھ ارجن دیو مجبور بھی تھے) بڑے چاؤ اور خوشی کے ساتھ کوئی گیارہ بجے مِتری گام پہنچے۔ ہم دونوں نو جوان آدابِ مجلس سے ناواقف تھے اور نہ ہمیں اس عظیم شاعِر سے مِلنے کا شعور تھا کسی نے اندر جا کر مہجور سے کہا کہ کوئی دو ہندو مہمان آئے ہیں۔ مہجور جلدی جلدی باہر آئے۔ قدآور شخصیت ،سر پر ایک کنٹوپ رکھے (سردی کے دِن تھے) اور ایک اُونی پھیرن پہنے ہنس مکھ مہجورؔ ہماری طرف قدم برھا رہے تھے ہم دونوں اُٹھ کھڑے ہوئے مہجورؔ نے ہم دونوں سے

شفقت اور پیار بھرا مصافحہ کرتے ہوئے بیٹھنے کو کہا۔ وہ بھی ایک آسن پر بیٹھ گئے سب سے پہلا جملہ جو مہجورؔ کی زبان سے نکلا آپ کی تعریف......؟ ناتجربہ کاری اور آداب مجلس سے ناواقفیت کی وجہ سے میں حیران رہا کہ مہجورؔ کیا پوچھتے ہیں۔ میں نے یوں ہی جواب دیا۔ جناب میں سروانند کول پریمی ہوں میں نے آج سے چندہ ماہ قبل آپ کی خدمت میں ایک خط بھیجا تھا......مہجورؔ جھٹ سے بول اٹھے اچھا آپ پریمی صاحب ہیں۔ ہاں ہاں بہت پہلے مجھے آپ کا خط اور آپ کی ایک غزل موصول ہوئی تھی۔ اسی بیچ مہجورؔ نے اپنے ایک آدمی کو اندر سے کاغذات لانے کو کہا۔ کاغذات آئے اور مہجورؔ نے ایک فائل سے میری بھیجی ہوئی غزل نکال کر کہا یہ ہے آپ کی غزل میں نے اس کی درستی شروع کی تھی مگر بعد میں خیال آیا کہ آپ سے آمنے سامنے بات ہوتی اور پھر دُرستی کی جاتی تو زیادہ بہتر رہتا۔ اس لئے دو چار لفظ کاٹ چھانٹ کرکے ہی رکھ دی............ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ مہجورؔ نے مجھ جیسے نوآموز اور گُمنام شاعری کی غزل پر سُرخ سیاہی سے ایک دو جگہ درستی فرمائی ہے اور غزل محفوظ رکھی ہے۔ میں اندر ہی اندر اپنے آپ کو از حد خوش قسمت سمجھنے لگا۔ اس کے بعد بہت سی باتیں ہوئیں۔ مہجورؔ صاحب نے میری اس ابتدائی غزل کے علاوہ اور بھی بہت ساری غزلوں اور نظموں کی درستی اور نظرِ ثانی فرما کر مجھے عُمر بھر کے لئے مرہون منت رکھا اور مجھ جیسے ناچیز اور نوآموز شاعر کی حوصلہ افزائی فرما کر مجھے اور بھی حوصلہ دیا۔ وہ تمام کی تمام غزلیں اور نظمیں جن پر مہجورؔ کے دستخط ثبت ہیں۔ چالیس سال گذرنے پر بھی ایک انمول خزینہ کے طور پر میرے پاس محفوظ ہیں میری ابتدائی غزلوں اور نظموں کی دُرستی اور نظرِ ثانی فرما کر مہجورؔ نے شری بندھو جی کے نام اپنے خط میں جس کے ساتھ میری نظم بغرض

اِشاعت بھیجی[1]۔اور میرے حق میں حوصلی افزائی کے چند کلمات بھی لکھے۔یہ انمول خط میرا ابتدائی اثاثہ بنا۔

کشمیر کا وڑزورتھ:۔

مہجور کے ساتھ اکثر ملاقاتیں کرنے کا شرف مجھے پُلوامہ میں رہتے ہوا۔کھادی بھنڈار کی نوکری اور پھر گاؤں جاکر پرچار اور اس کے ساتھ ہندوستان کی آزادی کی جنگ کی داستانیں سُنانا اور پھر کشمیر کی تحریک حُریت کی باتیں سُنا سُنا کر عوام میں جوش بڑھانا ہماری نوکری کا ایک حصہ تھا اور اُن ایام میں مہجور کی حُب وطن سے بھرپور نظمیں سونے پر سُہاگہ۔مجھ پر اس سب کا بے حد اثر پڑا اور میں بھی اس طرح کی نظمیں لِکھنے لگا۔تحریک کے ساتھ لگاؤ اور چمٹاؤ دِن بہ دن بڑھتا گیا۔ان ہی ایام میں میں نے ایک اردو نظم ......ہل والے پیارے جھنڈے تجھ کو میرا اسلام قلمبند کی مہجور صاحب یہ نظم پڑھ کر از حد خوش ہوئے اس ملاقات میں انہوں نے مجھے ایک انگریزی چھٹی دکھائی جس کی ابتدائی خطابیہ سطریں یوں تھی ...... Mahgoor the Words worth of. Kashmir) مہجور کشمیر کا وڑزورتھ۔یہ چھٹی رابندر ناتھ ٹیگور نے مہجور کے نام لکھی تھی۔اور مہجور کو کشمیر کا وڑزورتھ قرار دے کر نہ صرف مہجور بلکہ ساری کشمیری قوم کی عزت افزائی کی تھی۔مہجور کے پاس ٹیگور کی (اُن کے کہنے کے مطابق) دو۲ اور ایسی انمول چھٹیاں تھیں جن کو ٹیگور کے مرنے کے بعد بنگال سے آئے ہوئے دو دوستوں نے اس وقت ان دو خطوط کے لئے تین تین سو روپے پیش کئے تھے مگر مہجور نے اُن کو یہ کہہ کر چھٹیاں فروخت کرنے سے انکار کیا تھا کہ: میرے پاس روپے پیسے کی کوئی قیمت نہیں

---

[1] اندو جی اُن دنوں ہفتہ وار ''دیش نکالا کرتے تھے''۔

ہے۔ اگر قیمت ہے تو وہ ہے عظیم ہندوستانی کیا عالمی ٹیگور کے ان دو خطوط کی یہ میرا ادبی اور ازلی سرمایہ ہے۔ مہجور کے ان بلند مفکرانہ خیالات کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔

شِودھان سنگھ چرھان سے ملاقات:۔

سارے ہندوستان میں ترقی پسند ادب کی تحریک جاری تھی۔ بمبئی سے ایک سہ ماہی یا دو ماہی (پوری طرح یاد نہیں) ہندی جریدہ شودھان سنگھ چوہان کی اِدارت میں نکلا کرتا تھا۔ چوہان صاحب مہجور سے ملنے کشمیر آئے تھے اور اس وقت کے گورنر کشمیر مہاراج کرشن در کے مہمان تھے۔ ایک روز ۴۴ء کی پہلی چوتھائی میں مہجور صبح سویرے پلوامہ پہنچے اور مجھے بلا کر کہا کہ میرے ساتھ آنا ہے کپڑے بدل لو۔ اور جلدی کرو۔ میرے پوچھنے پر انہوں نے کشمیری میں کہا کہ ''بمبئ سے کوئی پأریم آیا ہے''۔ پأریم، عام کشمیری کشمیر سے باہر والوں کو کہا کرتے تھے۔ اور یہ لفظ (پأریم) مہجور کا pet لفظ تھا۔ اپنی شاعری میں انہوں نے یہ لفظ کئی بار اور کئی جگہوں پر استعمال کیا ہے مہجور نے آگے چل کر کہا کہ گورنر کی ارجنٹ چھٹی آئی۔ اُن سے ملنا ضروری ہے اب آپ کی ضرورت اس لئے ہے کہ وہ انگریزی یا ہندی میں بات کریں گے تو آپ میرے کام آئیں گے۔ ان کا مطلب Interpretey سے تھا میں بھی خوشی خوشی ساتھ ہولیا۔

سری نگر میں ہم گورنر کے مکان میں ایک کمرے میں چوہان صاحب سے ملے۔ میں اس وقت کوئی بیس اکیس سال کا میٹرک پاس نوجوان تھا انگریزی پڑھی تھی۔ ان کی بہت باتیں ہوئیں۔ چوہان نے مہجور سے ایک لمبا چوڑا اِنٹرویو لیا۔ بہت کچھ

پوچھا۔زندگی کے بارے میں ،ادب اور کشمیری شاعری کے بارے میں مہجورؔ کی اپنی شاعری کے بارے میں اور خاص کر کشمیر کی تحریک قوت کے بارے میں۔ میں نے انٹرپرٹر کا کام کیا۔ چوہان کے سوالات اکثر ہندی میں تھے۔اس میں اتنی دِقت مہجورؔ کو سمجھنے میں نہیں ہوئی۔ البتہ مہجورؔ کے کشمیری خیالات کو چوہان تک پہنچانے میں میرا حصہ رہا۔ان کی نظموں اور غزلوں کا ترجمہ کر کے سنانا وغیرہ وغیرہ چوہان مہجور سے بہت زیادہ متاثر ہوئے اسی دوران مہجور کے دو۲ اظہار اب تک میری یادداشت کی سطحوں میں گونجتے ہیں۔ چوہان کے ایک سوال کے پوچھنے پر مہجورؔ نے کہا۔اس سیلاب کو روکنے کے لئے خدا نے مجھے پیدا کیا۔ یہ الفاظ جولافانی ہیں۔مہجورؔ نے چوہان پر واضح کرنے کے لئے کہے کہ جب میں نے اپنی شاعری کا آغاز کیا تو میں نے بھی کشمیری سے باہر کے الفاظ فارسی وغیرہ کا استعمال کیا۔مگر رفتہ رفتہ مجھے احساس ہوا کہ اس طرح سے کشمیری زبان اپنی انفرادِیت کو کھودے گی۔اور جب میں نے دیکھا کہ کشمیریؔ زبان کسم پرسی کی حالت میں ہے اور میں دوسری زبانوں کے الفاظ کا بوجھ آو بوجھے گا اور یہ ایک ایسا سیلاب ہوگا جس سے ہماری کشمیری زبان بہہ جائے گی تو میں نے یہ پتہ کر لیا کہ کشمیری زبان اور کشمیری ادب اور شاعری کو اگر زندہ رہنا ہے اور رکھنا ہے تو اس زبان کو اس آنے والے سیلاب سے بچانا ہوگا۔اور اس سیلاب کو روکنے کے لئے خدا نے مجھے پیدا کیا۔

میں اپنے آپ کو از حد خوش قسمت سمجھتا ہوں کہ مہجورؔ کی زبان مبارک سے نکلے یہ الفاظ میرے سامنے چوہان تک پہنچنے اور پھر آگے جا کر ادبی دنیا میں گھونجے۔

چوہان کے پوچھنے پر کہ کشمیری کا رسم الخط کیا ہے؟ مہجورؔ نے جھٹ سے جواب دیا

کہ ''شاردا'' اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اگر کشمیری پر شاردا کے بغیر کوئی دوسرا رسم الخط ٹھونسا گیا تو یہ کشمیری زبان کے ساتھ بے انصافی ہی نہیں بلکہ سب سے بڑا ظلم ہوگا۔

چوہان کے واپس جانے کے چند مہینوں بعد مہجورؔ کو ''نیا ساہیتہ'' ہندی جریدے کی ایک کاپی ڈاک سے موصول ہوئی۔ چوہان کا مضمون ''کشمیر کا جن کوی'' اس میں چھپا تھا۔ مہجورؔ نے مجھے بُلوایا اور مِتری گام میں ہی یہ کتاب دِکھائی اور پڑھ کر سنانے کو کہا۔

میں نے مہجورؔ کے ساتھ چند قیمتی سال گذارے ہیں۔ ۴۴ء سے لے کر ۵۰ء تک مستقل طور۔ ٹنکی پورہ کے آبائی مکان میں میں نے اُن کی صحبت میں کئی کئی گھنٹے گذارے ہیں اور بیتی ہوئی ان ملاقاتوں کی یادیں میرے لئے انمول خزانے کی حیثیت رکھتی ہیں

☆

کلیم اختر

مہجورؔ۔ اقبالؔ کا کشمیری ترجمان

(کلیم اختر کا یہ مضمون پاکستانی اخبارات میں چھپا تھا۔ اسے ہم انہی کے شکریہ کے ساتھ شائع کر رہے ہیں۔ کلیم اختر صاحب دراصل جموں کے رہنے والے ہیں اور میاں غلام علی صاحب کے صاجزادے۔ وہ پاکستانی اخبارات میں کشمیر کی سیاسیات تواریخ اور ادبیات سے متعلق لکھتے رہتے ہیں اور انکی کشمیریت ہی مسلہ ہے۔ وہ آج کل ماڈل ٹاون لاہور میں رہتے ہیں...... (ادارہ)

علامہ اقبالؔ کی شخصیت اور فکر وفن نے کشمیری زبان کے جن شعرائے کرام کو سب سے زیادہ متاثر کیا۔ ان میں پیرزادہ غلام احمد مہجورؔ سرفہرست ہیں جنہیں کشمیری شاعری کے چوتھے دور کا امام اور نئے دور کا نقیب مانا جاتا ہے۔ مہجورؔ ممتاز و معروف کشمیری شاعر ملا اشرف دانا کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جو سترہویں صدی کے آخر میں ہوئے ہیں اور فارسی زبان کے اعلیٰ درجہ کے شاعر تسلیم کئے جاتے ہیں۔ اس طرح گویا شاعری مہجورؔ کو ورثے میں ملی۔ مہجورؔ عبدالعلیٰ عاشق ترالی کے شاگرد تھے جو فارسی اور کشمیری دونوں زبانوں کے مانے ہوئے شاعر اور اعلیٰ خیالات کے مالک تھے حقیقت

یہ ہے کہ مہجور نے اپنی شاعری میں ماضی کی شاعری روایات اور صوفیانہ خیالات سے احتراز کیا اور اپنے فکروشعر کو عہد حاضر کے تابع بنا کر عظمت انسان اور وطن کی محبت کے گیت گائے اور بقول تابش صدیقی۔

''کشمیری شاعری کا چوتھا دور جدید دور کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔اس دور کا سب سے بڑا شاعر پیرزادہ غلام احمد مہجور ہے، اس دور میں شعرا نے خاص کر غلام احمد مہجور نے نئے نئے موضوعات پر قلم اٹھایا ان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ انہوں نے حُب الوطنی کے موضوعات کو کشمیری شاعری میں داخل کیا۔وطن کی مظلومیت پر آنسو بہائے وطن کے پہاڑوں ندیوں چشموں ،مرغزاروں کے گیت گائے اور ان کے حسن کا ذکر کر کے اہل وطن کو وطن سے محبت کرنے کی تلقین کی''۔

مہجور کا شمیری کی سب سے بڑی عظمت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے الفاظ سخن سے کشمیری شاعری کو سیاست اور قنوطیت کی آب جو سے نکال کر امید اور روشنی کا محیط بیکراں بنا دیا۔کشمیری شاعری میں یاسیت اور قنوطیت کی سب سے بڑی وجہ صدیوں پر پھیلی ہوئی غلامی اور محکومی تھی۔جس نے اہل کشمیر کی صلاحیتوں اور خوبیوں کی منجمد اور ساکت بنا کر رکھ دیا تھا۔مہجور نے اپنی ''عید مسلم'' میں انسانی۔سماجی وسیاسی اور معاشی مسایل ومعاملات پر قلم اٹھایا اور اپنے ہم وطنوں کو آزادی وحریت کے نغمے سنائے اور ان کے مردہ دلوں میں زندگی اور توانائی پیدا کی۔

مہجور نے نہ صرف شعروسخن میں ایک نئے مکتب فکر کی بنیاد رکھی بلکہ اس نے پرانی اور فرسودہ قدروں سے منہ موڑا اور خاندانی روایات سے بھی بغاوت کی۔بقول مورخ کشمیر منشی محمد الدین فوق:

''سرینگر کے پیرزادگان میں ٹنکی کدل کے پیرزادہ منشی غلام احمد مہجوؔر پیری مریدی کا سلسلہ ترک کر کے ایک عرصہ سے محکمہ بندوبست میں نامور پٹواری کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ نہایت علم دوست اور ذی علم ہیں۔ فارسی شاعری کے علاوہ اردو شاعری میں بھی بہت اچھا شعر کہتے ہیں۔[1]''

پیرزادہ غلام احمد مہجوؔر کاشمیری ۱۸۸۸ء کو تحصیل پلوامہ کے گاؤں متری گاؤں میں پیدا ہوئے اور یہاں یہ ذکر بے محل نہ ہوگا کہ علامہ اقبالؔ کے آبا واجداد کا مسکن بھی اسی تحصیل کا گاؤں لاجوار ہے۔ آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم والدہ محترم کی زیر نگرانی حاصل کی جو نہایت دردمند دل رکھنے والی خاتون اور بہترین خوشنویس بھی تھیں۔ آپ کے والد محترم کا نام پیر اسد اللہ شاہ ہے جو اپنے حلقے میں اپنی بزرگی اور پرہیزگاری کی وجہ سے بہت ممتاز تھے۔ مگر غلام احمد مہجور نے پیری مریدی کا شغل اختیار نہ کیا بلکہ ذریعہ معاش کے لئے ملازمت اختیار کر لی۔ حالانکہ وہ ملازمت آپ کے منصب اور علم و فضل کے سامنے ہیچ تھی۔ لیکن آپ کی خوددار اور غیرت مند طبیعت نے نہ تو کسی کے سامنے دست سوال دراز کیا اور نہ ہی ایسی کمائی پر تکیہ کیا جس میں ان کا خون پسینہ شامل نہ تھا۔

آپ نے اپنے شاعرانہ کمالات سے اپنے ہم عصروں کو بے حد متاثر کیا جس میں عبدالاحد ڈار آزاد قابلِ ذکر ہیں جن کو کشمیری شاعری میں شاعر انسانیت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے مہجوؔر کاشمیر اہل قلم ہی نہ تھے بلکہ اہل علم بھی تھے۔ آپ کو علوم جدیدہ سیاسیات اور اقتصادیات سے واقفیت تھی، سیاسی تاریخ کا ادراک بھی رکھتے تھے اس

---

[1] تاریخ اقوام کشمیر صفحہ ۳۴۷

ضمن میں منشی محمد الدین فوق تاریخ اقوام کشمیر میں لکھتے ہیں

''ذوق سخن کے علاوہ فن تاریخ سے بھی آپ کو بے حد دلچسپی ہے کئی کتابوں کے مصنف ہیں جن میں'' حیات رحم'' چھپ چکی ہے۔ایک کتاب پٹواریوں کے لئے ''پٹواری'' کے نام سے لکھی ہے جو ابھی غیر مطبوعہ ہے لیکن ان سب سے لایق اور مفید تر کتاب جو آپ نے ترتیب دی ہے وہ شعرائے کشمیر کا تذکرہ ہے جس کی دو تین جلد یں راقم کی نظر سے گزر چکی ہیں۔افسوس کہ یہ کتاب ابھی تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہو سکیں۔آپ کے پاس لکھی کتابوں کا بھی کافی ذخیرہ ہے۔اپنی قدیم کتب اور اس تذکرہ کے سلسلہ میں ترجمان حقیقت ڈاکٹر سر محمد اقبال ایم اے پی ایچ ڈی بیرسٹر ایٹ۔ لاہور اور نواب حبیب الرحمان شیروانی سابق صدر الصدور امور مذہبی حیدر آباد دکن سے بھی خط کتابت رہی بلکہ علامہ سر اقبال نے آپ کو ایک مرتبہ لاہور بلوایا بھی تھا لیکن آپ بوجہ عدیم الفرصتی آ نہ سکتے تھے۔''

علامہ اقبالؒ پیرزادہ غلام احمد مہجور کی شخصیت سے واقف تھے اور سچی بات تو یہ ہے کہ علامہ اقبال کی شاعری اور پیام سے بھی مہجورؔ کی زندگی اور شاعری میں انقلاب پیدا ہوا جس نے اپنے فکر و فن سے کشمیریوں کو ایک نیا راستہ دیا اور تحریک آزادی میں جوش وولولہ پیدا کیا۔مہجور کاشمیری کو علامہ اقبال سے متعارف کرانے کا شرف چوہدری خوشی محمد ناظر کو حاصِل ہے جو علامہ اقبال کے دیرینہ رفیق اور حکومت جموں وکشمیر کے مشیر مال تھے چنانچہ جموں و کشمیر میں ۱۹۰۲ء کے بعد جن شعری وادبی محفلوں کا آغاز ہوا ان میں علامہ اقبالؒ کے دو پرانے ساتھی منشی سراج الدین احمد میر منشی کشمیر رزیڈنسی اور چوہدری خوشی محمد ناظر پیش پیش تھے۔ان علمی وادبی محفلوں نے کشمیری عوام کی بیداری میں اہم

کردار انجام دیا اور نو جوان کشمیران سے متاثر ہوئے بغیرہ نہ رہ سکے ان نو جوانوں میں غلام احمد مہجور بھی تھے چنانچہ مہجور پیری مریدی کا دھندا نہیں کرنا چاہتے تھے محکمہ مال میں ملازم ہو گئے اس سے پیشتر وہ ہندوستان کے مختلف شہروں سے گھوم آئے تھے اور اس غیرب وادی میں ان کی ملاقات علامہ شبلی نعمانی سے ہوئی تھی جنہوں نے ان کے تخلص مہجور کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا تھا مہجور وہ ہوتا ہے جو کسی سے دور ہو۔'' شبلی نے پوچھا کہ تم کس سے دور ہو تو مہجور نے کہا اپنے وطن (کشمیر) سے۔

بہر نوع مہجور واپس وطن آئے ملازم ہو کے ان کے انقلابی خیالات کی وجہ جب حکومت کیطرف سے کوئی آفت آن پڑتی تو چوہدری خوشی محمد ناظر ان کی امداد کرتے اور وہ اس شاعر کو حکومتی دباؤ سے آزاد کر دیتے تھے۔

مہجور کے کلام کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ علامہ اقبال کے فکر و شعر سے بے حد متاثر و مستفید ہوئے اور بقول ڈاکٹر محمد صابر آفاقی مہجور علامہ کے فن اور شاعری کے ساتھ ساتھ ان سیاسی افکار اور انقلابی نظریات سے بھی بے حد متاثر تھے اور انہیں کے نقش قدم پر چل کر کشمیر قوم کی امداد کرنا چاہتے تھے (اقبال اور کشمیر صفحہ ۷۵) اس سلسلہ میں علامہ اقبال اور مہجور کے مابین مراسلت کا سلسلہ بھی قائم تھا اور بقول عبدالاحد ڈار آزاد علامہ اقبال کے خطوط کے مجموعوں میں مہجور کے نام خط ملتے ہیں (کشمیری زبان اور شاعری) چنانچہ اقبال نامہ اور انوارِ اقبال میں علامہ اقبال کا حسب ذیل خط مہجور کاشمیری کے نام ملتا ہے۔

''مجھے یہ معلوم کر کے کمال مسرت ہوئی کہ آپ تذکرہ شعرائے کشمیر لکھنے والے ہیں میں کئی سالوں سے اس کے لکھنے کی تحریک کر رہا ہوں مگر افسوس کسی نے ادھر توجہ

نہیں دی آپ کے ارادوں کو اللہ تعالیٰ برکت دے افسوس کہ کشمیر کا لٹریچر تباہ ہوگیا۔اس تباہی کا باعث زیادہ تر سکھوں کی حکومت اور موجودہ حکومت کی لاپرواہی ہے۔نیز مسلمانان کشمیر کی غفلت سے کیا ممکن نہیں کہ وادی کشمیر کے تعلیم یافتہ مسلمان اب بھی موجودہ لٹریچر کی تلاش وحفاظت کے لئے ایک سوسائٹی بنائیں۔ہاں تذکرہ شعرائے کشمیر لکھتے وقت مولانا شبلی کی شعرالعجم آپ کے پیش نظر ہونی چاہے محض حروف تہجی کی حیثیت سے شعرا کا حال لکھ دینا کافی نہیں ہوگا۔کام کی چیز یہ ہے کہ آپ کشمیر میں فارسی شعر کی تاریخ لکھیں مجھے یقین ہے کہ ایسی تصنیف نہایت بارآور ہوگئ اور اگر خود کبھی کشمیر میں یونیورسٹی بن گئی تو فارسی زبان کے نصاب میں اسکا کورس میں ہونا یقینی ہے۔میرا عقیدہ ہے کہ کشمیر کی قسمت عنقریب پلٹا کھانے والی ہے۔" علامہ اقبالؔ نے یہ خط ۱۹۲۲ء میں تحریر کیا۔اس سے پیشتر جون ۱۹۲۱ء میں علامہ اقبالؔ خود کشمیر گئے تھے اور ان سے مہجورؔ بھی ملے تھے۔چنانچہ علامہ اقبالؔ نے مہجورؔ کو بزم ادیبان کشمیر بنانے کا مشورہ دیا تھا۔مقصد یہ تھا کہ مہجور کشمیری زبان کے شعراء کرام کی ایک مجلس بنائیں اور انہیں زندگی آمیز اور زندگی آموز مسایل ومعاملات پر لکھنے کی تحریک کریں۔ چوں کہ اہل کشمیر کی اکثریت کشمیری زبان کو سمجھتی تھی اس لئے علامہ اقبال نے مہجورؔ کو کشمیری زبان میں اظہار خیال کرنے کا مشورہ دیا تھا کہ کشمیری زبان کے شاعر وادیب نئے نئے رجحانات اور خیالات سے واقف ہوکر اپنی آزادی کے لئے جدوجہد کریں۔

۱۹۲۱ء میں کشمیری عوام کی جدوجہد آزادی میں بے حد اہمیت وافادیت رکھتا ہے اس سال ماہ جون کے آغاز میں علامہ اقبالؔ کشمیر تشریف لے گئے تھے۔وہاں پر اپنی قانونی وعدالتی مصروفیات کے علاوہ انہوں نے ادبی شعری سرگرمی بھی کی اور نشاط باغ

میں بیٹھ کر یہ کہا تھا۔

.................ثمر کوہ و تل و دمن نگر   سبزہ جہان جہان بین لالہ چمن نگر

اس سفر کے دوران علامہ اقبال نے ساقی نامہ جیسی معرکتہ الارا نظمیں لکھی جو بعد میں پیام مشرق میں شائع ہوئیں۔ان نظموں کا سب سے زیادہ اثر مہجورؔ کشمیری نے قبول کیا۔اور بقول عبدالاحد ڈار آزادؔ اس دور میں مہجورؔ کے دل میں کشمیری زبان میں شعر کہنے کا جذبہ پیدا ہوا اور مہجورؔ نے فکر اقبال کی روشنی میں اشعار کہنے شروع کر دیئے جن میں ''باغ نشاط کے گلو'' ناز کران کران'' ولو''۔ خاص مقبول ہوئی۔اور جو ہر جلسہ کے آغاز میں پڑھی جاتی تھی۔

کلام اقبال میں جو اہمیت وافادیت شاہین کو حاصل ہے وہ اس سے بھی آگاہ ہیں علامہ اقبال کے ہاں یہ علامت ایک عظیم کردار کی ہے اور علامہ اقبال نے شاہین کی حفاظت اس کی بلند پروازی درویشی آزادی سے محبت اور کار آشیاں بندی سے نفرت کا جابجا ذکر کیا ہے۔بعض نے اقبال کے شاہین کے حوالہ سے انسانوں میں جذبہ عمل پیدا کیا اس طرح کلام مہجورؔ بھی پرندہ آزادی کی ایک علامت بن کر سامنے آتا ہے مہجورؔ اپنی ایک نظم میں لکھتے ہیں

''پہاڑوں کے اس پار
مجھے زندگی نے آواز دی
مست ہواؤں نے مجھے گیت سنائے
میں والہانہ انداز میں آگے بڑھتا گیا
یکا یک ایک پہرہ دار نے

مجھے روک لیا......
''تم اس سرحد کو پار نہیں کر سکتے
''پروانہ راہ داری دکھاؤ''
''میں جہاں چاہوں جا سکتا ہوں
میں اس زمین کا وارث ہوں
میں اس دھرتی کا وارث ہوں
مجھے ہواؤں نے زندگی کا پیغام سنایا ہے
مجھے آگے بڑھنے دو۔''
پہرہ دار نے اپنے ایک ساتھی سے کہا
''اس پاگل سے کہو
دور بیٹھے
ورنہ کال کوٹھری میں ڈال دیا جائے گا''
''نہیں نہیں
میں آگے بڑھوں گا
مجھے مت روکو
''چلے جاو یہاں سے''
اس نے غصّے میں کہا
میں سوچتا رہ گیا
کیوں......!

اتنے میں ایک خوبصورت پرندہ
اپنے چمکیلے پروں کو
پھڑاپھڑاتا ہوا
زور زور سے تالیاں بجاتا
ہمارے سروں پر نیچے گر گیا
اور دیکھتے ہی دیکھتے
سرحد کے اس پار
نگاہوں سے اوجھل ہوگیا......۔اب علامہ اقبالؔ کا یہ شعر پڑھیئے

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

علامہ اقبالؔ نے اپنی شاعری میں وطن سے محبت کا جو معیار قائم کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ وہ کچھ ان کے پیشرو نہ کہہ سکتے تھے۔اقبالؔ کا جذبہ طینت ان کے حریت انسان ہی کا ایک حصہ رہا ہے۔البتہ انہوں نے وطنیت کی دہاں مخالفت کی ہے جہاں وطنیت کا نظریہ اجتماعی انسانیت کے تصور سے متصادم ہوتا ہے۔مہجورؔ نے اقبال کے اس طرز فکر کو اپنایا جس طرح اقبال وطن سے دوری یا غریب الوطنی پر نوحہ خوان رہنے اس طرح مہجورؔ بھی وطن کی غربت اور محکومی پر تڑپتے رہتے اور جیسا کہ خود ان کے تخلص سے عیاں ہے مہجور ایک باغیرت اور حساس انسان تھا اس نے اپنے آباواجداد کی روش اور خانقاہ پرستی پر چلنے سے انکار کردیا۔اس کے سامنے افکار اقبال ایک مشعل کی طرح روشن تھے اور یہ جان لیا تھا کہ مسلمان کہاں کہاں جاکر آباد ہوئے یہ قدرت کی عجیب

ستم ظریفی ہے کہ..........چھوڑ کر ملازمت میں آیا تھا یہ اسے بعد میں ایسے کام سے واسطہ پڑا جو پہلے سے بھی زیادہ دردناک تھا۔ ایک پٹواری کی حیثیت سے اس نے کاشتکاروں مزدوری اور مزارعوں کو زمینداروں اور جاگیرداروں کے ہاتھوں لٹتے دیکھا۔ اس نے سرسبز کھیتوں میں بھونک اُگی ہوئی دیکھی چنانچہ اس نے نظام کے خلاف بھی بغاوت کردی اور اپنے قلم کو مزدوروں اور کسانوں کے لئے وقف کردیا جس پر حکومت کشمیر نے اسے لداخ کے دورافتادہ علاقہ میں تبدیل کردیا۔ کیونکہ اس نے اپنے مرشد سے اس شعر۔

جس کھیت کے دہقان کو میسر نہ ہو روزی
اس کھیت کے ہر خوشہ گندم کو جلادو

کی تقلید میں کشمیری زبان میں ایسے ہی پُر جوش شعر کہتے تھے جو حکوت وقت کے لئے ایک خطرہ سے کم نہ تھے علامہ اقبال مرشد کامل کی طرح اس کے سامنے کھڑے تھے مہجور اپنے مرشد سے رہنمائی حاصل کرتا اور ان کے افکار واشارہ کو کشمیری زبان کے سانچے میں ڈال دیتا جب علامہ اقبال کی نظم خطاب بہ نوجوان اسلام چھپی تو مہجور نے بھی اسکی تقلید کی اور خطاب بہ مسلم کشمیر کے عنوان سے ایک دردناک نظم لکھی جو ۶ جون ۱۹۲۴ء کے اخبار کشمیر میں شائع ہوئی اس کے چند اشعار یہ ہیں

بتا اے مسلم کشمیر کبھی سوچا بھی ہے تو نے
تو ہے کس گلشن رنگین کا برگ شاخِ عریانی
شکستہ حالی بغداد پر تھا نوحہ خوان سعدی
پے اسپین ہے اقبالِ محو مرثیہ خوانی

مگر کشمیر میں ویران ہوا اسلام کا گلشن کوئی کرتا نہیں جز آب شبنم اشک افشانی

مہجور نے صرف آزادی و حریت اور وطن سے محبت کا درس ہی اقبال سے نہ سیکھا۔ بلکہ علامہ اقبال نے جس جس موضوع پر لکھا مہجور نے بھی کشمیری زبان میں اس کی ترجمانی کی کوشش کی۔ اس اعتبار سے اگر یہ کہا جائے کہ مہجور علامہ اقبال کے کلام و پیام کے کشمیری زبان میں ترجمان بنے تو کوئی مبالغہ نہیں ہے علامہ اقبال نے احترام نسواں کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ اعلیٰ انسان اقدار اور عظمت انسان کا مظہرہ ہے اقبال نے عورت کے وجود کو عظیم و جلیل قرار دیا ہے اور یہاں تک کہا ہے۔

وجود زن سے ہے تصویر کائینات میں رنگ
اسکے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں

اور پھر اقبال نے ماں کی عظمت و بلندی بیان کی ہے وہ اسلامی تعلیم وافکار کی آئینہ دار ہے کہ ماں کے قدموں کے تلے جنت ہے۔ مہجور نے اس خیال کو یوں کہا ہے۔

اَولیاء تہٕ دیوتاے گُن آےٚ

ترجمہ:۔ "میں نے اس دنیا کو رونق بخشی اور اولیا دیوتا میرے ہی بطن سے جنم لیتے ہیں" اقبال کے ہاں اقوام مشرق کو بیدار کرنے کا درس بدرجہ اتم ملتا ہے اور سچی بات تو یہ کہ دنیا میں یہ شرف صرف علامہ اقبال ہی کو حاصل ہے کہ جس نے اپنے فکر شعر کو صرف اپنی ہی قوم یا خطے تک محدود نہیں رکھا بلکہ ان کا کلام آفاقی اور عالمگیر ہے مہجور کی شاعری کا مرکزہ محور اس کی قوم اور وطن ہے اور وہ اپنے تمام بھائیوں کو آزادی و حریت کا درس دیتے ہیں۔

☆

Balraj Sahni

TURNER ROYAL LANE,
JUHU, BOMBAY-54.

29/7/70

محترمی - مجھے افسوس ہے کہ ہمارے فلم شاعر مہجور کی زندگی پر بنائی گئی فلم
کے ریلیز کیلئے آپکو کافی انتظار کرنا پڑا۔ آپکو شاید معلوم ہو کہ مہجور میرے بہت
ہی قریبی دوست تھے اور انکی ہمہ گیر شخصیت کو ریاست اور ریاست سے
باہر کے عوام تک پہنچانا میرا دیرینہ خواب تھا۔ آج وہ خواب
پورا ہوا ہے، اور اب جبکہ فلم تیار ہوا ہے۔ مجھے پوری امید ہے آپ
اسے دیکھیں گے اور مجھے اپنی رائے سے نوازیں گے۔

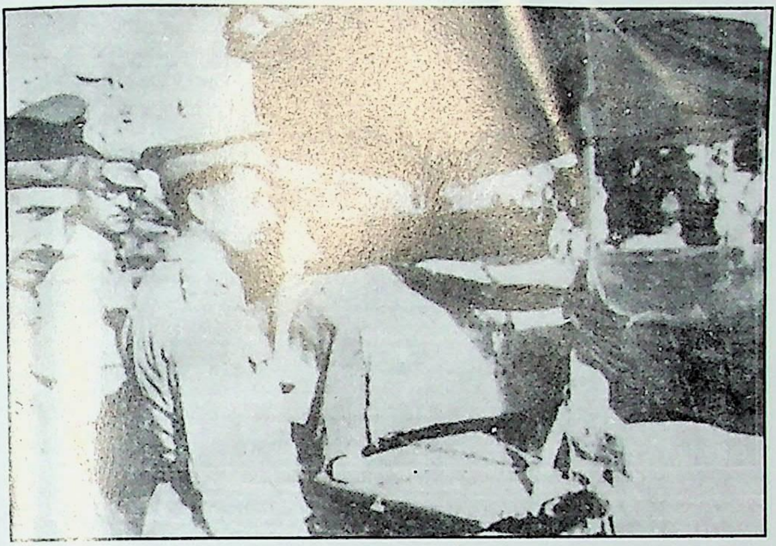
آپکا مخلص

بلراج ساہنی

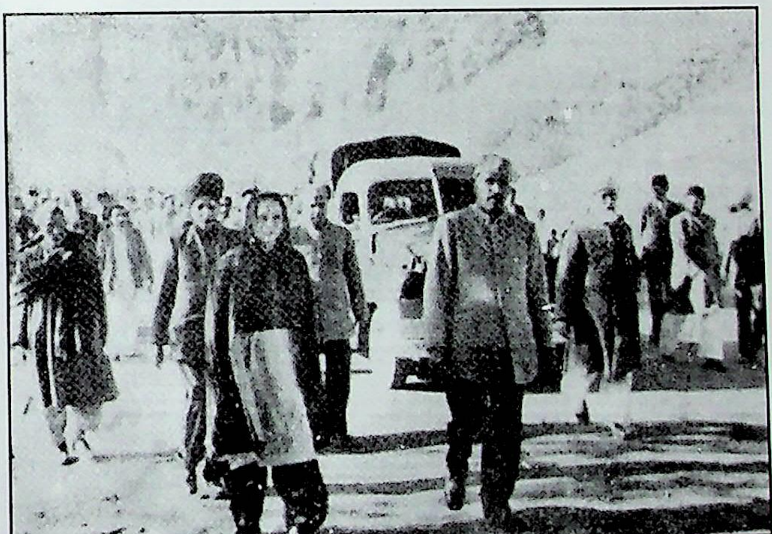
فلم مہجور ریلیز ہونے پر بلراج ساہنی کا خط۔



رو میں ہے رخشِ عمر........ مہجور کو گھوڑا سواری کا شوق تھا۔



سوئے مدفن رواں.....



مہجور کے جنازے کا ایک منظر۔ بخشی غلام محمد، مولانا مسعودی اور فریدہ بیدی اگوائی کر رہے ہیں۔

قلم کاروں سے گزارش

0 مضامین وغیرہ صفحے کے ایک طرف خوش خط لکھ کر روانہ کیا کریں۔

0 شیرازہ کے لئے روانہ کردہ تخلیقات بغیر اطلاع دیئے کسی دوسرے رسالے کو نہ بھیجیں۔ تکرار اشاعت پر ادارہ معاوضہ دینے سے معذور ہوگا۔

0 صرف غیر مطبوعہ اور غیر نشر شدہ تخلیقات ہی بغرض اشاعت روانہ کیا کریں

0 اپنا نام اور پورا پتہ لکھنے کے علاوہ "غیر مطبوعہ" لکھنا نہ بھولیں۔

پران کشور

فلم شاعر کشمیر مہجورؔ

آشاڑھ کی ۲۸ رتاریخ کی گرم شام کے سائے ڈھل رہے تھے۔ بھوک اور پیاس سے نڈھال امر سنگھ کالج کے تین طلبا متری گام کو جانے والی کچی سڑک پر سائیکل لئے قدرے اونچائی پر واقع نئی طرز کی ایک چھوٹی سی ہٹ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ بکرمی سن تو یاد نہیں۔ عیسوی سن تھا ۱۹۴۵۔ ایک بزرگ ہٹ سے باہر آئے۔ بزرگ نے پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ شہر سے آئے ہو؟ تینوں ایک ساتھ بول اُٹھے۔ بس آپ ہی کو ڈھونڈنے نکلے ہیں۔ بزرگ نے ہٹ کا دروازہ جو ادھر کھلا تھا پوری طرح کھولا اور ان طلباء کو اندر لے گئے۔ یہ میری اور میرے دوستوں قیصر قلندرؔ اور صلاح الدین کی پہلی تلاش تھی، شاعر کشمیر مہجورؔ کی تلاش اس عتبار سے کہ ہم اس حسین و جمیل شخصیت کے دردل خانوں کو کھوجنے نکلے تھے۔ جس کے چہرے پر یوں تو ہر وقت ایک شفیق مگر شوخ مسکراہٹ کھلی رہتی۔ جس کے اشعار اس وقت کے کشمیر کے حزن و ملال کو اپنے اندر سموئے ہوئے۔ جو بچپن ہی سے باغی تھا لیکن جس کے باہری وجود میں ایک ٹھہراؤ، ایک سکون تھا، جس کا نام جس کا کلام بچے بچے کی زبان پر تھا۔ لیکن جسے بہت کم لوگوں نے دیکھا تھا۔ جب ہم صحن کے اندر گئے مہجورؔ صاحب ہمیں ایک عجیب انداز سے

گھور رہے تھے ۔شاید ہماری پرکھ ہو رہی تھی۔ ہم کچھ جھنپ سے گئے۔ قیصر نے کہا ہمیں بلراج جی (بلراج ساہنی) نے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ دراصل ہم نے یہاں کشمیر میں IPTA کی شاخ کھولی ہے اور انہوں نے مشورہ دیا ہے کہ ہم پہلا ڈرامہ آپ کی زندگی پر لکھیں اور پھر اسے سٹیج کریں۔

وہ مسکرائے بولے۔ میں تو کچھ پوچھا ہی نہیں؟ تم لوگ سب کچھ خود ہی کہہ اُٹھے۔ تھکے ہوئے آؤ کچھ کھا پی لو۔ آرام کرو پھر ایک دوسرے کو پہچاننے کی کوشش کریں گے۔ دو ایک پتھر کے ذینے چڑھ کر برامدے میں آئے۔ برامدے پر عشق پیچان کے پھولوں سے اٹی بیلیں سائے کیئے ہوئے تھیں۔ دائیں کونے میں ان بیلوں کے بیچ میں قرینے سے ایک دریچہ سا بنا ہوا تھا۔ جس میں دور تا حدِ نظر دھان کے کھیتوں کی ہریالی پھیلی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ مہجورؔ صاحب وہیں ٹیک نما صندوق کے سامنے بیٹھ گئے پتوں سے ڈھکے دریچے میں سے ان کی نگاہ چند لمحوں میں دور تک پھیلے ہوئے کھیتوں میں کھو گئی۔ دھان کی کھیتوں میں گڑائی کرتے کسانوں کی ایک لمبی لکیر ڈوبتے سورج کی کرنوں میں نہلا اٹھی تھی۔ اور مہجورؔ کا ہی مقبول گیت، ''نند بانہ دلبر میانہ'' نیندہ بأتھ کی صورت میں ان کے لبوں سے پھوٹ کر سارے ماحول میں بکھر رہا تھا۔ مہجورؔ صاحب کے چہرے پر مسکراہٹ پوری طرح کھل اٹھی اور وہ ہماری طرف دیکھ کر بولے۔ میرا گیت ہے۔ میری کیفیت کا عجیب عالم تھا۔ میں سوچ رہا تھا۔ شاید ہی کسی اور شاعر کو اتنا بڑا معاوضہ ملا ہو اپنی ہی زندگی میں اس سے بڑا اعزاز کیا ہو سکتا ہے۔ کہ تخلیق کار کو اپنی ہی تخلیق اس طرح کا انعام دئے، اپنی ہی تخلیق ان میں جذب کر لے۔ خیر گئے تھے ہم ایک دن کیلئے لیکن مہجورؔ صاحب کی بے پناہ محبت اور خلوص

نے تین دن روکے رکھا۔ صلاح الدین اور میں مہجورؔ صاحب سے سوال کرتے رہے اور قیصر کالج کی ڈائری میں ان کے جوابات کو نوٹ کرتے رہے۔ مہجورؔ صاحب اپنی زندگی کے اوراق الٹ رہے تھے اور ہم انہیں سمیٹ رہے تھے وہ لمحے میری زندگی کے بہترین لمحات میں سے ہیں۔ جو مجھے ہمیشہ دھان کی بھیگی مہک کی یاد دلاتے ہیں جو مہجورؔ کے قرب میں مہجورؔ کے گیتوں کی گونج میں رچی بستی متری گام کے کھیتوں سے آئی تھی اور جسے میں سال کے بعد ہم نے فلم شاعرِ کشمیر میں سمونے کی کوشش کی۔ مہجورؔ کی زندگی پر بہر حال ڈرامہ ہم نہیں لکھ سکے۔ ولولہ تھا، لیکن شاید ہنر مندی نہ تھی۔ یہ بلراج ساہنی مرحوم کا ہی صدقہ تھا کہ میں حقیقی مہجورؔ سے متعارف ہوا تھا اس کے بعد مہجورؔ صاحب کے ساتھ کام کرنے کا موقعہ ۱۹۴۷ء میں ملا جب کلچرل فرنٹ قائم ہو چکا تھا ۔مرحوم پریم ناتھ پردیسی نے شہید شیروانی کی زندگی پر کشمیری زبان میں ڈرامہ لکھا تھا اور ہم روایتی تھیٹر کے انداز میں اس میں گانے بھی شامل کرنا چاہتے تھے۔ مہجورؔ صاحب کبھی کبھی فرنٹ آتے تھے، چنانچہ ان سے اس معاملے میں بات چیت ہوئی اور پرانے ریجنا ہوٹل میں، جو ٹرانسپورٹ آفس کے عقب میں تھا، مہجورؔ صاحب نے رات کو ڈرامہ سنا اور چند دنوں میں واقعات سے مطابقت کھاتے ہوئے گانے لکھے۔ جنہیں موہن لال ایمہ نے موسیقی میں ڈالا۔ یہ گانے بہت ہی مشہور ہوئے۔ ان میں خاص طور سے قابل ذکر ''کم آیہ یم کمِ میون گرِ بو رباد کرِتھ درایہ'' ''ولو تار کر بوز میأنی آہ وزأری'' چنانچہ ۱۹۵۲ء تک جب مہجورؔ صاحب اس دار فانی سے رحلت کر گئے جب جب بھی مہجورؔ صاحب ملتے وہ کہتے اس سال بھی ۲۸؍اشاڑہ کو میں متری گام میں آپ لوگوں کا انتظار کرتا رہا۔ یہ ان کا خلوص اور محبت تھا، جسکی وجہ سے انہیں ہماری پہلی ملاقات کی تاریخ

یاد رہی تھی اور جس کی وجہ سے یہ تاریخ مجھے آجتک یاد ہے۔ اور آخری دم تک یاد رہے گی۔ یہ واقعات گو ذاتی قسم کے ہیں۔ لیکن ان کا تعلق فلم شاعر کشمیر مہجورؔ کے ساتھ گہرا ہے۔ بلراج ساہنیؔ کے ساتھ میری دوستی کی بنیاد بھی انہی دنوں پڑی جو ان کی زندگی کے آخری دن تک شگفتہ وشاداب رہی۔ بلراجؔ یہاں دیوندر سیارتھی کے ساتھ لوک گیت جمع کرنے آئے تھے اور بلراجؔ جی کا کہنا تھا کہ وہ دیکھ کر حیران ہوئے تھے اس دورے میں یہاں کے گاؤں گاؤں اور شہر کے کوچے کوچے میں صرف مہجورؔ کے گیت گائے جاتے تھے۔ ان کے گیتوں کی بے پناہ مقبولیت دیکھ کر بلراجؔ کی مہجورؔ صاحب سے ملنے کا اشتیاق بڑھا اور جب وہ ان سے ملے تو ایک مستحکم دوستی کی بنیاد پڑ گئی۔ چنانچہ بلراجؔ جی نے ہی مہجورؔ کی شاعری سے بیرون ریاست کے لوگوں کو متعارف کرایا۔ انہوں نے ہی رابندر ناتھ ٹیگور کو ان کی شاعری کے ترجمے پڑھ کر سنائے۔ بلراجؔ جی مہجورؔ صاحب کی شخصیت اور ان کے کلام سے اتنے متاثر ہوئے تھے کہ وہ ان کے اور ان کے خاندان کیلئے کچھ بھی کرنے کو تیار تھے۔

بلراجؔ کو کشمیر کی مٹی سے والہانہ پیار تھا۔ یہ اسی پیار کا نتیجہ تھا کہ کشمیری زبان کی پہلی فلم ”مائژ راتھ“ وجود میں آئی۔ ایک فلم پرڈیوسر تھے ایم آر سیٹھ جو ہندی میں ”دو بہنیں“ اور ”آنچل کے پھول“ جیسی فلمیں بنا چکے تھے۔ سیٹھ صاحب نے بلراجؔ جی سے ذکر کیا کہ میں کسی علاقائی زبان میں فلم بنانا چاہتا ہوں تو بلراج جی نے جھٹ سے کہہ دیا کشمیری زبان میں اس وقت تک کوئی فلم نہیں بنی ہے۔ اسی زبان میں کیوں نہیں بنا لیتے مہجورؔ صاحب کی زندگی پر فلم بنانے کی تڑپ تو بلراجؔ صاحب جی کے دل میں تھی لیکن سیٹھ صاحب پچاس ساٹھ ہزار روپے میں فلم مکمل کرنا چاہتے تھے۔ اور مہجورؔ

صاحب کی زندگی پر بلراج جی عظیم شاعر کے شایانِ شان فلم بنانا چاہتے تھے جس کے لئے پچاس ساٹھ ہزار روپے بالکل ہی ناکافی تھے اس لئے انہوں نے صرف کشمیری زبان پر فلم بنانے کی تجویز دی ایک تعارفی خط انہوں نے ایم، آر سیٹھ کو دیا اور میرے پاس بھیجا۔ میں حیران تھا کہ ایک آدمی جسے کشمیر سے دور کا واسطہ نہیں، کشمیری زبان سے کوئی لگن نہیں اس پسماندہ زبان میں کیوں کوئی فلم بنانا چاہتا ہے۔ آپ یقین مانئے میں آجتک یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ایم آر سیٹھ ایسا کرنے کیلئے کیوں راضی ہوئے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ انہوں نے ایسا کچھ بلیک منی کھپانے کیلئے کیا۔ لیکن جب بھی کشمیر ملک کے باقی حصوں کی طرح فلم کی دنیا میں اُبھرے گا، ایم آر، سیٹھ کا نام فلم کے تاریخ داں ضرور رقم کریں گے۔ میں نے اپنے ساتھی کلاکاروں، علی محمد لونؔ، موہن لال ایمہ اور غلام رسول سنتوشؔ سے ذکر کیا کہ بھئی کشمیری زبان میں فلم بنانے کا منصوبہ تیار ہو رہا ہے۔ تو وہ ہنس پڑے۔ بہرحال ''مائزی راتھ'' ایک تجربے کے طور پر سو فیصدی یہاں کے ماحول میں ہیں۔ کوئی سیٹ بنایا نہیں گیا اور ان ڈور شوٹنگ تک ہمارے دیہات کے آنگنوں میں کوٹھاروں پر تنگ و تاریخ کمروں میں ہوئی سبھی کلاکاروں میں ایک جوش تھا ایک لگن یہ فلم نہ صرف ساٹھ ہزار روپیوں میں تیار ہوئی بلکہ اسے ۱۹۷۵ء میں بہترین علاقائی فلم قرار دیا گیا اور صدر جمہوریہ نے اسے چاندی کے تحفے سے نوازا ہم سبھی اس وقت فلم کی تکنیک سے بے بہرہ تھے تکنیکی مہارت کے لئے اس وقت کے ایک کہنہ مشق ایڈیٹر شام اور ایک ساتھی ہدایت کار جگی رام پال کو پرڈیوسر بمبئی سے بلایا۔ چنانچہ اس فلم کی ہدایت کی ذمہ داری جگی رام پال اور میرے سپرد کی گئی۔ سینریو اور مکالمے علی محمد لون کے تھے، گیت سنتوشؔ کے موسیقی موہن لال ایمہؔ کی تھی۔ کلاکار سبھی

یہاں کے تھے جن میں پشکر بھان، مکھن لال صراف، راجہ حمید، اومکار ائمہ، شامل تھے۔ جب اس فلم کو صدر جمہوریہ کا اعزاز ملا بلراج جی کا خط مجھے ملا جس میں انہوں نے لکھا تھا۔ ''تمہارا فلم دیکھا' یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ نہ صرف کشمیر کی مہک لئے ہوئے ہے بلکہ اسے کشمیر کے کلاکاروں نے کوئی تجربہ نہ ہوتے ہوئے بھی خوش اسلوبی سے تخلیق کیا۔ اب مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ میری زندگی کا وہ خواب پورا ہوگا جس میں تم بھی شریک ہو میں کشمیر آرہا ہوں۔ صادق صاحب سے بات ہوئی ہے، تم سے تفصیل سے بات ہوگی'' اس کے علاوہ انہوں نے کچھ نہیں لکھا تھا اور جب وہ یہاں آئے ان کے ساتھ بنگالی فلموں کے مشہور ہدایت کار اور مصنف پربھات مکرجی تھے۔ وہ سیدھے میرے پاس آئے اور آتے ہی میرے اضطراب کو ختم کیا۔ بولے۔ لو۔ اب مہجور صاحب پر فلم بنے گی تم نے کیا ارادہ لگایا تھا۔ میرا اندازہ بھی یہی تھا، کیونکہ جب جب ہم یہاں یا بمبئی میں ملے مہجور صاحب کی زندگی پر فلم، کی بات کسی نہ کسی طرح چل پڑتی۔ ان دنوں یہاں شیراز سینما میں ''مائزی راتھ'' دکھائی جا رہی تھی۔ چنانچہ بلراج جی نے کہا پربھارت نے ''مائزی راتھ'' نہیں دیکھی ہے، چل کے دکھا دیں۔ چنانچہ مقامی فنکاروں کی اداکاری دیکھ کر پربھات کا بھی حوصلہ بڑھا۔ اس کے بعد صادق صاحب سے مفصل طور بات چیت ہوئی انہی دنوں پاکستانی اور انداز کشمیر کی وادی میں داخل ہوئے اپنی بے پناہ مصروفیت کے باوجود صادق صاحب نے ابتدائی مٹینگوں میں باقاعدگی سے حصہ لیا ''مائزی راتھ'' کے بنانے میں دو شخصوں کا مرہون منت ہوں ایک صادق صاحب کا اور ایک نصر اللہ کا۔ اگر اُن کی سرپرستی اور تعاون نہ ملتا تو وہ فلم نہ بنتی، صادق صاحب کا ایک خواب تھا کہ کشمیر میں اعلیٰ پائے کی فلمیں بنیں۔ اس

سلسلے میں انہیں بلراج ساہنی پر بے پناہ بھروسہ تھا۔ چنانچہ ان کی سرکار نے فلم بنانے کیلئے منظوری دے دی۔ طے پایا کہ فلم رنگین ہو اور دو زبانوں میں ساتھ ساتھ بنائی جائے۔ ایک کشمیری میں، دوسری ہندستانی میں۔ چنانچہ پر بھارت مکر جی اور میں مہجور کی زندگی کے مکمل حالات کھوجنے میں لگ گئے جس میں ہماری رہبری مہجور صاحب کے بیٹے مرحوم محمد امین ابن مہجور نے کی۔ لگ بھگ دو مہینے کے اندر ہم قریباً پانچسو افراد سے ملے جن کا تعلق مہجور صاحب سے رہا تھا۔ اس کے علاوہ مہجور صاحب کے اپنے خطوط کا بھی مشاہدہ کیا گیا۔ بچپن کے واقعات کے بارے میں ریڈیو کشمیر سرینگر کی آرکایوز میں محفوظ بچوں کے ساتھ مہجور صاحب کی ایک محفل کا پہلا حصہ بہت ہی مددگار ثابت ہوا۔ بدقسمتی سے دوسرا حصہ نہیں ملا۔ اس کے علاوہ اپنی زندگی کے جو حالات مہجور صاحب نے ۱۹۴۵ء میں قیصر قلندر، صلاح الدین اور مجھے متری گام میں بتائے تھے ان کا ایک ڈھانچہ تیار کیا گیا۔ خوش قسمتی سے مہجور صاحب کی بیگم صاحبہ ابھی ہم میں موجود تھیں، ان کی دعائیں بھی لیں گئیں اور ہم نے اس نیک کام کا آغاز کیا۔ اس کے بعد بلراج جی، پر بھارت اور میری بہت سی میٹنگیں ہوئیں جن میں امین صاحب بھی شریک رہتے۔ چنانچہ ساری معلومات اور دستاویزوں کا جائزہ لینے کے بعد ہم نے مہجور صاحب کی زندگی کے اہم واقعات کو ایک کڑی میں پرویا اور کوشش یہ کی کہ ہم ان کی زندگی کو نہایت ہی ایمانداری سے پیش کریں اور کسی بھی صورت میں باکس آفس کا خیال نہ رکھیں۔ نہ ہی کوئی فرضی، من گھڑت قصہ زیبِ داستان کیلئے ایجاد کریں۔ چنانچہ کشمیری روپ ریلیز ہونے پر جو مالی فایدہ ڈسٹری بیوٹر کو نہیں ملا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ہم نے بمبئ کے انداز میں فلم بنانے سے احتراز کیا۔ لیکن اگر فنی نکتہ نظر سے دیکھا

جائے تو یہی اس فلم کی سب سے بڑی خوبی ہے۔بہر حال مرکزی ڈھانچہ تیار کرنے کے بعد بنیادی سکرین پلے لکھنے کی ذمہ داری پر بھارت مکرجی کو سونپی گئی۔اس کے بعد بمبئی میں کوئی ایک مہینہ محنت کرنے کے بعد بلراج جی اور میں نے مل کر مکالموں سمیت مکمل سکرین پلے اور سینریو لکھا۔ہمیں ہر لمحہ محسوس ہو رہا تھا کہ ہم ایک مقدس فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ایک مقدس مشن پورا کر رہے ہیں یہ ایک عظیم فنکار کا خواب تھا ایک عظیم فنکار کے بارے میں۔میں بھی ایک فرض نبھا رہا تھا ایک عقیدتمند کے ناطے۔ ایک ایسے کشمیری کے ناطے، جس کے ولولوں کو مہجور کے نغموں نے جلا بخشی تھی۔بمبئی میں بلراج نے دو اور بڑے فنکاروں کو اس نیک کام میں ہاتھ بٹانے کی دعوت دی جو انہوں نے احتراماً قبول کی۔ایک کیفی اعظمی اور دوسری پریم دھون۔ہم نے سارا مسودہ کیفی صاحب کو سنایا۔ان گیتوں کا ترجمہ کیفی صاحب کو دیا جو ہم نے فلم میں شامل ہونے کیلئے چن لئے تھے۔کیفی صاحب کشمیری نظم کو اردو نظم میں ڈالنے کیلئے رضامند ہوئے۔ہندی روپ کا سنگیت دینے کیلئے پریم دھون تیار ہوئے۔چنانچہ چند گیتوں کو انہوں نے بھی ہندوستانی جامہ پہنایا۔ اسطرح ابتدائی مرحلے طے کرنے کے بعد فلم سازی کا کام شروع ہوا۔حکومت جموں وکشمیر نے ایک گزٹ نوٹفکیشن کے ذریعے آرڈر نمبر ۱۰۔۱۳۸۔۱۹۶۵ کے تحت تین لاکھ بیس ہزار روپے منظور کئے۔انہی دنوں ہندوستانی روپے کی قیمت کم کر دی گئی۔چنانچہ حکومت نے بیس مارچ ۱۹۶۶ء کو اس رقم میں ایک لاکھ بیس ہزار کا اضافہ کیا جو چھ قسطوں میں ریلیز کیا جانا قرار پایا۔چونکہ اس فلم کے بارے میں شاید پہلا اور آخری مقالہ لکھا جا رہا ہے۔اس لئے میں اس حکم کے ہر گوشے پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں کہ لوگوں تک حقایق پہنچ جائیں۔چار لاکھ چالیس

ہزار روپے میں دو الگ فلمیں بنانا اس وقت کے بازار کو نظر میں رکھتے ہوئے کسی کے خواب وخیال میں بھی نہیں آسکتا تھا جب کہ کلر نگیٹو کا ایک فٹ ایک روپے پچاس پیسے میں پرمٹ پر ملتا تھا گو مالیات کیساتھ ہمارا کوئی تعلق نہیں تھا لیکن فلم کے ایک ڈائریکٹر کے ناطے مجھے اس بات کا علم ہے کہ کس طرح کشمیر کے اداکاروں، کلکتہ کے فنکاروں اور بمبئی کے دانشوروں اور موسیقاروں کے بھرپور تعاون اور قریباً رضا کارانہ طور پر کام کرنے کی وجہ سے یہ دونوں فلمیں بن کر تیار ہوئیں۔ بلراج ساہنی اب ہم میں نہیں، لیکن مجھے وہ وقت کبھی نہیں بولے گا جب انہوں نے اپنی موت سے چند مہینے پہلے اپنی جیب سے چالیس ہزار روپیہ دئے فلم کا ہندوستانی روپ تیار کروا کر CENSOR کروا کے حکومت کے حوالے کروایا۔ فلم شاعرِ کشمیر فلم سازی میں ایک سنگِ میل ہے۔ لیکن یہ بدقسمتی ہے کہ یہاں کی ہر تحریک، ہر نیک کام کو سیاست اور مصلحتوں کے دیمک چاٹ جاتے ہیں۔ انہی مصلحتوں کا شکار یہ فلم ہوئی جو مہجورؔ ہی کو نہیں بلکہ کشمیر کے دل کی دھڑکنوں کو دنیا کے سامنے رکھتی۔ یہ بدقسمتی ہے کہ کسی کو اس بات کی فکر نہیں کہ اس فلم کو جو ہر لحاظ سے مکمل ہے، عوام کے سامنے رکھے۔ اور غالباً ایک وقت آئے گا جب آنے والی پیڑھیاں کشمیری زبان کی ان دو واحد فلموں کے پرنٹ کیلئے اسی طرح تڑپیں گے جیسے آجکل دادا صاحب پھڑ کے کی ''پرار کی ماش'' کیلئے ہاتھ پیر مارے جا رہے ہیں۔

مسودہ تیار ہونے کے بعد کلاکاروں کے ساتھ انصاف کرنے والے اداکاروں کی تلاش شروع ہوئی۔ اس فلم میں چونکہ ہم نے بچپن سے لے کر مہجورؔ صاحب کی بندگی کی شام تک کے وہ واقعات لوگوں کے سامنے رکھنے کا فیصلہ کیا تھا جنہوں نے ان کی

شخصیت اور شعری قوتوں کو جلا بخشی تھی۔ اسلئے بلراج کا خود یہ رول ادا کرنا ممکن نہیں تھا۔ جس کا ذکر انہوں نے ابن مہجور کو لکھے گئے ایک خطوط میں بھی کیا تھا۔ اقتباس ملاحظہ فرمائیے۔

''اس بات کی مجھے بڑی مسرت ہوئی اور بڑا اطمینان ہوا کہ پر بھارت نے مہجور کا روال پریکشیت سے کرانے کا فیصلہ کیا ہے۔ اسکی کئی وجوہات تھیں۔ بوجہہ عمر میں یہ رول کرنے سے قاصر تھا کیونکہ ہمیں حضرت مہجور کی جوانی کے دن بھی دکھانے ہیں، کسی فلم سٹار کے حوالے بھی یہ رول نہیں کیا جا سکتا تھا کیونکہ ایک تو اس کا معاوضہ دینے کی ہمارے بجٹ میں قطعاً گنجائش نہ تھی، دوسرے وہ لوگ کثیر تعداد میں فلموں میں کام کرتے ہیں۔ اور کسی حالت میں اتنی توجہ اور وقت نہیں دے سکتے جو اس کردار کو کھیلنے کیلئے دینا ضروری ہے۔ کسی اناڑی نوجوان کے حوالے اس کردار کو دینا بھی خطرے سے خالی نہ تھا۔ کیونکہ غیر آزمودہ آدمی کیمرہ سے بہت گھبراتا ہے۔ اور اکثر اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھتا ہے۔ اسی وجہ سے ہم نے پریکشت کو منتخب کیا کیونکہ اس نے روس میں بہت ہی اچھے INSTITUTE میں پورے چھ سال TRAINING حاصل کی تھی .... التماس ہے کہ پریکشت کو حضرتِ مہجور کی ذات سے کشمیری تمدن سے اُٹھنے بیٹھنے' کھانے پینے اور دیگر گھریلو اور سماجی رسومات سے بخوبی واقف کرانا'' (بمبئی 31-5-66)

پریکشت کو میں بچپن سے جانتا تھا۔لیکن روس جا کر پریکشت کی شخصیت میں ایک بہت ہی حساس فنکار جاگ اٹھے گا اس بات کا مجھے بہت کم قیاس تھا۔شاید اس وجہ سے کہ کافی عرصے سے ہم ملے نہیں تھے اور نہ ایک ہی سطح پر بیٹھ کر بات کر سکتے تھے۔ چنانچہ ہمارے کئی خطوط کے بعد وہ روس سے واپس لوٹے اور پہلی جون ۱۹۶۶ء کو انہوں نے بمبئی سے مجھے خط لکھا۔

''میں روس میں کئی سال قیام کے بعد واپس وطن لوٹا ہوں۔ مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ میں نے آپ لوگوں کو کئی مہینے انتظار میں رکھا............ میں نے بمبئی آ کر ہندی کے تین چار گانے سے جن کی موسیقی پریم دھون نے دی ہے۔ وہ گانے مجھے بے حد اچھے لگے، لیکن دو اچھے نہیں لگے..........؟ میں محسوس کرتا ہوں کہ مہجور کے گانوں میں بمبئی کے فلمی گانوں کی کسی طرح کی پرچھائیں بھی نہ ہو اور جب ان میں سے کوئی فلمی گانوں کی یاد دلاتا ہے تو میری ریڑھ کی ہڈی میں ایک سرد لہر دوڑ جاتی ہے۔ بہر حال ہم جب ملیں گے۔ اس بات پر بحث ہو گی۔ انشاء اللہ، مہجور بہت جلد پھر زندہ ہونگیں اور وہ پھر اُسی طرح سب کو اپنے گیتوں میں باندھ کے رکھیں گے............۔

(انگریزی خط سے ترجمہ)

فلم کے بارے میں آگے بات کرنے سے قبل میں چند خطوط سے اقتباس پیش کرتا ہوں تا کہ ان صفحات میں یہ محفوظ رہے کہ یہ فلم بنانے کا خواب اور اس فلم کا بنانے کے منصوبے کب سے بن رہے تھے۔ اور اس عظیم شخصیت کے تئیں جلدی عقیدت اور اس منصوبہ کو کسطرح چند کرم فرماؤں نے پوری طرح پروان چڑھنے نہیں دیا۔ جس کی وجہ سے اس فلم کا ہندی روپ مکمل ہونے کے باوجود بہترین تعلیمی اور معلوماتی فلم قرار

دیئے جانے کے ہوتے ہوئے بھی ابھی تک ڈبوں میں بند پڑا ہے۔

یہ خط ۲۲ فروری ؟............کا ہے۔

''بلراج ساہنی

تھیوسافیکل کالونی بمبئی

پیارے امین۔ بعد از پیار اور تسلیم کے واضح ہو کہ میں نے اپنے ایک عزیز دوست کو جو تہذیبی فلموں میں صفِ اول کے پروڈیوسر اور ڈائریکٹر میں اس بات پر رجوع کیا ہے کہ شاعر کشمیر مہجورؔ کی زندگی پر ایک معیاری فلم بنایا جائے۔ فی الحال اس بات کو بالکل اپنے تک رکھنا لازم ہے ورنہ قبل از وقت بات کے نشر ہو جانے اور بگڑ جانے کا خطرہ ہوگا۔ شاعر کی زندگی کے حالات تفصیل سے اور ان کی زندگی کے دلچسپ واقعات، جذباتی واقعات، چٹکلے، سچائی کے ساتھ ساتھ مگر تفریحی انداز بیان یکجا کر کے براہ کرم جتنی جلدی ہو سکے میرے پاس بھیجنے کی کوشش کرنا۔ مصالحہ ایسا ہونا چاہے جسے پڑھ کر یا پڑھوا کر اس پروڈیوسر کو فلم بنانے میں دلچسپی ہو جائے جب انہوں نے اس کام کا بیڑا اٹھالیا اور پکا فیصلہ کر لیا تو میں تمہارا براہ راست ان سے تعارف کراووں گا بس اس کے بعد میرا فرض پورا ہو جائے گا''

اس کے بعد بلراج جی نے اُسی سال ۲۹ مئی ابن مہجورؔ کو لکھا۔

''امید ہے میرا پچھلا خط ملا ہوگا۔ جس پروڈیوسر کا میں نے ذکر کیا تھا، ان کا نام

پرساد ہے۔ یہ مدراس کے بہت ہی نامور پروڈیوسر ڈائریکٹر ہیں۔ حال ہی میں ان کی پکچر چھوٹی بہن جس میں، میں نے بھی کام کیا ہے، شاندار کامیابی کے ساتھ سارے ہندوستان میں چل رہی ہے اس سے پہلے انہوں نے شاردا بنائی تھی اور وہ بھی پچھلے سال کی ایک اعلیٰ درجے کی فلم تھی۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ وہ قریب ایک ماہ کیلئے چھٹی منانے کیلئے کشمیر تشریف لے جا رہے ہیں۔ پانچ جون کو وہ بذریعہ ہوائی جہاز سرینگر پہنچ گئے ہیں۔ میں نے انکو مہجور کے بارے میں اور آپ کے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے.........آپ سے درخواست ہے کہ ان کے ساتھ وقت مقرر کر کے مہجور کی زندگی کے پورے واقعات اُنہیں سنائیں۔ پرساد صاحب اتنے ہی اچھے ہیں جتنے آپ یا میرے مہجور تھے۔ اس لئے کسی قسم کے تکلف یا اندیشے کی ضرورت نہیں''

پرساد صاحب کو شاید مہجور فلم کا پروجیکٹ کمرشل اعتبار سے فایدہ بخش نہیں لگا۔ اس لئے یہ منصوبہ پروان نہ چڑھ سکا۔ اس طرح چھ سال گذر گئے۔ لیکن بلراج جی نے ہمت نہ ہاری۔ اس سلسلے میں ۱۲/اگست ۱۹۶۵ء کو امین ابن مہجور کو لکھا گیا یہ خط قابل ذکر ہے۔

''تم جانتے ہو کہ گاہے بگاہے میں مہجور کی زندگی پر فلم بنوانے کیلئے ہاتھ پیر مارتا رہا ہوں۔ اس سے مراد اُن کی ذات پر کوئی احسان کرنا نہیں ہے۔ نہ انہیں جہاں وہ اب ہیں اس سے کوئی فرق پڑتا ہے کہ ان کی شہرت بڑھتی ہے یا گھٹتی ہے۔ یا کون کون سے ملک میں پہنچتی ہے۔ مجھے انہوں نے آخری ملاقات میں ایک بات کہی تھی۔ جو شاید تمہیں بتا بھی چکا ہوں میں نے ان سے عرض کیا (یہ مئی ۱۹۴۷ء کی بات ہے) کہ اب آئندہ انہیں صرف گیت نہیں

بلکہ ٹیگور اور اقبالؔ کی طرح عمیق اور گہرے قسم کا ادب تخلیق کرنا چاہئے کیوں کہ اب ان کا درجہ بطور شاعر بہت اونچا تسلیم کیا جا چکا ہے‘‘ ہنس پڑے کہنے لگے ’’بلراج صاحب جب تک میرے کشمیری عوام کے پاس کتاب خریدنے اور پڑھنے کی توفیق نہیں ہے۔ مجھے تو ٹیگور بننے کی اور نہ اقبالؔ بننے کی خواہش ہے اور نہ انکی طرح کتابیں چھپوانے کی۔ میرے عوام تک میرے گیت ہی پہنچ سکتے ہیں۔ اسلئے مجھے انہیں پر اکتفا کرنا ہے۔ مجھے اور کچھ نہیں چاہئے‘‘

’’جن حالات میں ہندی فلمیں بنتی ہیں، کسی معیاری فلم کا تصور بھی کرنا، میں نے دیکھا کہ خیال خام ہے۔ چنانچہ میں نے ہندی فلموں کے باہر نگاہ دوڑانی شروع کی اور میری اچھی قسمت مجھے پر بھات (پربھات مکرجی) تک لے آئی۔ اتفاق سے صادقؔ صاحب کشمیر کے چیف منسٹر ہیں میں انہیں اس زمانے سے جانتا ہوں، جبکہ مہجورؔ سے میری پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ DHAR (ڈی پی در) بھی اسی زمانے میں دوست بنے۔ صادق صاحب کو کابلی والا جیسی فلموں میں میرا کام پسند آیا جب بھی بمبئی آتے، ملتے، اور پچھلے بڑے چناؤ میں ہم کرشنا مینن کیلئے اکٹھے لڑے۔ جب دوستی کا رشتہ مضبوط ہوا اور پربھارت کی طرف امیدیں قائم ہوئیں تو صادق صاحب سے دل کی بات کہی۔ خدا کا شکر ہے کہ انہوں نے تجویز کو پسند کیا۔ اب بتاؤ میں اس کے بجائے اور کیا کر سکتا ہوں؟ محبوب صاحب مرحوم نے ایک بار حبہ خاتون بنانے کا اعلان کیا۔ اسی دن سے میں دل میں جو دعائیں کرنے لگا کہ خدارا یہ فلم نہ بنے۔ کشمیر کے کلچر سے کھلواڑ بند ہو۔ محبوب صاحب بذاتِ خود ایک بیدار اور حب الوطنی شخصیت

کے مالک تھے اِسی لئے اُنہوں نے اِرادہ ملتوی کردیا اور اس کے بجائے SON OF INDIA بنائی............ کیا یہ تمہیں یا مجھے کبھی برداشت ہوسکتا ہے کہ مہجؔور کی زندگی پر ایک ضروری قسم کا لغو فلم بنادیا جائے اور اس کی زندگی کی تمام سچائی کو نظر انداز کرکے ایک قیمتی جگ مگ کرتا ہے مگر بے جان ڈھانچہ تیار کر کے پبلک میں ایک عظیم شخصیت کا مذاق اڑادیا جائے ۳۱ مئی ۱۹۶۶ء کے ایک خط کا یہ اقتباس پڑھ کر آپ کو اندازہ ہوجائے گا کہ مرحوم بلراج ساہنؔی کو مہجور کی شخصیت اور اِس فلم سے کتنی گہری وابستگی تھی...... لکھتے ہیں۔

ایک بات کا خاطر جمع رکھوامین۔ آج تک کسی ظلم کے ساتھ میرے جذبات اس قدر وابستہ نہیں ہوئے جتنے اس کے ساتھ ہیں۔ یہ فلم میرا تیرتھ ہے، میرا مندر۔ اس کے ساتھ میں حتی الوسع کوئی بھی بے انصافی برداشت نہیں کرسکتا۔ سکرپٹ بہت اچھا لکھا گیا ہے۔ گانے بھی بہت اچھے ریکارڈ ہوئے ہیں۔ مجھے اطمینان ہے کہ اس سے تمہیں اور تمہاری والدہ کو بھی، پورا اطمینان ہوگا۔ ماہِ جون کے آخر میں، خود بھی اپنی آنکھوں سے دیکھوں‘‘

جیسا کہ میں نے پہلے لکھا کہ فلم کی کاسٹ میں مہجور کے رول کے لئے پریکشت کو منتخب کیا گیا اور طے پایا کہ بلراج ساہنی مہجؔور کے والد کا رول ادا کریں گے۔ ان دو اہم کرداروں کے علاوہ یہ بھی طے ہوا کہ بیشتر اداکار کشمیر سے ہی لئے جائیں۔ ایک تو اس سے فلم میں حقیقت کا ماحول پیدا کرنے میں مدد ملے گی۔ اور دوسری ان اداکاروں کو ملک کے باقی حصوں میں متعارف کرانے کا ایک اہم مقصد بھی پورا ہوگا۔ وادی میں جو

اداکار سٹیج یا ریڈیو سے وابستہ ہیں۔ان کی مکمل فہرست بنائی گئی۔اور یہ دیکھا گیا کہ ان میں سے کون مہجورؔ کی زندگی سے وابستہ کس کردار کیلئے موزون ہوگا۔ان اداکاروں کے فوٹو گرافس دیکھے گئے۔فلم کے کیمرہ مین اجےؔ مترا اور میک اپ کے شعبے کے سربراہ ستین درؔ سے مشورہ کیا گیا۔ چنانچہ دیگر اہم کرداروں کے لئے سدا ما جی، پشکر بھان، مکھن لال صراف، محمد سلطان، راجہ حمید، اومکار خزانچی، محمد سلطان پنڈت، محمد عبداللہ، بشیر بٹ، موتی لال خزانچی، اومکار رائمہ، سومناتھ سادھو، محمد یوسف قریشی، عاشق حسین، پیارے لال رازدان، شاہد بڈگامیؔ، حکیم حبیب، عبدالمجید بٹ، کرشن لنگو وغیرہ کا انتخاب ہوا۔اس کے علاوہ بیسیوں نئے چہروں کو بھی فلم میں شامل کیا گیا جن میں شہری کے رول کیلئے پشکر رینہ، جو کہ بعد میں فلم فنیئر کے نئے اداکاروں کے مقابلے میں اول آئے اِن کا سکرین ٹیسٹ لیا گیا جو نہایت ہی تسلی بخش نکلا۔ چھوٹے شہریؔ کے رول کیلئے فلم ''مائزی راتھ'' کی ہیروین کے بیٹے کنول اور چھوٹے مہجورؔ کے لئے سٹیج اور ریڈیو کی مشہور اداکارہ نبلہؔ بیگم کے لڑکے قیوم کو چُنا گیا۔ اس کے علاوہ نادمؔ صاحب کے لڑکے شانتی ویر کو بھی مہجورؔ کے بچپن کے دور میں ایک نو عمر کردار کا رول دیا گیا۔فلم میں اور بھی کتنے ہی کردار ہیں۔یہاں سب کے نام گنونا ممکن نہیں۔البتہ بنگال کے دو مشہور مزاحیہ اداکاروں کا ذکر ضرور آنا چاہیئے۔جنہوں نے بھارتؔ نو مکرجی، چنانچہ جنہوں نے فلم دیکھی ہوگی انہوں نے بھانو مکرجیؔ کو ایک مہمان کلاکار کے رول میں دیکھا ہوگا۔فلم کا ایک مشہور گانا جو آزادی کے بعد کے مہجور کی نمائندگی کرتا ہے۔جو ہر راے پر فلمایا گیا تھا۔یہ گانا تھا ''ثناسأری پُرِٕی تو سانئن گھرن منز آیہ آزٲدی''، لیکن بدقسمتی ہے سنسر بورڈ نے اسے فلم سے کٹوا دیا۔اس وقت

ہمارے سنسر بورڈ کو حقایق کا سامنا کرنے کی ہمت نہ تھی۔ ممکن ہے اب جبکہ ''اردھ ستہ''، جیسی حقیقت پر مبنی فلمیں پاس ہوتی ہیں اگر یہ گانا سنسر بورڈ پھر دیکھے تو شاید اسے فلم میں شامل کرنے کی اجازت دے۔ بہر حال ذکر چل رہا تھا اداکاروں کے سلیکشن کا ...... مرد اداکاروں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ لیکن سب سے بڑا مسلہ تھا زنانہ اداکاروں کا اس سلسلے میں ہم ''مائزی راتھ'' بناتے وقت بھی بہت ہی پریشان ہوئے تھے۔ غالباً ٹیلی ویژن کے قیام کے باوجود اب بھی یہ مسئلہ ویسا ہی مشکل ہے جیسا اُس وقت تھا۔ کئی چہرے دیکھے، کئی لوگوں سے ملے، لیکن مناسب TALENT نہ مل سکا۔ ایک دو کی بات ہوتی تو کسی نہ کسی طرح کام چل جاتا لیکن ہمیں درجنوں زنانہ اداکاروں اور کھیتوں میں کام کرنے والی عورتوں کی ضرورت تھی ۔ اس سلسلے میں سبھی کو تشویش ہوئی۔ چنانچہ بلراج جی نے ۲۱/ مارچ ۱۹۶۶ء کو صادق صاحب کو اس سلسلے میں لکھا۔

''فلم کی شوٹنگ جون کے مہینے سے شروع ہونے والی ہے، لیکن ہم بے بس ہیں کیونکہ ہمیں مناسب کشمیری خواتین اداکار ائیں نہیں مل رہیں۔ فلم میں کام کرنے سے ابھی وہ جھجھک رہی ہیں۔ یہ مسئلہ تب تک حل نہیں ہوسکتا جب تک نہ زینب جی، ساجدہ جی، اور محمودہ جی ہماری مدد کریں۔ میں ان کو بھی الگ سے خط لکھ رہا ہوں لیکن آپ انہیں اس کاز کے بارے میں مجھ سے زیادہ مطمئن کر سکتے ہیں۔ میں نے قاسم صاحب کو بھی لکھا ہے کہ وہ اپنے کارکنوں کی اس سلسلے میں مدد فراہم کریں۔ مہجور کی ساری زندگی گاؤں میں گزری ہے۔ اور فلم کا نوے فیصدی حصہ گاؤں میں ہی

شوٹ ہوگا۔ اس لئے شہر سے زیادہ ہمیں گاؤں میں تعاون چاہیے‘‘
قاسم صاحب نے بلراج جی کے خط کا جواب فوراً ہی دیا۔ تاریخ تھی اٹھائیس مارچ سن ۱۹۶۶ء ’’مکرمی ساہنی صاحب۔ آپ کا خط ملا۔ یاد آوری کا شکریہ۔ میں نے بہت دلچسپی سے پڑھا کہ مہجور فلم کے بارے میں آپ کو کسقدر ذاتی دلچسپی ہے اور آپ کئی وقتوں کا مقابلہ کرر ہے ہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جس قدر نیک کام میں آپ کو مجھ جیسے ناچیز کی خدمات درکار ہوں گی، آپ کو ضرور حاصل ہوں گی۔ تفاصیل کیلئے جب آپ سرینگر میں ہوں گے آپ سے بات ہوگی۔ مئی کے دوسرے ہفتے میں ہم انشاءاللہ سرینگر میں ہوں گے کیونکہ اپریل کا مہینہ جموں صوبے میں ہی صادق صاحب کا بھی اور میرا بھی صرف ہو رہا ہے۔ ہمارے کارکن کشمیر میں حتی الامکان ضرور مددگار ثابت ہوں گے‘

چنانچہ مئی کے مہینے میں ہی زنانہ کرداروں کا مسئلہ بھی حل ہوا جس کا سہرا ساجدہ جی (بیگم ساجدہ ضمیر احمد) کے سر ہے۔ انہوں نے سب سے پہلے اپنی خدمات پیش کیں۔ اس سے فلم کو ایک اور وقار ملا۔ اور ان خواتین کی جھجھک دور ہوئی جو اس فلم کو بھی بمبئی کی عام فلم تصور کرتی تھیں۔ ساجدہ جی کو مہجور کی نانی کا رول دیا گیا۔ جن کے سائے میں پلکر مہجور جوان ہوئے۔ اور جنہوں نے ان میں علم و ادب کا شوق پیدا کیا۔ اس کے ساتھ ہی ہماری مشہور مصور کشوری کول بھی میدان میں آئیں۔ مہجور کی شریک حیات کے رول کیلئے کئی لڑکیوں کا ٹیسٹ لیا گیا۔ آخر گیتا نجلی کا انتخاب ہوا۔ جو گو

کشمیری نہیں تھیں لیکن یہیں بلی پڑھی تھیں۔ گیتا نجلی کشمیری بھی بول سکتی تھیں۔ گوان کا لب ولہجہ خالص کشمیری کا سا نہیں تھا۔ وہ رقص بھی جانتی تھیں، اداکاری بھی اور سنگیت بھی (گینا نجلی اس وقت ہمارے ملک کی ماہر اور مشہور کتھک رقاصاؤں میں صف اول کی فنکار رہیں) فلم میں ایک اہم کردار ہے گریس کور (گاؤں کی الیھڑ دوشیزہ کا) جس کو فلم میں گاؤں کی سادگی، بے باکی معصومیت اور تازگی کے سمبل کے طور پر استعمال کیا گیا۔ یہ لڑکی کوئی بات نہیں کرتی۔ نڈر، بے باک اپنے کام میں مست، کھیتوں، کھلیانوں میں ایک جنگلی ہرنی کی طرح کلیاں مارتی رہتی ہے۔ اور مہجور کو اتنا متاثر کرتی ہے کہ وہ گریس کور عنوان کے امر گیت کی تخلیق کرتا ہے۔ اس کردار کیلئے ہندی کے مشہور ادیب اور بلراج ساہنی کے چھوٹے بھائی بھیشم ساہنی کی لڑکی کلپنا کا انتخاب ہوا جو اُس وقت روسی زبان میں ریسرچ کر رہی تھیں۔ اس طرح سے فلم کی کاسٹنگ مکمل ہوئی۔

اس بیچ میں ہندی اور کشمیری دونوں روپوں کے گانوں کی ریکاڈنگ مکمل ہو چکی تھی۔ ہندی گانوں کی ریکاڈنگ بمبئی میں ہوئی اور کشمیری گانوں کی ریڈیو کشمیر سرینگر کے سٹوڈیوز میں۔ ہندی گانوں کی موسیقی پریم دھون کی تھی اور کشمیری گانوں کی موہن لال ائمہ کی، پریم دھون دھنیں بنانے سے پہلے یہاں آئے تھے اور انہوں نے وہ ساری لوک دھنیں ریکارڈ کر لی تھیں جن میں محمود شہری اور یہاں کے لاکھوں عوام نے مہجور کے گانے گائے تھے اور ان کی اساس پر اپنی دھنیں بنائیں۔ مہجور کے گیتوں کو ہندی جامہ پہنانا اور ان میں کشمیری روح کو برقرار رکھنا بھی ایک بڑا کام تھا۔ اس سلسلے میں پریم دھون کے ایک خط کا اقتباس ملاحظہ ہو جو انہوں نے میرے نام ۲۱ را پریل ۱۹۶۶ء کو لکھا۔

باقی گیت مئی میں ریکارڈ کرنے ہیں۔ کیفی صاحب کے پاس
جو SCRIPT ہے اس سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ آپ کس گیت
کے کون کون سے اشعار استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ آپ ایک
اور SCRIPT مجھے بھیجدیں جسمیں واضح طور پر لکھیں کہ باقی
گیتوں میں کون سے اشعار شامل ہوں گے۔ اور گیت کتنے منٹ کا
ہوگا۔ حبہ خاتون کے پہلے گیت کے بعد جو ہم نے ریکارڈ کیا مہجور
کے گیت کے کون سے اشعار ہوں گے اور اس کے بعد وہ مختلف
جگھوں پر مہجور کے جو گیت ہوں گے وہ مختلف ہوں گے یا ایک ہی
گیت کے دو حصے فی الحال ہم لوگ دہقان زادی اور حبہ خاتوں کے
دوسرے گیت پر کام کر رہے ہیں''

ہندی روپ کے گیت مناڈے نے مہندر کپور، سمن کلیانپور، اوشا منگیشکر، طلعت محمود اور کرشنا کلے نے بہت ہی خوبصورت انداز میں گائے جن میں سے '' آجا پھولوں کے شہزادے'' چمن والے چمن کی کوئی شان پیدا کر'' کھیتوں کی شہزادی ریڈیو سے بہت ہی مقبول ہوئے۔ پریم دھون نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ ہر گانے سے کشمیریت جھلکے لیکن فلم لاین میں ہونے کی وجہ سے بمبئ کی فلموں کے اثر کو پوری طرح وہ نکال نہیں پائے۔ چنانچہ پریکشت ساہنی نے جب روس سے لوٹنے پر یہ گانے سُنے انہوں نے مجھے اپنے تاثرات بھیجے اور لکھا۔

'' مجھے روس سے لوٹے تین دن ہوئے۔ اور یہ تینوں دن میں
نے بمبئ میں اس جدو جہد کیلئے تیاری میں گزارے جو مہجور فلم بنانے

کے سلسلے میں ہمارے سامنے ہے۔ میں جلد ہی آپ کے پاس پہنچنا چاہتا ہوں تاکہ ہم ساتھ بیٹھ کے مسودے پر کام کرسکیں۔ سنیریو کے بغیر میں اندھے کی طرح محسوس کررہاں ہوں یا اس شخص کی طرح جسے بینائی لوٹائی گئی ہو۔ لیکن جس کی آنکھوں سے ابھی پٹی ہٹائی نہیں گئی ہو............ میں نے فلم کے تین چار گانے سن لئے ہیں جو پریم دھونؔ نے ریکارڈ کئے ہیں۔ مجھے دو اچھے لگے۔ دو اچھے نہیں لگے۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ مہجورؔ کے گانوں میں بمبئی کی فلموں کے گانوں کے ساتھ کسی طرح کی مطابقت نہیں ہونی چاہئے۔ میں اس سلسلے میں آپ سے ملنے پر تفصیل سے بات کروں گا۔ انشاء اللہ مہجورؔ پھر زندہ ہوگا۔ پھر کشمیر کی مہک کو اپنے گیتوں میں سموئے گا اور دنیا سے اُسے نہارے گی''

کشمیری روپ کی موسیقی میں موہن لال ایمہؔ نے کوشش کی ان کی دھنوں کو سجانے سنوارنے کی جن میں مہجورؔ کی مقبولیت کے دنوں میں ان کے گیت یہاں کے بچے بچے کی زبان پر تھے چنانچہ ہم نے پرانے گراما فون ریکاڈوں اور بزرگ لوگوں کا سہارا لیا اور اس طرح ان دھنوں کو ایک نئ زندگی ملی۔

سارے گانے کی عکس بندی کیلئے کشمیر چھوڑ دو تحریک کے جلسوں اور جلوسوں کی آراستگی ضروری تھی۔ چنانچہ بڈگام کے علاقے میں شاہد بڈگامیؔ اور دوسرے باا ثر فنکاروں کی مدد سے ایک بڑے اجتماع کیلئے لوگوں کا تعاون حاصل کیا گیا۔ سینکڑوں ہل والے جھنڈے بنائے گئے تاکہ ایک بھاری جلوس کا اہتمام کیا جائے۔ شوٹنگ

کے سارے انتظامات طے ہو چکے تھے۔لیکن حکام نے شوٹنگ سے ایک دن قبل ہمیں اطلاع دی کہ چونکہ اس طرح کے جلوس سے لا اینڈ آرڈر کا مسئلہ پیدا ہوگا اس لئے شوٹنگ کو منسوخ کیا جائے۔ ہم حیران ہوئے کہ فلم گورنمنٹ کی ہے اور حکومت ہی شوٹنگ میں رخنہ ڈال رہی ہے۔ جب ہم نے وجہ دریافت کی تو ہمیں کہا گیا کہ اسمیں چونکہ نیشنل کانفرنس کے جھنڈے ہونگے اس لئے غلط فہمی کا خدشہ ہے۔چنانچہ ہمیں کشمیر چھوڑ دو تحریک کے جلوس کلکتہ کے ٹیکنیشن سٹوڈیوز کے احاطے میں کشمیر کے اہم بازار کھڑا کر کے اور جمشید پور ٹاٹا نگر کے قریب پہاڑوں میں کافی رقم خرچ کر کے شوٹ کرنے پڑے۔سیاسی مصلحتوں کی بناء پر تخلیقی عمل کو کس طرح اثر انداز ہونا پڑتا ہے۔ یہ اس طرح کی مثالوں سے واضح ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو تاثر کشمیر کے بازاروں میں اور یہاں کے دیہات کے لوگوں کی شرکت سے پیدا ہوسکتا تھا وہ کلکتہ کے اکٹرازاور مصنوعی سپاٹس لگا کر پیدا نہیں کیا جاسکتا تھا۔

بہرحال یہ سب مرحلے طے کر کے جب فلم کا کشمیری روپ تیار ہوکر CENSOR نے پاس کیا تو اسکی ڈسٹری بیوشن کا مسئلہ سامنے آیا۔ اس میں بیورکریسی نے لاپرواہی برتی۔ایک وقت وہ تھا جب کہ آل انڈیا رائٹس کے لئے صرف ہندی روپ کیلئے سات لاکھ روپے کی MINUM گارنٹی کا آفر تھا۔ جسکا مطلب یہ تھا کہ فلم سے حکومت کو اڑھائی لاکھ روپے کا فائدہ ہوتا اور ساتھ ہی کشمیری روپ مفت میں مل جاتا۔ بہرحال کافی تگ ودو کے بعد کشمیری روپ اگست ۱۹۷۰ء میں ریلیز ہوا پرائمیر سرینگر کے ریگل سینما میں بڑی شان وشوکت سے ہوا جس میں مہجور صاحب کی اہلیہ محترمہ مہمان خصوصی تھیں شو کے بعد ریگل سینما کے آفس میں

صادق صاحب مرحوم نے بیگم مہجور سے پوچھا ''ہم نے مہجور صاحب کی شان میں کوئی گستاخی تو نہیں کی ہے'' بیگم مہجور کی آنکھیں آنسوؤں سے نم تھیں۔ انہوں ے کہا ''بس من وعن یہی کچھ ہوا تھا'' ان کے دل سے نکلا ہوا فقرہ ہمارے لئے سب سے بڑا انعام تھا۔ اسکے بعد وزیر اعلیٰ جناب غلام محمد صادق کی طرف سے فلم کے مکمل ہونے کی خوشی میں انکے پرائیویٹ پبلک آفس پر شاندار عصرانہ دیا گیا جس میں بلراج ساہنی، پریم دھون، اجے مترا اور باہر کے دیگر فنکاروں کے علاوہ فلم میں کام کرنے والے کئی کلاکار اور موسیقار مدعو تھے۔ اسکے علاوہ وادی کے کئی ادیب اور دیگر فن کار بھی اس تقریب میں شریک ہوئے۔

فلم کے ریلیز پر ریاست کے اس وقت کے گورنر شری بھگوان سہائے مہمان خصوصی تھے۔ فلم دیکھ کر وہ بے ساختہ کہہ اُٹھے کہ یہ فلم نہیں حقیقت رکھتی ہے۔ بالکل اطالوی فلموں کی طرح شو ختم ہونے کے بعد وہ باہر دوسرے شو کے لئے جمع ہوئے لوگوں میں گئے اور ان سے کہا کہ ''یہ فلم یہاں کے بچے بچے کو دیکھنی چاہیئے۔ بہت ہی خوبصورت فلم ہے''

یہ بدقسمتی کی بات ہے کہ ابھی بھی ہمارے ملک میں فلم کی کامیابی باکس آفس پر اسکی مالی فتح پر ہی متعین کی جاتی ہے۔ اور چونکہ اس فلم میں کاروباری فلم کا مصالحہ نہیں تھا۔ اسوجہ سے یہ شاید باکس آفس ہٹ نہ ہوسکی۔ لیکن اگر فنی اعتبار اور خلوص اور ایمانداری کی کھوٹی پر اس فلم کو پرکھا جائے تو سخت سے سخت نقاد بھی اس کو پسند کئے بنا نہیں رہ سکتا۔ بدقسمتی یہ ہے کہ اس فلم کو عوام کے سامنے پوری طرح سے پیش نہیں کیا گیا۔ یہ صرف چند ہفتوں کیلئے سرینگر کے ایک سینما ہال میں دکھائی گئی اور چند ہفتوں

کے بعد اس امر کے باوجود کہ ہر شو میں ہاؤس فل ہوتا اسے اتار گیا میں یہاں ان وجوہات کا ذکر نہیں کروں گا جن کی بناء پر سے اتارا گیا۔ یہ فلم سوپور میں ہفتہ بھر دکھائی گئی باقی کسی اور قصبے میں اسے دکھانے کی کوشش تک نہیں کی گئی۔ لیکن اتنا ضروری کہوں گا کہ اس میں ان لوگوں کا بھی ہاتھ تھا جو یہاں پر ہر قسم کی ترقی کے دشمن ہیں۔ اس سے بڑی بد قسمتی کیا ہوگی۔ کہ اس فلم کا اردو روپ تیار ہو کر حکومت کے پاس بند ڈبوں میں پڑا ہے۔ جبکہ اس فلم کے لئے ڈسٹری بیوٹر بھی تیار ہیں۔ ایک ایسی تخلیق جس پر ہمیں فخر ہونا چاہئے تھا۔ جو ہمارے بہت ہی محبوب و مقبول شاعر کو زندگی دیتی ہے۔ جسے ہم نے انتقال کے بعد قومی شاعر تک کا درجہ دیا، جو یہاں کے لوگوں کے غم، انکی خوشی میں لمحہ شریک رہا، جس نے یہاں کے لوگوں کے دلوں کی دھڑکنوں میں خود کو جذب کر لیا تھا۔ جس نے اس وقت حکومت اور جور و استبداد کے خلاف قلم اٹھایا۔ جب کہ گردن اٹھا کر چلنا بھی گردن زنی سمجھا جاتا تھا۔ یہ سوال بار بار ذہن میں ابھرتا ہے۔ کہ حکومت کی جائیداد ہونے کے باوجود اس فلم کو تہہ خانوں میں کیوں بند رکھا گیا ہے؟

ساری ریاستیں فلم کے قوتِ اظہار کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے اپنی ریاستوں میں فلم سازی کی صنعت کو کھلے دل سے سرپرستی فراہم کر رہی ہیں۔ لیکن ہماری ریاست ہی شاید واحد ریاست ہے جہاں اس طرف کسی طرح کا دھیان نہیں دیا جاتا۔ نہ جانے کب کوئی مسیحا آئے گا۔ اور مہجورؔ کی شخصیت کو تہہ خانوں میں پڑے بند ڈبوں سے نکال کر آزاد کرے گا..........!

☆

برج پریمی

مہجور اور منٹو

مہجور کشمیری زبان کے عہد ساز شاعر ہیں۔انہوں نے کشمیری شاعری کی غنائیہ روایات کو ایک نئی جہت دیکر نئی منزلوں سے آشنا کیا۔مہجور کی ابتدائی شاعری میں موضوع اور ہیت کے اعتبار سے روایت کی چھاپ ہے۔لیکن وہ بہت جلد اس دور کی شاعری کی ان دیکھی دنیاؤں سے زینہ بہ زینہ اس دنیا میں اترتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں اور ان کے یہاں ان کے گرد و پیش کی دنیا مچلتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ وہ پرچھائیوں کا تعاقب کرنے کے بجائے انسانوں کی دنیا میں خاک چھانتے ہوئے نظر آتے ہیں۔روایت کی حدود میں رہکر بھی ایک نئے شعری مزاج کا تجربہ کرتے ہیں اور اپنے عہد کے تقاضوں کو شعر کی زبان دیکر ایک مجتہدانہ رول ادا کرتے ہیں۔مہجور گل اور بلبل کے عشق اور حسن میں انسانی زندگی کی تب وتاب کا فسوں جگاتے ہیں اور اپنی قوم کی نسل در نسل غلامی ان کے احساس کمتری،ان کی ناداری اور افلاس اور جاگیردارانہ نظام کے داؤ پر چڑھی ہوئی ان کی آرزومندیوں کو انہیں استعاروں میں ڈھال کر اپنے تنفس کے شعلوں سے سلگا دیتے ہیں۔ایک تند، واضح اور نوکیلی آواز کشمیر کے در و دیوار میں لہراتی ہے۔اور جاگیر شاہی نظام کے ایوانوں کو ہلا دیتی ہے۔مہجور کی یہ آواز

اس تحریک کو قوت اور تراوت بخشتی ہے جو صدیوں کی غلامی کے خلاف کشمیر میں بلند ہوئی تھی۔ لیکن مہجور نعرہ باز نہیں تھے۔ ان کی آواز میں آگ ہے۔ لیکن وہ فن کے حسن اور اس کی خوشبو کا سودا نہیں کرتے وہ مثالیت اور مزیت کے حسن سے اپنے اشعار میں نئی معنویت پیدا کرتے ہیں۔ وہ غم اور غصے کو شعور اور فن کی خراد پر چڑھا کر کھری بات کہنے کے قائل ہیں۔ یہ مہجور کا شاعرانہ اعجاز تھا کہ وہ عوام کے دل کی دھڑکنوں کی آواز بن گئے اور انہیں اپنی حیات میں بھی بقائے دوام حاصل ہوا۔

بیسویں صدی کے تیسرے دہے کے آس پاس مہجور کی دو نظمیں ''پوشے متہ جانانو'' اور میرے پھولوں کے شہزادے اور ''گریس کور'' (دہقان دوشیزہ) انگریزی ترجمے کے توسط سے مہا کوی ٹیگور تک پہنچیں۔ ان نظموں کے سحر نے مہا کوی کو موہ لیا۔ لفظوں میں چھپے ہوئے قوس قزح کے رنگ، جنگلی ہرنوں کی مست خرامی، نیلی جھیلوں کے گہرے سایے اور برہ کی آگ میں جھلسی ہوئی برہن کی پتھروں کو پگھلا دینے والی لے .... مہا کوی کو دور پہاڑوں کی پنہایوں میں چھپے ہوئے ایک غیر معروف شاعر کی آواز کے رس میں قدرت کی مہا نتا روح کی آسودگی اور ازلی حسن کے تقدس کا احساس ہوا تھا جس کا وہ خود عاشق تھا۔ اسی احساس نے اسے مہجور کو ''کشمیر کا ورڈس ورتھ'' کہلوایا .... مہا کومی ٹیگور کے اس تاثر میں مہجور شناخت کا احساس ہوتا ہے۔ .... اس کے بعد آہستہ آہستہ مہجور کے جنیس کا احساس کشمیر کے پڑھے لکھے لوگوں کے دلوں میں جاگ اُٹھا۔

یہ مہجور کی کشمیری شاعری کا آغاز تھا!

برسوں بیت گئے مہجور کی شاعری جغرافیائی حصاروں کو توڑ کر پورے برصغیر کو اپنی

خوشبو سے معطر کرنے لگی۔ ان گیتوں میں نئے کشمیر کے ان خوابوں کی تفسیر تھی جنہیں مہجور نے احساس اور شعور کی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ یہ ایک نئی آواز تھی جس میں کتنی ہی ناآسودگیوں کی تپش تھی کتنے ہی زخموں کی ٹیس تھیں اور غم اور ملال اور غصے کی آنچ تھی۔ اس نظام کے خلاف جس نے کشمیریوں کے ارمانوں کو خاکستر کیا تھا۔ اور انہیں نسل در نسل غلامی کا طوق پہنایا تھا۔ حتیٰ کہ پاکستان میں رہنے والا بدنام اور معتوب افسانہ نگار، جسے شاعری کے شعبے سے کوئی واسطہ نہیں تھا، اس آواز کی جدت سے پگھل گیا۔ یہ حساس شخص ایک اور کشمیری تھا......... سعادت حسن منٹو! جسے شاعر کشمیر مہجور کو ساری عمر نہ دیکھنے کی محرومی نے اظہار ملال پر مجبور کیا تھا۔

''کشمیر میں نے نہیں دیکھا ہے۔ لیکن کشمیری دیکھے ہیں لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ میں نے مہجور کو نہیں دیکھا ہے.........''

منٹو کی سب سے بڑی کمزوری کشمیر تھا۔ اسے زندگی بھر یہ احساس تڑپاتا رہا کہ اس نے کبھی کھلی آنکھ سے اپنا آبائی وطن کشمیر نہیں دیکھا تھا۔ وہ صرف ایک بار بٹوت تک ہو آیا تھا۔ جب اسے دق کا مریض قرار دے کر علی گڈھ یونیورسٹی سے نکال دیا گیا تھا کشمیر سے اس کی دلچسپی کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ وہ کشمیری الانسل تھا۔ کوئی پانچ پشت پہلے س کے جد امجد خواجہ رحمت اللہ سکھوں کی عملداری میں اپنے دوسرے بہت سے اہل وطن کی طرح کشمیر سے بھاگ کھڑے ہوئے تھے اور پنجاب کے دارالسلطنت لاہور میں آکر مقیم ہو گئے تھے۔ ان کے پوتے خواجہ جمالدین کچھ عرصہ کے بعد امرتسر چلے آئے تھے اور یہیں کے ہو کر رہ گئے لیکن وہ منٹو ذات کو بھول نہیں سکے جوان کے کشمیری پن پر داں تھا منٹو......... ڈیڑھ سیر کا بٹہ!......... اس لئے کشمیر کے تعلق

سے جب بھی کوئی بات ہوتی تو منٹو کہتا تھا..........

''میں کشمیری ہوں..........ایک باتو''

''میں بھی کشمیری ہوں، مجھے کشمیریوں سے بہت محبت ہے''

''میں کشمیری ہوں' بہت عرصہ ہوا ہمارے آباد اجداد کشمیر سے ہجرت کر کے پنجاب آئے''

یہی سبب ہے کہ کشمیر کا ذکر آتے ہی منٹو جذباتی ہو جاتا تھا۔ اس سرزمین کے ساتھ یہی تعلق اسے ''بیگو''، ''ایک خط'' مصری کی ڈلی ِ''لالٹین'' جیسی کہانیوں کے بعد ٹیٹوال کا کتا'' اور '' آخری سلیوٹ'' جیسی کہانیاں لکھواتا ہے۔

ذکر ہو چکا ہے۔ کہ منٹو کے بزرگ سکھ عہد میں، سکھوں کے مظالم سے تنگ آ کر ترکِ وطن پر آمادہ ہوئے تھے۔ منٹو اس واقع کو بھول نہیں سکا تھا۔ اس کے تحت الشعور میں یہ بات محفوظ تھی کہ مہجور نے ایسا نہیں کیا تھا۔ ظلم وستم کو برداشت کیا تھا اور اس کے خلاف آواز بلند کی تھی۔ مہجور کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے منٹو رقم طراز ہے!

''مجھے ندامت ہے کہ میرے آباواجداد نے ہجرت کو جور ستم سہنا بڑی بات ہے۔ لیکن ہجرت بہت بڑا مزا ہے۔ مہجور نے قلم وستم سہے۔ اس نے سب سے بڑی اذیت جو ذہنی خصوصیت ہے، برداشت کی مگر وہ ڈٹا رہا۔ ہجرت کا خیال تک بھی اس کے دماغ میں نہ آیا..........وہیں رہا جہاں کا وہ تھا..........''

(شاعر کشمیر۔ مہجور کاشمیری)

تقسیم منٹو کے لئے ایک بہت بڑا المیہ تھی۔ اس نے ہندوستان اور پاکستان کی مصنوعی تقسیم کو دل سے کبھی قبول نہیں کیا۔ اس کا ایمان تھا کہ مذہب اور سیاست کے

نام پر کھینچی ہوئی کوئی لکیر دلوں کا بٹوارہ نہیں کر سکتی۔

'اب اس خطۂ زمین کو نئے نام نے کیا بنا دیا تھا۔ اس کا مجھے علم نہیں تھا۔ اپنی حکومت کیا ہوتی ہے۔ اس کی تصویر بھی کوشش کے باوجود میرے ذہن میں نہیں آتی تھی"

(گنجے فرشتے)

اس لئے جب ہندوستان اور پاکستان کے درمیان تعلقات کشیدہ ہوئے۔ تو منٹو بے چین ہو اٹھا اور دور کی بعض کہانیوں میں منٹو نے اپنا غم انڈیل دیا ہے۔ اس کے پس پشت ایک انسان دوست افسانہ نگار کا درد اور ملال ملتا ہے۔

"سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ہندوستان اپنا وطن ہے یا پاکستان"

(گنجے فرشتے)

اس لئے جب تقسیم ملک کے بعد ہندوستان اور پاکستان کے درمیان تناؤ بڑھتا ہی گیا تو منٹو اپنے جذبات پر پہرہ نہ بٹھا سکا۔ وہ شاعر کشمیر مہجور کو یاد کرنے لگا۔ اِسے یقین تھا کہ مہجور کے نغمے زخموں پر پھاہا رکھنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ ان کے نغموں کا رس نفرت اور کدورت کے زہر پر تریاق رکھ دیتا۔

"کاش مہجور زندہ ہوتا!

اگر وہ زندہ ہوتا تو میں سمجھتا ہوں ڈاکٹر گراہم کو ضرورت پیش نہ آتی۔ وہ اپنے قلندرانہ انداز میں جواہر لال نہرو اور خواجہ ناظم الدین کو یہ بھی کشمیری ہیں سمجھا دیتا کہ دیکھو انسان کا خون پانی سے ارزاں نہیں ہے۔ کشمیری خواہ وہ مسلمان ہو یا ہندو ہو ہر حالت میں

کشمیری ہے۔ تم جواہر لال ہو............ یہ ناظم الدین ہے۔ دونوں کشمیری ہو۔ حالانکہ تم کشمیر کے باشندے نہیں ہو لیکن تمہاری روح کشمیری ہے۔ تم گوگجہ اور بھتہ (شلغم اور چاول) کو ایسے دستر خوان سے کبھی نکال نہیں سکتے۔ پھر تم کیوں لڑتے ہو۔ شلغم اور بھات کی قسم کھاؤ............ کیا تم ایک دوسرے کے گریباں میں ہاتھ ڈال سکتے ہو؟

(شاعر کشمیر۔ مہجور کاشمیری)

یہ مضمون منٹو نے ۱۹ر نومبر ۱۹۵۲ء کو لکھا تھا۔

مہجور اور منٹو میں بظاہر کوئی مماثلت نہیں۔ ان میں مماثلت کی تلاش دور کی کوڑی لانے کے مترادف ہے۔ لیکن اس بات میں کوئی باک نہیں کہ دونوں کے یہاں آزادی وطن کی آرزو ہے دونوں کے یہاں جبر اور ظلم کے خلاف بغاوت کی آگ ہے دونوں کے یہاں انسان دوستی اور فرقہ واریت کا پیغام ہے۔ دونوں مذہب کے نام پہ ہوئے مظالم کی قلعی کھول دیتے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر دونوں کا وطن کشمیر ہے۔

آزادی کے بعد مہجور کا لہجہ کچھ ناقدانہ ہو جاتا ہے۔ وہ ''آزادی'' لالو لالو ہا گل لالہ'' ''پوشہ نولو'' وغیرہ نظموں میں طنز آمیز لہجہ اختیار کرتا ہے اور منٹو پاکستان جا کر آنکھیں ملتے ہوئے رہ جاتا ہے۔ اور ''چچا سام کے نام خطوط'' کی سیریز میں اپنی تمام بصارت کے ساتھ اپنے غم اور ملال کا اظہار کرتا ہے۔ اس کا لہجہ بے حد زہرناک ہو جاتا ہے۔ اور اپنے شعور کی تمام بالیدگیوں کے ساتھ اس نظام پر وار کرتا ہے جو مغربی سامراج کی کٹھ پتلی بن چکا ہے۔

منٹو کے یہاں رومان نہیں ملتا۔ زندگی کے تلخ حقایق ملتے ہیں لیکن مہجور کے کلام میں جو رومانیت اسے نظر آتی تھی اس سے محظوظ ہوا تھا۔ اس لئے کہ مہجور میں اسے وصل کا خط ملا تھا اپنے اسی مضمون میں وہ لکھتا ہے۔

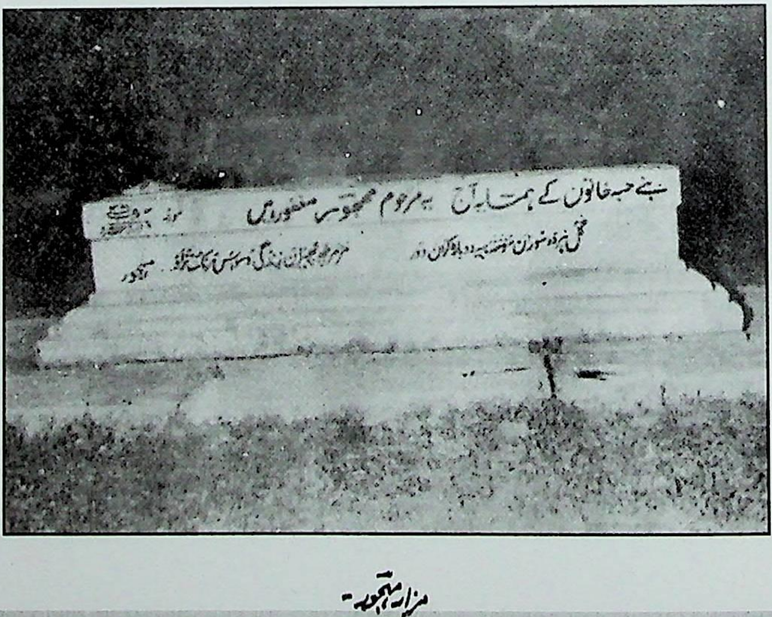
''ہجر ہماری رومانوی شاعری کا ایک اہم جزو ہے معلوم نہیں یہ کیا بلا ہے۔ کیونکہ اس سے مجھے آجتک واسطہ نہیں پڑا۔ لیکن مہجور کے کلام کا ترجمہ پڑھنے کے بعد میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس کا ہجر ہی اس کا وصال تھا............''

منٹو نے مہجور کا مکمل طور سے مطالعہ نہیں کیا تھا۔ اس کا مطالعہ ناقص ترجموں کے توسط سے نامکمل مطالعہ تھا۔ اگر اسے مہجور کی حقیقی (GENUINE) شاعری کا راست یا اچھے ترجموں کے ذریعے مطالعہ ہوتا تو مجھے یقین ہے کہ اختصار پسند سعادت حسن منٹو اپنے مخصوص اور منفرد اسلوب میں اپنے مخصوص استعاروں کی تمام صباحتیں اور تمام دوشیزہ گیاں مہجور پر نچھاور کرتا۔

☆



مہجور کا شہری مکان (ملکی کدل۔ سری نگر)



مزارِ مہجور

مقالہ پرتاپ میگزین برائے [illegible] کاشمیری [illegible] برائے اشاعت [illegible]

ملک الشعراء عالم جناب ٹیگور کو اردو ثابت کرنے والا کشمیری ایڈیٹر۔

از قلم ۔ ابو رشید کاشمیری۔

میرا ایک مضمون بعنوان "پرتاپ میگزین پر ایک سرسری نظر" ۔ ۳۱ جولائی ۱۹۲۷ء کے [illegible]

جس میں میں نے پرتاپ میگزین بابت ماہ دسمبر ۱۹۲۶ء کے کشمیری حصہ پر ریویو لکھتے ہوئے بہت [illegible]

[illegible] کشمیری حصہ کو چند ادبی نقائص سے آگاہ کر کے [illegible] اور [illegible]

آئندہ احتیاط کا دوستانہ مشورہ دیا تھا۔ میگزین کا پرچہ بابت ماہ جون ۱۹۲۷ء کے ملاحظہ سے معلوم ہوا کہ [illegible]

[illegible] میری حق گوئی کی کوئی قدر نہ کی۔ بلکہ پہلے سے زیادہ [illegible] غیر مہذب۔ اور گستاخ

ہو گیا ہے [illegible] اور گندہ اچھالنے پر آمادہ ہو رہے ہیں۔ البتہ ایک جگہ پانچ [illegible] اپنی لطیف

کی ایک ہی غزل درج [illegible] کر دی ہے۔ [illegible] میگزین میں [illegible] اور [illegible]

[illegible] ہے۔ اور [illegible]

[illegible]

[illegible]

جناب [illegible]

[illegible] سرور [illegible]

[illegible]

[illegible]

نوائے تلخ تر می زن ......

محمد یوسف ٹینگ

مہجورؔ کی چند تلمیحات

مہجورؔ کے کلام میں جگہ جگہ تواریخ کشمیر کے کرداروں اور تلمیحات کا استعمال ملتا ہے جو اس کے قومی شعور کے ساتھ ساتھ اس کے وسیع مطالعے کا سراغ بھی دیتے ہیں۔ ''وولو ہا باغوانو............'' نامی نظم میں مہجور نے ایسے ہی محاکات اور کرداروں کے نام لئے ہیں اور حاشیے میں اُن کی طرف اشارے کئے ہیں لیکن اس کے باوجود اس کے کلام میں ایسی محاکات کی کمی نہیں ہے جن کی اس نے کوئی تشریح نہیں کی ہے۔ اور جن سے عام قاری واقف نہیں ہے۔ ذیل میں ایسی ہی کچھ تلمیحات اور کرداروں کے متعلق واقفیت بہم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جن سے مہجور کے اُن اشعار جن میں ان کا استعمال ہوا ہے، کا مفہوم اور تناظر کہیں سے کہیں کا پہونچ جاتا ہے۔

لالہٕ گو پالس کرٕ یاہ زانہہ مال ودولت تولہٕ بار
ژٕ تہِ ستی بھامایہِ ہندی پاٗٹھی لال ترأوِتھ لول تول

(ترجمہ! کیا گل لالہ (کشمیری میں اس کا ایک Shade کرشن کنہیا یعنی گوپال بھی ہے) کو مال ودولت سے تولا جاسکتا ہے تو بھی ستیہ بھاما کی طرح ہیروں کو چھوڑ کر محبت کا پیمانہ استعمال کر)

ستی بھاما۔ کرشن کنہیا کے متعلق ایک اسطور کا رمز:۔

ایک دفعہ سورج کا پجاری ستر جیب کرشن کے پاس ایک لعل آبِ دار پہن کر آیا۔ اس ہیرے کا نام 'سائمنتکا' تھا۔ جب ستر جیت دوارکا میں کرشن کے پاس پہنچا تو یہ ہیرا اتنا دمکنے لگا کہ وہاں بیٹھے ہوئے لوگ یہ سمجھنے لگے کہ خود سورج طلوع ہوا ہے۔ یہ ہیرا بڑا با برکت تھا اور جس کسی کے قبضے میں ہوتا اس کو خود بہ خود ہر دن سونے کے آٹھ تھیلے مل جاتے۔ اس پر کسی علت کا بھی اثر نہ ہوتا۔ نہ اس کا جنگلی درندے کچھ بگاڑ سکتے۔ نہ آگ، رہزن یا قحط۔ لیکن اس کو اپنے پاس رکھنے کے ایک عجیب شرط کا پالن ضروری تھا۔ وہ یہ تھی کہ اگر چہ یہ نیک سیرت انسان کیلئے بے شمار سعادتوں کا گنج تھا۔ لیکن اگر اسے کوئی بدچلن پہن لیتا تو اس کی موت واقع ہو جاتی۔ یہ سوچ کر اگر کرشن اس ہیرے کی خوبی سے واقف ہو تو وہ اُسے حاصل کرنے کیلئے مچل اُٹھے گا۔ ستر جیت نے اس ہیرے کو اپنے بھائی پرسنا کے ہاتھ دے دیا۔ پرسنا ہیرے کو لے کر شکار کھیلنے کیلئے جنگل میں گیا۔ جہاں وہ ایک شیر سے جھڑپ کے دوران مارا گیا۔ ریچھوں کے بادشاہ جمباوت نے جب شیر کے منہ میں ہیرے کو دیکھا تو اس نے شیر کو ہلاک کر کے ہیرا خود رکھ لیا۔ جب پرسنا واپس نہ آیا تو کرشن کے قبائلی ہم رفیقوں۔ یادوؤں نے خیال کیا کہ شاید کرشن نے اس کو ہلاک کر دیا ہے۔ اپنی بے گناہی ثابت کرنے کیلئے کرشن نے اس گھوڑے کو تلاش کیا جس پر سوار ہو کر پرسنا شکار کو گیا تھا۔ اس کے بعد وہ جمباوت کی تلاش میں اس کے غار تک گیا۔ اور وہاں ریچھوں کے شہزادے سورکمار کو ہیرے کے ساتھ کھیلتے دیکھا۔ کرشن غار کے اندر داخل ہو کر جمباوت کے ساتھ اکیس دن تک لڑتا رہا۔ چونکہ اس کی کوئی خبر دواسکا نہ پہونچی۔ اس کے دوست سمجھنے لگے کہ شاید وہ کام

آ گیا ہے۔ انہوں نے اس کے اِنتم سنسکار کیلئے اناج اور پانی کا دان دیا۔ یہ چیزیں کرشن تک پہونچتی رہیں اور اسے قوت دیتی رہیں۔ آخر کار جمباوت نے اپنی بیٹی جمبارتی اس کے بیاہ میں دے دی۔ وہ جمباوتی اور ہیرے کے ساتھ واپس گھر پہونچا۔ اس نے ہیرا ستر جیت کو واپس کر دیا۔ ستر جیت اس ادا سے اتنا خوش ہوا کہ اس نے اپنی پیاری بیٹی ستیہ بھاما اس کے ساتھ بیاہ دی۔ کرشن نے اس ہیرے کو اس لئے رکھنے سے انکار کر دیا کیونکہ اس کے اپنے اعتراف کے مطابق اس کی سولہ ہزار بیویاں تھیں۔ ہیرے کو واپس کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ سیتہ بھاما نہیں چاہتی تھی کہ اُس کا دُلارا کرشن کنہیا یہ ہیرا پہن لے اور اس کے آسیب کا شکار ہو یا اس کے پیار کے کھیل میں اس ہیرے کے رکھنے کی عجیب شرط حائل ہو جائے۔

ستی بھاما، سیتہ بھاما کا کشمیری روپ ہے، سیتہ بھاما کرشن کی آٹھ بیویوں میں شمار کی جاتی ہے جن کے ساتھ اس کی شادی ہوئی۔ ورنہ اس کی پریمیکائیں تو ہزاروں تھیں جن میں سب سے مشہور را جا ہے۔

شاہ بآدی میر کیاۂ زِ اوس ژھاران قندِ ہارِ چ زون

تس کو نہٕ ژتھس اُس پیوان ژندِ ہارِ چ زون

(ترجمہ) میر شاہ آبادی کیوں ماہِ قندہار کو ڈھونڈتا پھرتا تھا۔ اسے ژندہ ہار کے چاند کا کیوں خیال نہ آتا تھا۔)

ماہ قندہار یعنی ماہ نخشب۔

ماہِ نخشب مہجورؔ کے شعری مُرشد رسول میر شاہ آبادیؔ کی مرغوب تلمیح ہے اور اس نے اسے کئی انداز سے باندھا ہے۔ مہجورؔ کے محولہ بالا شعر میں میر شاہ آبادیؔ کے اسی شغف

کی طرف اشارہ ہے۔ اور مہجور حیرانی ظاہر کرتا ہے کہ اسے ژندہار کے چاند کیوں خیال نہ آتا تھا۔ ژندہ ہار حبہ خاتون، کا گاؤں بتلایا جاتا ہے۔ اور ایک روایت کے مطابق حبہ خاتون کا مائیکے کا نام ''زون'' (چاند) ہی تھا۔

نخشب روسی وسط ایشیا میں قندہار سے چند ہی میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس لئے اس سے متعلق چاند کو قندہار کا چاند بھی کہا جاتا ہے۔ نخشب کے نزدیک تیرہویں صدی عیسوی میں کمپک خان نامی ایک شخص نے اپنے لئے محل بنوایا تھا۔ چونکہ مغلوں کی زبان میں محل کو قرشی کہا جاتا تھا۔ اس لئے نخشب شہر کا نام بھی اسی مناسبت سے قرشی پڑ گیا۔ اب نخشب نام سے کوئی شہر نقشہ پر موجود نہیں۔

ایک روایت کے مطابق آٹھویں صدی ہجری میں اس جگہ ابن اطقع یا حکیم ابن عطا نام کا شعبدہ باز نمودار ہوا۔ اسنے اپنی کیمیا گری سے ایک مصنوعی چاند تخلیق کیا جس کی روشنی کئی میل تک پہونچی تھی۔ یہ چاند ہر روز شام ڈھلے نخشب سے چند میل دور کوہ سیام کے ایک کنویں سے برآمد ہوتا اور صبح کو پھر اسی کنویں میں ڈھوب جاتا۔ لیکن تین مہینوں کے بعد اس کے نظام کے بگڑ جانے سے اس کی روشنی جاتی رہی۔ اسی طرح سے شعبدہ تو ختم ہوگیا لیکن یہ تلمیح اُردو فارسی ادب میں در آئی۔ مرزا غالبؔ کا مشہور شعر ہے۔ ع

چھوڑا مہ نخشب کی طرح دست قضا نے
خورشید ہنوز اس کے برابر نہ ہوا تھا

اس سلسلے میں ''لغت نامہ دہ خدہ'' میں یہ بیان قابل ذکر ہے۔

''ماہے کہ حکیم بن عطا بہ سحر و شعبدہ از سیماب و دیگر اشیا و ساختہ بود۔ وآں ماتا

مدت وہ ماہ ہر شب از چاہتی کہ در پائین کوہ سیام بود برمی آمد وتا چہار فرسنگ نورش مے رسید۔ ونخشب شہری است در ملک، ماورالنہر، از نخشب تا سمرقند سہ روز راہ است واز اں چاہ تا نخشب دو فرسنگ"

مےٗ تہِ پاژہ کریاے واریاہ یوسف تہٕ دلارام
کیہنہ اند مزارن رٹہ دی کیہنہ شروٕ پیٚ رازہ بلن منٛز

ترجمہ: میں نے بہت سے یوسف اور دلارام پیدا کئے تھے۔ کچھ دور مزاروں میں گاڑے گئے اور کچھ شمشان گھاٹوں کی خوراک بنے۔

مہجور کے اس شعر کو عام طور پر اس معنی میں لیا گیا ہے کہ میں نے بہت سے یوسف جیسے اور دلارام صفت فرزند پیدا کئے تھے۔ لیکن وہ بھی راہی عدم ہو گئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یوسف اور دلارام دونوں کا عام مفہوم یہی ہے۔ یوسف سے حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال مراد لیا گیا ہے۔ اور دامارام معشوق یا عاشق کی ایک صفت یا خطاب ہے۔

لیکن دراصل یہ کشمیر کی تواریخ کی دو تلمیحات ہیں مہجور کشمیر کی تاریخ کے دانائے راز اور کشمیر کے شیفتہ تھے۔ اس شعر میں بھی یہی کیفیت جھلکتی ہے۔ یوسف سے مراد یوسف شاہ چک اور دلارام سے مراد دلارام تُلی ہے۔

(۱) یوسف شاہ چک: ۱۶۸۰ءھ میں محمد نصیر الدین یوسف شاہ کے نام سے کشمیر کے تخت پر بیٹھا۔ اور کشمیر کا آخری آزاد و خود مختار بادشاہ ثابت ہوا۔ حبہ خاتون کے ساتھ اس کے رومانی تعلق کے تواریخ میں بڑے چرچے ہیں محبّ الحسن کے مطابق اس نے حبہ خاتون کے ساتھ معاشقہ لڑاتے ہوئے سب سے پہلے گلمرگ کی دلفریبیوں کا سراغ

لگایا'' بامزئی کے مطابق اس نے ''غیر مسلموں پر عائد کیئے گیئے ٹیکس معاف کر لئے۔ وہ عہد سلاطین کے مہذب ترین بادشاہوں میں سے تھا'' حضرت مخدوم حمزہؒ کشمیری کے خلیفہ اول حضرت بابا داؤد خاکی (وفات ۱۶۸۷ء) جو یوسف شاہ کا ہم عصر تھا۔ اس کی شان میں ایک قصیدہ غلبہ لکھا۔ جس میں اس کے علم و فضل کے مطاق بتایا گیا ہے۔

برلغت ہاواقفِ است و بر ہنر ہا ذو فنون
جس خطے نیز دار و ایں شہہ فرخندہ فال
علم موسیقی رسانیندہ بہ حسد انتہاء
ہر مقامے نیک داند چوں حسینی و غزال
ہست شاہے نرم خوش شیرین زبان و برد بار
باز درفہم وظاتت بے نظیرو بے مثال

ملک حیدر چاڈورہ جو اس کا ہم عصر تھا، کے مطابق آگرہ میں اکبر بادشاہ کے دربار میں تان سین گا رہا تھا۔ اس کے الاپ میں کوئی لغزش ہوئی۔ یوسف شاہ چک وہاں موجود تھا اس نے یہ غلطی انگشت نما کی اور تان سین نے سرِ تسلیم خم کر لیا۔

۱۶۸۶ء اور اس سے قبل اکبر بادشاہ نے کشمیر پر فوج کشی کی کوششیں کیں۔ جو یوسف شاہ نے ناکام بنا دیں۔ اسی سال اس نے راجہ بھگوان داس کی قیادت میں اکبری فوجوں کو اوڑی کے قریب روک لیا۔ جب اکبری فوج کی کُمک میں رخنہ پڑ گیا۔ تو بھگوان داس نے اس کے ساتھ سمجھوتے کی پیش کش کی۔ یوسف شاہ کو اکبر نے عزت کے ساتھ بات چیت کیلئے اپنے دربار میں طلب کر لیا۔ یوسف شاہ چک کے مشیروں نے اسے وطن نہ چھوڑنے کی تلقین کی لیکن وہ نہ مانا۔ وہ اکبر کے پاس پہنچ گیا

تو اسے کشمیر میں دوبارہ داخل ہونے سے روک دیا گیا۔ کشمیری شاعر نے تاریخ کہی:

''اینوو، گرفتار گو''

راجہ بھگوان داس نے اس پیمان شکنی کو اپنی غیرت کیلئے چلینج سمجھا اور اپنے پیٹ میں خنجر ٹھونک دیا لیکن وہ حسن اتفاق سے بچ گیا۔ بعد میں یوسف شاہ چک کو بسوک بہار کا گاؤں جاگیر میں دے کر پانچ سو گھوڑ سواروں کا سردار مقرر کر دیا گیا۔ اس طرح سے وہ جلاوطن کر دیا گیا اس نے ۲۲ ستمبر ۱۶۹۲ء کو جگن ناتھ پوری (اڑیسہ) میں وفات پائی اور اسی سال ۲۵ ستمبر کو بسوک میں دفن کر دیا گیا۔

۱۹ جنوری ۱۹۷۷ء کو کشمیر کے مرحوم وزیر اعلیٰ شیخ محمد عبداللہ کی قیادت میں کلچرل اکیڈیمی کا وفد بسوک گیا جہاں یوسف شاہ کا مقبرہ تعمیر کیا گیا۔ اور اس پر ایک یادگاری لوح نصب کی گئی۔ ''آکسفورڈ ہسٹری آف دی ورلڈ'' میں اس کے مصنف ونسٹ سمتھ نے اکبر اور یوسف شاہ کے تعلق کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

''اکبر نے یوسف شاہ کے ساتھ جو برتاؤ کیا اسکی وجہ سے اکبر کا دامن بری طرح داغدار ہے۔

تواریخوں میں یوسف شاہ کا یہ فارسی شعر تکرار کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔

لیلیٰ جمازۂ سوئے مجنون بہ خود نہ راند

زورِ کمند جذبہ مجنون نمائے اوست

(کتابیات) تاریخ شایق۔ قصیدہ غلبہ از بابا خاکیؒ۔ تاریخ حسن کشمیر انڈر سلطانز از محبؒ الحسن آکسفورڈ ہسٹری آف دی ورلڈ'' از ونسٹ سمتھ۔ تاریخ کشمیر از پی۔ این کے بامزئی وغیرہ)

(ب) دِلا رام: دلا رام رینہ وادی کے ایک غریب کشمیری پنڈت گھر میں پیدا ہوا۔ وہ بچپن میں ہی باپ کے سایہ سے محروم ہو گیا تھا اس کی ماں مشکل سے دو وقت پیٹ بھرنے کا سامان پیدا کر سکتی تھی۔ ایک دن وہ کہیں سے تقریباً آدھ سیر ٹوٹے چاول حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ اس نے اسکو پیس کر اس آٹے سے تین روٹیاں تیار کرلیں اور تھوڑی سی خشک مچھلی پکائی۔ اس نے ایک روٹی اور کچھ مچھلی دلا رام کے سامنے رکھ دی۔ جسے وہ فوراً چٹ کر گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ تینوں روٹیاں کھا گیا اور ساری مچھلی بھی لیکن اسکے باوجود مزید طلب کرتا رہا۔ اس پر اس کی ماں کو تاؤ آ گیا۔ اس نے غصے میں اُس سے کہا ''تم بھوکے کُتے ہو'' دلا رام کے دل کو یہ بات سخت لگی۔ وہ زیارت میشا صاحبؒ پہونچا جہاں اُسے روایت کے مطابق ایک سادھو جیون شاہ نام کا ملا۔ جیون شاہ نے اس پر نظر ڈالی اور کہا کہ میرے پاؤں دباؤ۔ دلا رام نے اس کے پاؤں دبائے جیون شاہ خوش ہوا۔ اور اس سے پوچھا کہ ''حکیم بنو گے یا حاکم کا سالا''۔ دلا رام سمجھا کہ درویش ٹھٹھول کر رہا ہے۔ جواب دیا ''حاکم کا سالا'' جیون شاہ نے اپنے پاؤں سمیٹے اور اس سے کہا ''جا ٹھیک ہے'' دلا رام اٹھ کر ہری پربت کی طرف چلا۔ وہاں اس وقت افغانی صوبیدار کریم داد خان کا (۸۳-۱۷۷۶ء) دربار لگایا ہوا تھا۔ صوبیدار کا سالا تار قلی خان اس کو ایک منظوم عرضی سنا رہا تھا۔ جو کسی دل جلے ستم رسیدہ نے لکھی تھی۔ اس میں ہر مصرع اس تکرار پر ختم ہوتا تھا ''سگ شوی۔ سگ شوی'' صوبیدار کو تاؤ آیا اور اس سے کہا کہ بند کردو۔ اتنے میں صوبیدار کی نظر پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس ایک پنڈت لڑکے پر پڑی۔ اسنے اس کو اشارے سے بلا کر کہا ''اب عرضی تم پڑھ کر سناؤ'' دلا رام نے عرضی پڑھنا شروع کی۔ مگر مصرع کے

آخر میں ''سگ شوی۔ سگ شوی'' کے بجائے ''سگ شوم۔ سگ شوم'' پڑھا۔ صوبیدار نے کہا عرضی کے دو حصوں میں یہ فرق کیوں ہے؟ دلارام نے جواب دیا ''لکھا تو وہی ہے جو پہلے صاحب نے پڑھا تھا۔ لیکن میں اس کو پڑھتا تو آپ کی شان میں بے ادبی ہوتی۔ کریم داد خان خوش ہوا اور اسے اپنی ملازمت میں لے لیا۔ بعد میں اس سے اس کی لیاقت دیکھ کر اپنا پیش کار (مشیر مال) بنا دیا اور اُس سے اس کے پیشرو کا لقب ''قلی خان'' بخشا۔ اس طرح سے ماں کا کہنا ''کتے بن جاؤ'' اور جیون شاہ کی دعا ''حاکم کا سالار'' بن جاؤ۔ دونوں قبول ہو گئے۔ جب کریم داد خان مر گیا تو اس کے بیٹے آزاد خان (۸۶۔۱۷۸۳ء) نے اُسے اپنا مدارالمہام مقرر کر لیا۔ میر دادا خان (۸۸۔۱۷۸۶ء) نے دلارام کو اپنا دیوان بنایا۔ بہر کیف میر ہزار خان (۹۴۔۱۷۹۳ء) صوبیدار بنا تو اس نے دلارام کو خانیار کی سڑک پر قتل کروادیا۔ جارج فورسٹر (۱۷۸۳ء) کے مطابق اس کا قتل آزاد خان کے ہی زمانے میں ہوا۔

دلارام قلی سے جارج فورسٹر نے اپنے دورہ کشمیر میں ملاقات کی۔ وہ اس کی شاندار شخصیت کا ذکر کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ وہ سرخ رنگ کا پُرکشش انسان تھا۔ دلارام کے متعلق فوسٹر رقمطراز ہے۔

''وہ ایک ایسا آزاد مزاج انسان تھا جس کی نظر ہندوستان میں عام طور پر نظر نہیں آتی۔ وہ ہر طبقے کے لوگوں سے یکساں طور دریا دلی اور فیاضی کا سلوک کرتا۔ اپنے ساتھیوں میں وہ بہت شگفتہ اور خلیق نظر آتا اور اپنے گھر میں بہت ہی ہمدرد اور انسان نواز۔ وہ ایک معقولیت پسند طریقے سے اپنے فرائض منصبی ادا کرتا تھا''

جارج فورسٹر ''سفرنامہ''......۱۷۸۳ء

جارج فوسٹر کیلئے دلارام نے رہائش کا انتظام کیا تھا۔

(کتابیات) ''دی کشمیر پنڈتس'' آنند کول بامزئی ''اے ہسٹری آف کشمیری پنڈتس'' جیالال کلم، ''اے ہسٹری آف کشمیر'' پی این کے بامزئی'' تاریخ حسن ''کشمیر'' ازمحی الدین صوفی۔ سفرنامہ از جارج فوسٹر)

مہجور کے اس شعر میں یوسف شاہ کیلئے 'اند مزار' (دور کا مزار) اور دلارام کیلئے رازہ بل (شمشان گھاٹ) کی ترکیبیں استعمال کی گئی ہیں۔ جو ان کے مذہب کے ساتھ ساتھ اُن کے آخری انجام کا صحیح سراغ دیتی ہیں۔

ویشوٗژھ آب کوثر ہتھ — پکان اُس لولہٕ کُے مسِ چیتھ
دوان ژٔے کُن گرِژھ مدہوش — بہ لاگے پوش داما نس

(ترجمہ: ویشو آب کوثر لے کے اُتری۔ جیسے شراب عشق نوش کر کے محوِ خرام ہو۔ تمہاری طرف مدہوشی کے عالم میں دوڑ رہی ہے)

یہ مہجور کی ناتمام نظم ''ویتھ'' وتستا کا بند ہے وتستا کی ایک معاون مذہبی ویشو کونسر ناگ سے نکلتی ہے لیکن مہجور نے تجنیس نفلی کے تحت سے ''آب کوثر'' قرار دیا ہے۔ دونوں اصطلاحوں کے مفہوم درج ذیل ہیں۔

کوثر: یہ ایک قرآنی تلمیح ہے۔ یہ تلمیح قرآن کے سورہ ''الکوثر'' میں استعمال ہوئی ہے۔ مفسرین میں اس کی تشریح کے متعلق اختلاف ہے۔ البیضوی کا خیال ہے۔ کہ ''کوثر'' کا لفظ سورۃ میں ''کثرت'' اور فراوانی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ جبکہ بہت سے دوسرے مفسرین کا خیال ہے کہ اس سے جنت کے ''حوض کوثر'' کی طرف اشارہ

مقصود ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ کا قول ہے کہ حضرت سرور کونینؐ فرمایا کرتے تھے کہ ''جب میں معراج کی شب کو آسمانوں کی زیارت کیلئے گیا تو میں نے کوثر کو دیکھا ''الکوثر'' پانی کا ایک ایسا دریا ہے جس کے دونوں ساحلوں پر دو کھو کھلے موتیوں کے گنبد ہیں''

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ ''الکوثر'' اتنا لمبا ہے کہ اس کے طے کرنے کیلئے ایک ماہ کی مسافت درکار ہے۔ یہ مربع شکل کا ہے اس کا پانی دودھ سے زیادہ چٹا اور شفاف ہے۔ اس کی مہک مشک نافہ سے زیادہ جانفزاء ہے اور جن پیالوں میں یہ پانی بھر دیا جاتا ہے وہ آسمانی ستاروں کی طرح چمکتے ہیں۔ جو شخص اس پانی کو نوش کرے اس کو پھر کبھی تشنگی محسوس نہ ہوگی''

(مشکوٰۃ کتاب ۲۳ باب ۴)

کونسر ناگ: شوپیاں سے اوپر پیر پنچال کے سلسلہ کوہ میں شمالی مغربی سرے پر واقع ٹھنڈے پانی کی مشہور جھیل، اس کی لمبائی دو میل ہے اور چوڑے سے چوڑے پاٹ پر ڈیڑھ میل چوڑائی۔ اس کا پانی شفاف نیلے رنگ کا ہے۔ اور جس پہاڑ پر یہ واقع ہے اس کے دامن سے ایک گونجتی گرجتی ندی ویشو نکلتی ہے جو آگے چل کر آبشار اہرہ بل کا روپ بھی اختیار کرتی ہے۔ اور پھر سنگم (بیجبہاڑہ) کے نزدیک وتستا کے ساتھ مل جاتی ہے۔ چونکہ اس جھیل کی شکل ایک پاؤں کے نشان کی سی ہے اس لئے ہندو واسے ''ویشنو پد'' بھی کہتے ہیں۔ ان کی دیومالا کے مطابق یہ جھیل بھگوان ویشنو کے پاؤں رکھنے سے اُبھری تھی۔

پنڈت جواہر لال نہرو اور شیخ محمد عبداللہ ۱۹۴۵ء میں اس جھیل کو دیکھنے کے لئے گئے تھے لل دید نے بھی اپنے ایک واکھ میں اس جھیل کا ذکر کیا ہے۔ اور اس کے مرتب جیالال کول نے متن میں "کونسر ناگ کی جگہ" کوثر' ہی لکھا ہے۔

ترِٛیہ نینگہِ سراہ بھری سرس
اکہِ نینگہ سرسس عرشس جائے
ہرموکھ کوثر اکھ سُم سرس
ستہِ نِشنگہٕ شنیا کار

(میں نے دیکھی جھیل اک سیلاب سے پُر تین بار۔ اک دفعہ دیکھا فقط تھی عرش پر جائے قیام۔ اک دفعہ ہرمکھ سے کوثر تک بھی دیکھا ایک پل۔ جھیل یہ نابود ہوتے دیکھ لی پھر سات بار)

اس میں کشمیر کے "ستی سر" جھیل ہونے کی طرف بھی اشارہ موجود ہے، جب کونسر ناگ سے ہرموکھ پہاڑ تک ساری وادی ایک بھاری جھیل تھی۔

راوُن چھُ لبُن پام زونم رام سپدُم دِل
ادہ نار گوٚنڈنم خوفہٕ چے لنکایہِ ونے کیاہ

راوُن۔رام۔لنکا۔رعایت لفظی کا ایک نمونہ ہے

راوُن لفظ کے معنی کشمیری میں کھو جانیکے ہیں لیکن مہجور نے اسے کھو جانے اور راون (لنکا کا راجہ) کے دونوں معنوں میں استعمال کیا ہے اسی طرح "رام سپدُن" کشمیری میں بھگوان رام کے علاوہ رام ہونے کے اسی معنی میں آتا ہے جس میں اسے میر تقی میر

نے اس مصرعے میں استعمال کیا ہے ع

سحر کیا، اعجاز کیا، جن لوگوں نے تُم کو رام کیا

مہجور نے یہ محاورہ بھی دو معنی طور استعمال کیا ہے۔ اُردو میں شعر کے مفہوم اس طرح ہو جاتے ہیں۔

(ترجمہ: کھونا (راوُن) ہی دراصل پالینا ہے جب میں نے یہ سچائی قبول کی تو میرا دل رام ہو گیا اور میرے خوف کی لنکا میں آگ لگ گئی)

ساتھاہ ژٕ روزتو وِلہٕ زار بوزتو

شِلہٕ پدمانے دلبر میانے

(ترجمہ: ذرا گھڑی بھر کے لئے ٹھہر۔ میری آہ و زاری سُن او ''شالہ پدمان'' میرے محبوب)

شِلہ پدمان:- پاک سیرت، پاکباز

مہجور نے ''پدمانے'' کی جو اصطلاح برتی ہے اگرچہ اس کے لفظی معنی کنول کے ہیں لیکن دراصل یہ عورتوں کی اس سب سے شاندار ذات کی تلمیح ہے جسے کام شاستر کے مصنف واتستائن نے ''پدمنی'' کہہ کر پکارا ہے۔س کا چہرہ ''چودھویں کے چاند جیسا اور بدن کنول جیسا ہوتا ہے۔ اس کا جسم گداز ہوتا ہے اور اس کی ساغر جیسی آنکھوں میں لال ڈورے ہوتے ہیں۔ وہ ہنسنی کی طرح خرام کرتی ہے۔ اور اس کی چھاتیاں بھری بھری۔ اُبھری اُبھری اور سخت ہوتی ہیں۔ اسے اچھی پوشاک اور زیور پہننے کا شوق ہوتا ہے'' لیکن اس کے باوجود پاک سیرت اور صاف من کی سرشت رکھتی ہے۔

جہاں رسول میر نے اس تلمیح کو اس کے کلاسیکی معنوں میں استعمال کیا ہے۔ مہجور

نے اصل مفہوم سے انحراف کیاہ۔ ''یہ وژن'' عورت کی زبان سے ادا ہوا ہے جیسا اس کی مقطع سے ظاہر ہے۔

مےٗ تہِ کوٚر وعدٕ پور ستی ہتھ مہجوٗر

میٲنے دلبرٕ بو کرانے درایس

(ترجمہ: مہجوٗر کے ساتھ میں نے اپنا وعدہ نبھایا اور اس میں اپنے خانوادے کو چھوڑ بیٹھی)۔

''پدمنی'' مرد کی طرف سے ''عورت'' کیلئے بولا جاتا ہے لیکن مہجوٗر نے اسے عورت کی طرف سے ''مرد'' کیلئے استعمال کیاہ اور اس سے اس انحراف کو کلاسیکی مفہوم کی روشنی میں چوک ہی قرار دیا جاسکتا ہے۔ لیکن کشمیری ''وژن'' صنف میں ایک ہی گیت اگرچہ غالب لہجہ زنانہ ہی ہوتا ہے۔ لیکن ایسی صورتیں بھی نظر آتی ہیں۔ جب ایک ہی وژن میں ایک بند زنانہ لہجے میں ہے اور اس کے بعد دوسرا مردانہ لہجے میں ایسا لگتا ہے کہ کشمیری شاعروں نے ''اودھناریشور'' کے اس تصور کو اپنی سائیکی میں جاگزیں کیا ہے جس کے مطابق شیو اور پاروتی ایک ہی جسم میں اکٹھے ہوسکتے ہیں۔ اس جسم کا آدھا حصہ نر کا ہوتا ہے اور آدھا ناری کا۔ اور ایسے سینکڑوں سال پرانے دلچسپ سنگی مجسمے سری پرتاپ میوزیم سرینگر میں نمائش پر ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ ان ''وژنوں'' میں ایک ہی گیت میں نر اور ناری اسی طرح جگہ بدلتے رہتے ہیں۔ مہجوٗر کا یہ بند بھی اسی عجیب ادبی روایت کا شگوفہ معلوم ہوتا ہے۔

☆

مرغوب بانہالی

کشمیریت کی ترجمانی اور مہجورؔ

مہجورؔ کشمیری زبان کے اُن چند خوش نصیب اور نامور شاعروں میں بڑے امتیاز کے مالک ہیں جن کے کلام نے کشمیریوں کے ذوقِ جمال کی تسکین و تربیت کا سامان بھی بہم پہنچایا ہے۔ اور ان میں کردار سازی کے احساس اور شعور کو بھی بیدار کیا ہے۔ مہجور کی کشمیریت سرائی کے پس منظر پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے کیلئے دو باتوں کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے ایک یہ کہ عرفان پرور کشمیر کی گود میں احساسِ جمال کی آبیاری اور انسان دوستی کی ترجمانی کا کام مہجور کو جن عظیم المرتبت کشمیری شاعروں سے ورثے میں ملا تھا ان میں للہ عارف اور نند ریشی المعروف شیخ العالمؒ شیخ نورالدین کشمیری کے نام سے سرفہرست ہیں۔ خاص طور پر حضرت نند ریشی نے اپنی قوم کے احساسات و جذبات اور کشمیری سماج کے عقائد وخرافات میں غوطہ زن ہو کر کشمیریت کو موتیوں سے دامن بھرنے کے جو آداب سکھاتے ہیں وہ ہر عہد کے خلاق ذہن کی خاطر اُس راہ کا تعین کرتے ہیں جس پر چل کر ایک شاعرِ رنگین نوا دیدہ بینائے قوم بن جاتا ہے اور قوم کے کسی بھی طبقے کو مبتلائے درد دیکھ کر ایک چشم بینا کی مانند ہی رو پڑتا ہے بمصداق ؎

مبتلائے درد ہو کوئی عضو روتی ہے آنکھ
کس قدر ہمدرد سارے جسم سے ہوتی ہے آنکھ

دوسری بات جو ذہن میں رکھنی ضروری ہے یہ ہے کہ حضرت نندہ ریشی اور مہجور کے درمیان صدیوں میں تاریخی شعور کے ساتھ کشمیر کے ثقافتی امور پر گہری نظر رکھنے والے کسی قابل توجہ شاعر کا کشمیری زبان میں وجود ہی نہیں ملتا۔ یہاں تک کہ نندوریشی کے والہانہ اور ناقدانہ اظہار کی صدائے بازگشت بھی دور دور تک سنائی نہیں پڑتی۔ لے دے کے کشمیریت کا ایک دھُندلا سا عکس مغل دور کی مصیبت زدہ شاعرہ حبہ خاتون کے اشعار میں ملتا ہے۔، وہ بھی مغلوں کے دور میں کشمیریوں پر شروع کئے گئے مظالم کے خلاف انفرادی ردِعمل کی حد تک ایسی نسوانی آہنگ کی شکل ہیں۔ لیکن ایک پس منظر کے طور پر بھی کیا کم تھا کہ اپنے سماج کے استحصالی عناصر کو بے نقاب کرنے میں نندوریشی نے طنز کے تیر پورے مردانہ جلال سے چلائے ہیں اور اپنے پر آشوب عہد کا پورا اور حبہ خاتون نے ایک ملائم نسوانی لہجے میں سمیٹ رکھا ہے۔ مہجور نے ایک حساس اور بالغ نظر کشمیری کی حیثیت سے ان راکھ کے ڈھیروں میں چھپی چنگاریوں کو اپنے نہاں خانہ دل میں جگہ دیدی اور بمصداق ؎

شبنمستاناڈ وِتھ افتاب سومبران چھ صفن

چنانچہ کشمیر کے صوفی شاعروں کی زبان سازی کے عمل سے محرم اور فیضیاب ہو جانے کے بعد مہجور نے زبردست فنکارانہ صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک غیر محسوس باز آفرینی کے عمل کو بروئے کار لایا جس کی بدولت وہ نند ریشی کی طنزیہ شاعری کے مردانہ جلال اور حبہ خاتون کی درد بھری لے کے نسوانی آہنگ میں حسین

امتزاج پیدا کر کے کشمیریت کی ایسی ممتاز ترجمانی انجام دے سکے جس کی کشمیری زبان میں کوئی اور مثال پیش نہیں کی جاسکتی، یہاں تک کہ ان کے نقش قدم پر چل کر بڑی جولانی طبع دکھانے والے عبدالاحد آزاد زبردست فنی چابکدستی کے باوجود کشمیریت سرائی کا وہ معیار قائم نہ رکھ سکے جس میں مردانہ جلال کا شعلہ بھی اپنا کمال دکھاتا ہو اور نسوانی ملائمت کی شبنم بھی لوچ اور موسیقیت میں ڈوبی معلوم ہوتی ہو۔ مہجور کے بعد کی ترقی پسند شاعری میں حب الوطنی اور کسان مزدور دوستی کے بلند بانگ مظاہروں میں جمال وجلال کے ان پہلوؤں کو تلاش کرنے کی بات ہی نہیں کیونکہ ان اظہارات کا بیشتر حصہ فنی تقاضوں سے دور ہو کر نعرہ بازی کی نذر ہو گیا ہے۔

کشمیری زبان کے مختلف کشمیریت نواز ماخذوں کا محرم ہونے کے علاوہ ایک ذہین وفہیم پیرنادہ اور تاریخ کشمیر کے دلدادہ کی حیثیت سے کئی اور ماخذوں سے بھی کشمیریت سرائی کے معاملے میں اکتساب فیض کیا ہے۔ جن میں کلہن پنڈت کی راج ترنگنی، غنی کشمیری کے دیوان اور اقبال کے ارمغان حجاز کو خاص اہمیت حاصل ہے، عربی ، فارسی اور اردو پر استادانہ دسترس کی بدولت مہجور نے اپنے بلند قامت کشمیریت نواز شاعروں سے نہ صرف واقف تھے۔ بلکہ بڑی حد تک متاثر بھی۔ کلہن اپنے ماضی قریب کی دو صدیوں کے دوران کشمیر پر طاری ہو گئے ہوئے ذہنی جمود اور اخلاقی تنزل کا نوحہ گر تھا۔ غنی کو ہوائے ہند سے دلگیر ہو کر روح کشمیریت سے صرف طباشیر لینے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوتی تھی بلکہ اسے مغلیہ دربار کے کسی فرشتہ صفت حاکم کے پاس بھی جانا گوارا نہ تھا کیونکہ وہ ان کی شفقتوں اور کشمیر آرائیوں کے کشمیریت پر پڑنے والے دوٗ ررس اثرات سے چونک اٹھتا تھا یہاں تک کہ اسے دل کی آگ میں بھسم

ہو جانے کی نوبت آنے لگتی تھی ؎

جمع کر دم مشتِ خاشاکی کہ سوزم خویش را
گل گمان دارد کہ بندم آشیان در گلستان
روزی ما میشود آخر نصیب دیگران !!
طالع بر گشتہ ہمچو آسیا داریم ما !!

مہجؔور کے ماضی قریب کا محرم راز اقبال بھی غنی کی طرح اُن ہتھکنڈوں سے نالاں تھا جو کشمیریوں میں روحِ آزادی کو کچلنے کے لئے صدیوں سے غلامی در غلامی کے دور میں یہاں آزمائے جاتے رہے تھے اور جن کو یاد کر کے اقبال کا دل پکار اُٹھتا تھا ؎

توڑ اس دستِ جفا کش کو یارب جس نے
روحِ آزادی کشمیر کو پامال کیا!

اس آتشیں پس منظر کے ساتھ کشمیریت کی ترجمانی اپنی مادری زبان میں شروع کرنے والے مہجؔور کی بڑی خوش نصیبی یہ تھی کہ اس کا دورِ پر آشوب پورے برصغیر کیلئے بڑی آزمائشوں کا دور ہونے کے باوجود کشمیریوں کیلئے اپنے تشخص کو بحال رکھنے کا ایک ولولہ انگیز دور بھی تھا۔ جو برصغیر کے کسی دوسرے حصے والے لوگوں سے بہت مختلف تھا کیونکہ دل اور دماغ کے دوراہے پر کھڑے ہو کر کشمیریوں نے قومی بیداری کا مظاہرہ جس ڈھنگ سے کیا اسکی مثال ملنا دشوار ہے۔ چنانچہ کشمیریوں کی لیڈر شپ سے ایک طرف مسلم اکثریت والے پاکستان کے لیڈر مایوس ہو کر ہو گئے تو دوسری طرف ہندوستان کے عظیم لیڈر گاندھی جی کو کشمیریوں کے سچے نعرے "ہندو مسلم سکھ اتحاد" میں انسان دوستی کی بے مثال روشنی نظر آنے لگی۔ نظریات کے اس ٹکراؤ میں

دونوں طرف کے لیڈروں کو قوم اور وطن کی مخصوص توجیہہ اور ترجمانی کرانے والے شاعروں، مقرروں اور مبلغوں کی اشد ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ کشمیر کے اس حصے میں قومی جذبات اور وطن پرستانہ خیالات کو مذہب سے الگ رکھ کر کام کرنے کا جو تقاضا یہاں کی لیڈرشپ کو سب سے زیادہ پریشان کئے ہوئے تھا وہ بڑی حد تک مہجور نے پورا کر دیا بلکہ مسلم کانفرنس کے شیخ محمد عبداللہ کو شیر کشمیر بنا کر پیش کرنے اور کشمیریوں میں ہیروشپ کے نئے رجحان کو پیدا کرنے میں بھی مہجور کا رول سب سے زیادہ موثر ثابت ہو گیا۔ اس خدمت نے ایسی مہجور کو صرف شاعرِ کشمیر ہی تسلیم نہ کروایا بلکہ کشمیریوں کے احساس جمال کے اپنے فکروفن سے بیدار کر دینے والا ایک دیدہ بینا بھی کیونکہ اس کے پیشرو کشمیری شاعری چند بزرگ صوفی شاعروں کی تقلید میں اب ایک موہوم تصوف کے روایتی موضوعات کو اپنا اوڑھنا بچھونا بناتے ہوئے مست خواب تھے۔ اور انہیں آس پاس کے حالات و واقعات سے عدم توجہی کی حد تک کوئی سروکار نہ تھا۔ دوسرے ہمعصر شاعروں کے مقابلے میں مہجور زیادہ حقیقت پسند اور معاملہ شناس تھے۔ ورنہ کشمیریوں کے دل و دماغ پر سے صدیوں کی چھائی ہوئی غنودگی اور افیونی کیفیت کو توڑ کر انہیں نئے دور کے تقاضوں سے آشنا کرانے کا بیڑا اٹھانا کوئی آسان کام نہ تھا۔ لیکن مہجور کی شفیق شخصیت نے ادب کی سرحد پر اس سمت میں وہی ذمہ داری سنبھال لی جو سیاسی سرحد پر بیباک رہنما شیر کشمیر کی مخلصانہ شخصیت انجام دے رہی تھی۔ حالانکہ اس عمل میں مہجور بہت سے مقامات پر بری طرح موردِ الزام ہوتے رہے لیکن وہ اپنے کم شاعرانہ اور خطیبانہ اظہار کو بھی اتنا ہی سچا سمجھتے تھے جتنا وہ کشمیر کے روح افزا مقامات اور کشمیر کی تاریخ کے فراموش کر کے تمدن ساز کرداروں کو متعارف

کرانے میں سچے تھے۔ مہجورؔ نے حقائق سے آنکھیں ملانے کا بڑا حوصلہ پایا تھا۔ انہوں نے قومی تحریک کے ہر موڑ پر اپنے ردِ عمل کا اظہار کیا۔ بڑا سچا اور بے رنگ اظہار۔ مثال کے طور پر پاکستان کے قبایلیوں نے حملہ کر کے کشمیریوں کو للکارا تو مہجور بمصداق ''مار گزیداز ریسمان می ترسد'' اس طرح کشمیریوں کو اپنے قبضے میں کرنے والوں کو ان مغلوں اور پٹھانوں سے مختلف سمجھنے پر آمادہ نہ ہو سکے۔ جنہوں نے مسلمان ہونے کے باوجود کشمیری مسلمانوں کو سیاسی اور اقتصادی طور پر کچل کے رکھدیا تھا۔ اور جن کا جبر و استبداد کشمیر پر مسلط رہیے ہوئے سکھ اور ڈوگرہ حکمرانوں سے زیادہ مختلف نہ تھا۔ یہ صحیح ہے کہ بھولے بھالے جذبات والے کشمیری بھائیوں کو یہ سب کچھ منوانا کوئی آسان کام نہ تھا۔ اس کے لئے شیر کی گرج اور عندلیب کی لغا؟ کو ہم آہنگ کرنے کا عجوبہ درکار تھا۔ یہ عجوبہ شیخ محمد عبداللہ کی تقریروں اور مہجورؔ کے نغموں نے ہم آہنگ ہو کر دکھا دیا۔ البتہ صدیوں تک غفلت اور جہالت میں رکھے گئے کشمیریوں کو اب خود شناسی اور خود اعتمادی کے آداب سکھانے مطلوب تھے تو مہجورؔ نے کشمیر کے بے مثال مناظر قدرت کی طرف متوجہ ہونے کی مخصوص دعوت رومان پرور گیتوں کی شکل میں دینا شروع کردی چنانچہ ''پوشے متہِ جانانو'' شیرین کلام ییہ کر'' مدنوارہ اتی روز'' اور ''باغ نشاط کے گلو'' جیسے نغمے دو باتوں کی طرف خاص توجہ دلاتے ہیں۔ ایک یہ کہ مہجورؔ نے فنی طور پر مقامی برگزیدہ صوفی شاعروں سے زبان سازی کے معاملے میں اکتساب فیض کر کے کشمیری شاعری کو زبان کے نئے تخلیقی تجربوں کی بوقلمونی سے روشناس کرایا اور یہ کہ انہوں نے اظہار کی بے ساختگی اور جذبات کے والہانہ پن کو اپنانے کے عمل میں لوک گیتوں کی رس بھری موسیقیت اور سہل ممتنع کو رگِ جان کا درجہ بخشا۔ یہ دونوں

باتیں مہجورؔ کے فکر وفن کو محمود شہری جیسے آتش نواؤں کی آوازیں میسر ہو جانے پر دیکھتے ہی دیکھتے قبول عام کے اونچے چبوتروں پر پہنچا دیتی ہیں اب مہجورؔ خارج پرستی اور مناظر کشمیر کے علاوہ حسینان کشمیر کے موضوعِ شعر بنانے لگتے ہیں۔ گویا اب وہ اپنے محبوب کو گلشن کشمیر کے پھولوں کا پرستار دکھا کر اپنے نرگسی مقصد کی تلاش میں بھنورے کی طرح اس وادی کے گوشے گوشے میں نئی زندگی کو بیدار دیکھنے کے ممتنی ہو جاتے ہیں اور خود شناسی کے اس مرحلے پر وہ برف پوش پہاڑوں میں گھرے ہوئے وطن کے دُر بے بہا کو نئے زاویوں سے دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

أندیٖ أندیٖ سفید سنگر　　دیوارِ سنگ مرمر
منز باگ سبز گوہر　　گلشن وطن چھُ سونُے

اب مہجورؔ امراء کی وضعداری پر خندہ زن ہو کر دیہاتیوں کی محنت پسندی کو حقیقی غیرت اور شرم وحیا کا آئینہ دار قرار دیتے ہیں۔ مثلاً ایک دیہاتی دوشیزہ سے مخاطب ہو کر ان کا یہ بے لوث اظہار۔

چیہِ ہکہِ آبہ پچھےٚ چشمہِ بڑٕی بڑٕی یے　　غیرتھ چھےٚ دلاوٕریئے
شرمہِ چانہِ حورو تعریف کٕریے　　گریسی کوٗری نازنین سوندریئے
ژٔے تہٕ خوجہِ باین چھا برابر یے　　ژٔے گلُن ہتیٚ دلبریئے
خوجہِ بایہِ ترٛ وپرتھ دارِ تے بٕریے　　گریسی کوٗری نازنین سوندریئے

دنیادارانہ سوچ اور امیرانہ وضعداری پر چوٹ کر کے مہجورؔ کشمیر کے مرد وزن کو سرگرم عمل ہو جانے کی تحریک دینا شروع کر دیتے ہیں۔

یاہو پران نیری کو ژری یے | باغن پھیری رنگہٕ ژریئے
ناگہٕ سبزارٕچ باغہٕ بریے | گریسی کوٗری نازنین سوندریئے

یہ اسلئے ہے کہ مہجورؔ اپنے خوابوں کے نئے کشمیر کو اقتصادی طور پر خود کفیل دیکھنے کے متمنی تھے۔ یہ خوش فکر شاعر اس میں بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ بڑی امیدیں وابستہ کرتا نظر آتا ہے۔ چنانچہ ساز گار تبدیلی حالات کا والہانہ اظہار ''سنگر مالن پیو پراگاش'' کرنے سے پہلے وہ نئی ذمہ داریاں سنبھالنے کے قابل بننے کی ترغیب دیتے ہیں۔

وونٕ ژلہِ شین گلہِ بیٚہٕ یِی بہار | مہجورؔ لولک ساز تھو تیار
گل پھولن پانے ژٕ ذرا بہانہٕ بن | جان بن..................''

رجائیت میں ڈوب کر وہ نیا کشمیر کو باضابطہ ایک عنوان ''نو کشمیر'' بنا لیتے ہیں اور یہاں کی تباہ کی گئی اقتصادیات کیلئے ٹھوس اقدامات کی توقع یوں ظاہر کرتے ہیں۔

تار سرمار سر بنہٕ امرت سر | توسہٕ مأدان بنہٕ سورت بندر
کونگہٕ وٹن لگہِ کار خانا | گلشن بنہٕ وأرانا

یہاں ایک بات بڑی غور طلب ہے، وہ یہ کہ صرف چند برس پہلے مسلم کانفرنس کا ترجمان بن کر مہجورؔ بڑے جذباتی انداز میں ''خطاب بہ مسلم کشمیر'' عنوان کے تحت عبرت کے تازیانے لگانے کا روادار نظر آ رہا تھا۔

بتا اے مسلم کشمیر کبھی سوچا بھی ہے تو نے | کہ ہے کس باغِ رنگین کا تو برگ شاخِ عریانی
ترے اسلاف وہ تھے جنکے علم و فضل کے آگے | ادب سے جھکے تھے دانشورانِ ہندو ایرانی

شہنشاہ معظم شاہ زین العابدین بڈشاہ
کیا اکبر نے جس سے کسب آئین جہانبانی!!
نظیر اسکی دکھا سکتا نہیں یہ چرخِ دولابی
اگر لاکھوں برس کرتا ہے گا چرخِ گردانی
بخوبی یاد ہے اب تک سخن سنجانِ عالم کو
غنیؔ کی خوش بیانی اور صرفیؔ کی سخندانی
وہ شہنشاہ باتقویٰ وہ فخرِ تاج جغتائی
وہ جسکی زندگی کا شغل تھا دین کی نگہبانی
ترے پیارے وطن کو قبۂ اسلامؔ کہتا تھا
گواہی کیلئے موجود ہیں احکام سلطانی!
شکستہ حالئ بغداد پر تھا نوحہ خوان سعدی
پے اسپین ہے اقبال محو مرثیہ خوانی
مگر صد حیف اجڑا گلشنِ اسلام کشمیر میں
کوئی کرتا نہیں جز آب شبنم اشک افشانی
مٹایا ملت بیضا نے جس باطل پرستی کو
تعجب ''قبۂ اسلام'' میں اسکی فراوانی

گویا مہجورؔ کو قبۂ اسلامؔ میں باطل پرستی عام ہو جانے پر تعجب ہو رہا تھا اور لوگوں کو چند ہی برس بعد مہجورؔ کے نئے خیالات پر تعجب ہو رہا تھا کہ اب اقتصادی خوشحالی کے خوابوں میں ہمارا خوش فکر شاعر کن فضاؤں میں محور پرواز ہو رہا ہے انہیں اکثر وہ ارشاد باری یاد آتا تھا جس میں واضح طور کہا گیا ہے کہ شاعر لوگ کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں۔لیکن کشمیریت کے پرستار جلد ہی کئی تادیلوں سے کام کے سمجھوتے کی راہ تلاش کر لیتے ہیں یہ جانتے ہوئے کہ وقت کا بڑا لیڈر قوم کا نباض ہوتا ہے اور وقت کا بڑا شاعر قومی لیڈر کا بیاض۔اسی لئے قبہ اسلام کا مرثیہ لکھتے وقت مہجورؔ ''بڈشاہ'' جیسے کسی قومی ہیرو کو یاد دلانے کا پابند نظر آتے ہیں۔کشمیریوں کے ذہن سے جو علیحدہ گی پسندی کا رجحان منسوب کیا جاتا ہے وہ دراصل کشمیر کے صدیوں تک ایک الگ اور آزاد ملک رہنے کا قدرتی اثر ہے۔اور اب یہی المیہ کشمیریوں کے تحت الشعور کا ایک حصہ بن گیا

ہے۔ مہجورؔ بھی اس رجحان سے مجبور تھے مثلاً وہ آزادی کے نغمے گاتے ہوئے تمام دکھوں کا مداوا شیر کشمیر کی لیڈر شپ میں ملی ہوئی آزادی کو سمجھتے ہیں کہتے ہیں ؎

بایہ میانہِ غم تراوتہٕ مناو شادی   اسہِ وُچھ یژ کاٹُھ آزادی

یا یہ امید رکھنا کہ:

ووٕنی یہ کمناووتی روزِ پانس   نوقصان واتہِ نہٕ أکس دانس
شیر کشمیر بنیوو سون ہادی   اسہِ وُچھ یژ کاٹُھ آزادی

بلکہ مہجورؔ شخصی راج میں ڈھائے گئے مظالم کی تلافی اب نئے عوامی راج میں ہو جانے کے خواب کتنی معصومیت سے دیکھنے لگتے ہیں۔ اس کا اندازہ ۱۹۴۹ء میں شیر کشمیر اور ان کی سیاسی تنظیم سے وابستہ اراکین کے پھاٹے پڑ گئے مہجورؔ کے سپاسنامے کی ان سطروں سے لگایا جا سکتا ہے۔

نیشنل کانفرنس کے گوہران آبدار علاقہ ہٰذا کے رہنے والے نجات دہندہ ملک، فخر روزگار قاید اعظم جناب شیر کشمیر اور ان کے پر خلوص و بہادر مشیران کار کے زیادہ ممنون اور سپاس گذار ہیں کہ انہوں نے اس بہشت ارضی سرزمین کو حملہ آوروں کی خوفناک جھڑپ سے بچایا اور نازک وقت پر اس ملک کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی ہمیں۔ ۱۵۸۶ء کا ماہِ اکتوبر یاد ہے جبکہ ہندوستان کے حریص اور لالچی مغل شہنشاہ اکبر نے قوتِ بازو سے نہیں بلکہ کشمیریوں کے مذہبی جنون سے ناجائز فایدہ اٹھا کر ہمارے ملک پر قبضہ کیا اور جبر و تشدد سے ہمارے ہاتھ سے تلوار چھین کر ہمیں نہتا کر دیا۔ اور یوں ہماری صدیوں کی قومی حکومت کا خاتمہ کر کے ہمیں نامعلوم عرصے کیلئے غلام بنا کر چھوڑا۔

۳۶۱ سال کی پشت با پشت کی کامل غلامی کے بعد ۱۹۴۷ء کے ماہ اکتوبر نے ہمیں نہ صرف چھینی ہوئی تلوار واپس دلادی بلکہ قومی حکومت کی بےنظیر دولت سے بھی مالا مال کردیا۔ یقیناً تاریخ عالم میں یہ واقع زرین حروف سے لکھا جائے گا اور جب تک یہ دنیا قائم ہے۔ آسمان رفعت پر آپ کا نام مہر و ماہ کی طرح چمکتا رہیگا۔.......... (روزنامہ آفتاب ۱۰/ ۱۹ جولائی ۸۳ء)

مہجورؔ کی اِس خوش فکری کا دور بھی زیادہ دیر قائم نہ رہ سکا چنانچہ قومی حکومت سے وابستہ اراکین میں اقتدار کی رسہ کشی شروع ہوجانے کے آثار پیدا ہونے لگے تو شاعرِ کشمیر کا ذہن چند نئی تلخ حقایق سے دوچار ہونے لگا اور بمصداق ؎

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہرو کے ساتھ پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

اب بڑی تھکن کے ساتھ وہ اس ادھیڑ بن میں پڑ جاتے ہیں کہ مختلف لیڈران قوم کے حق میں ان کے تراشے ہوئے القاب کس قدر انکی توقعات سے بعید یا نزدیک ہیں ۔ چنانچہ اب رجائیت پر تھوڑی سی قنوطیت کے بادل چھا جانے لگتے ہیں اور مہجورؔ محسوس کرتے ہیں ؎

سبٹھاہ ژکی ژکی تہٕ تھٔکی تھٔکی کاروان چھُنہٕ منزلس واتان
قسمتچ خرٲبی چھا کنہٕ چھےٚ خٲمی رہبرن اندر!

وہ حیران ہیں کہ نئی صورتحال کو وہ کشمیری قوم کی شومئ قسمت سے تعبیر کرے یا کہ رہبرانِ قوم کی خامکاری سمجھیں وہ کبھی اس پر یوں طنز کرتے ہیں ؎

"بلبلو صورت آکھ بدلاوِتھ یہ کتیوٚ ژھوگ راوہ راوِتھ آکھ"

اور کبھی شیخ العالم ورحبہ خاتون کے آہنگوں میں ربط پیدا کرنے والا یہ شاعر رنگین

نواب غنیؔ اور اقبالؔ کے تاثرات کو ہم آہنگ کرنے لگتا ہے مثلاً غنی کا یہ شعر ؎

ہر کہ پابندِ وطن شد می کشد آزار ہا　　پای گُل اندر چمن دایم پر است از خار ہا

اور اقبال کے یہ شعر ؎

اے طایرِ لاہوتی اس رزق سے موت اچھی　　جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

گزر اوقات کر لیتا ہے یہ کوہ بیابان میں　　کہ شاہین کیلئے ذلت ہے کارِ آشیان بندی

تو ان تاثرات کا امتزاج مہجورؔ کے ہاں بے لوث لیڈر دیکھنے کی تمنا بن کر یہ صورت اختیار کرتا ہے ؎

پابندِ چمن گل چھُ توے گُنڈی چھِ تُمس لأرِ　　آزاد بُلبل بوشہٕ کران پوشہٕ ڈلن منز

تاہم مہجورؔ شیر کشمیر کے مقابلے میں کسی اور کی لیڈر شپ تسلیم کرنے پر دل سے آمادہ نظر نہیں آتے وہ کشمیر کو بڈ شاہ کے انسان نواز مشن کا حامی اور کشمیریت کی علامت گردانتے ہوئے اپنے متزلزل اور متذبذب دل کو پھر سنبھالا دیتے ہیں اور کشمیر کے محبوب سے ہم آواز ہو جانے کی بدولت مہجورؔ جلدی ہی شاعر کشمیر کہلانے کی سعادت کے قریب پہنچ جاتے ہیں۔ نہ صرف اسلئے کہ اگر شیر کشمیر سادہ زندگی اختیار کرنے کا درس دینے کیلئے کشمیریوں کو کم خوری کا مشورہ دیتے ہوئے مقروض بنانے والے گوشت اور دیگر ضیافتوں پر آلو اور ساگ پات کو ترجیح دینے کی بات کرتے ہیں تو مہجور بھی اس مشورے کی پذیرائی یوں کرنے لگتے ہیں:

بُلبُلا آزاد گرچھنس چاو بر　　پوشن کراو کر چھا و گلزار

پنجرس منز خوراک اوسی میسر　　پھیر سبزارن ووں پھلی دانہٕ ژار

آزاد روٗزِتھ کم کھیوٚن چھُ بہتر   پوشن کرٛاو کر چھاو گلزار

بلکہ اب وہ سچے دل سے کشمیر کے ہل والے جھنڈے کو کشمیریوں کی انفرادیت، خود مختاری اور تشخص کی علامت قرار دیتے ہوئے باضابطہ اعلان کرتے ہیں کہ وہ ہندوستان جو قبائلی حملے کے وقت کشمیریوں کی انفرادیت کا بچاؤ کرنے یہاں آیا ہے اسکی دوستی کشمیریوں کے تشخص کو ہر حال میں قائم رکھنے کی ضامن بن جائیگی۔

ولہٕ وِیر کاشُر تہٕ ہندوستانی   ویرِہ چانہٕ آہ لارآنیے
برقرار تھاوِکھ چانٛی سُلطانی   مارٕ منزٕ سانٛی الباٹیے

یہ امر مسلم ہے کہ خوشی کے جشن منانے کے وقت سے زیادہ جس وقت ایک قوم کے افراد ایک دوسرے کے قریب نظر آتے ہیں اور جس وقت ان کے تمام آپسی تفرقے وقتی طور پر مٹ جاتے ہیں وہ دراصل اس قوم پر کوئی مصیبت ٹوٹنے کا وقت ہوتا ہے ۱۹۴۷ء کی بُحرانی کیفیت نے بھی کشمیریوں کو غیر یقینی حالات سے دوچار کر کے ایک ایسی مصیبت میں مبتلا کر دیا تھا جسکے مقابلے میں کشمیریوں کو تمام آپسی اختلافات ختم کر کے ایک ہو جانے کی ضرورت تھی مہجوؔر نے نیشنل کانفرنس کے ترجمان شاعر کی حیثیت سے اس موقعہ پر کشمیریوں کو یہ پیغام سنایا کہ کشمیر کے ہندو اور مسلمان سب آپس میں بھائی بھائی ہیں اور ان کو اپنے وطنِ عزیز کی حفاظت کیلئے آپس میں شیر و شکر ہو جانے کی سخت ضرورت ہے۔

ذات بُتراتھ کاشرٕ ہنٛد چھُکُنی   خواہ مخواہ دوٗر بر مہٕ پاٛوِو پانہٕ وٕانی
دود چھُ مُسلِم ہیوٚند چھُ شکر صاف صاف   دودتہٕ شکر رلاٛوِو پانہٕ وٕانی

جیسا کہ پہلے ہی اشارہ کیا گیا کہ مہجور کشمیر کی تاریخ سے بخوبی واقف تھے۔ اُن کی نظر میں کشمیریوں کے زوال پذیر ہوکر غلام بن جانے کے اسباب پوری طرح نمایاں رہتے تھے۔ ان میں بنیادی سبب کشمیریوں کا آپس میں لڑکر کسی تیسرے فریق کو اپنے پر مسلط کرنے کا المیہ رہا ہے۔ مہجور جلد ہی اس المیے کے احساس میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ وہ حسین خواب جو انہوں نے کشمیریوں کے ماضی میں جھانک کر اور کشمیریوں کے اس مارشل کریکٹر کی یاد تازہ کر کے دیکھا تھا۔ جس کے تحت انہوں نے محمود غزنوی جیسے بہادر حملہ آور کو لوہر کوٹ راجوری سے ہی واپس چلے جانے پر مجبور کر دیا تھا اب مہجور کو ٹوٹتا دکھائی دینے لگتا ہے جب وہ دیکھتے ہیں کہ ان کے محبت بھرے ترانے ایک طرفہ ہیں اور جس آزادی کے ترانے انہوں نے شروع کر دیئے تھے وہ ابھی ان کی سرزمین سے بہت دور ہے کیونکہ انکی دیکھی ہوئی آزادی کی نیلم پری آہستہ آہستہ بے نقاب ہوکر دیو استبداد کی شکل میں رونما ہونے لگی تھی اور شاعر کشمیر اپنے اظہار کی سچائی کو بحال کرتے ہوئے کہہ اُٹھتا ہے کہ کشمیریوں کی کردار کشی کے جو ہتھکنڈے شخصی دور میں آزمائے جاتے تھے اب وہی نئے رنگ چڑھا کر پھر آزمائے جانے لگے ہیں۔

یمے چیز اسہِ غُلامن اُسی ظاُلم زورِ مُلی ہیٚاوان
اِکنان تی بازرن اندر کُرِتھ مُلمایہِ آزآدی

بلکہ بڑے معصومانہ توقعات وابستہ کر کے کشمیریوں نے جن کو اپنے ننگ و ناموس کا محافظ گروانا ہے اگر وہی ان کیلئے خطرے کا باعث بنیں تو شخصی راج اور عوامی راج میں فرق ہی کیا رہے گا۔

دراے وارِ لی باغہٕ منٛز جاناورن پھیر زندگی ژٕتہٕ اگر واژُیل بنکھ پس گو برابر آو جاو

چانہٕ باغُک خارٕ جگرس نبرِ ممن جاناوارن ژٲے باغس منٛز دِپان چھکھ یم کرن صوٗفی بچاوٕ

عوامی راج میں آزادی کے نام پر ہونیوالے بعض کام انہیں دورِ غلامی کی یاد تازہ کرنے لگے تو شاعرانہ اظہار کی صداقت نتائج کی پرواہ کئے بغیر طنز کے تیر پھینکنے پر تُل گئی۔ چنانچہ بددیانتی اور چور بازاری کے ننگے ناچ کی آزادی فقط چند گھروں کی داشتہ بن جانے لگی۔ غنڈہ گردی عام نظر آنے لگی اور سچ کے اظہار کو روکنے کیلئے زبانوں پر تالے ڈالے جانے لگے تو مہجور فنکارانہ آداب کو بالائے طاق رکھکر محض عوامی زبان میں چلانے لگے۔

یہ آزآدی چھےٚ سور گژ حور پھیریا خانہٕ پتہٕ خانے
فقط کیٖنژن گرن اندر ماران گرایہ آزآدی

بلکہ ''لالہ'' کے داغدار سینے کو کشمیریوں کا آئینہ دار سمجھ کر اور زیر زمین دنیا کے متلاشی بن کر اس کی جانب یوں مخاطب ہونے لگے۔

تتہِ چھا کنٹرول انتظام گول مول تتہِ تہِ چھا چور بازار
تتہِ تہِ چھا رایہِ رایہِ نون تیل بأگران تتہِ تہِ چھا تتھی خانہٕ دار
تتہِ تہِ چھا اُتس تھوان پنجرس اندر پوٚز لیس آسہِ گفتار
تتہِ تہِ چھا زبوہ زٕٹھۍ بتہٕ سازندر دورہ وان موٹر کار

اپنی زندگی کے آخری ایام میں وہی مہجور بڑی قنوطیت اور مایوسی کے عالم میں اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے کہ آس پاس کے کسی ملک کے پاس کشمیریوں کے درد کا درمان ڈھونڈھنا بیکار ہے۔ اس طرح کی کوئی بھی غلط فہمی کشمیریوں کو خود شناسی اور خود اعتمادی و

خودمختاری سے محروم کردے گی۔ البتہ ہمارا سب سے بڑا ہمدرد وہی ہوگا جو ہمارے تشخص کو بحال ہوتے دیکھنا گوارا بھی کرے اور اسکی آبیاری میں ہماری مدد بھی کرے۔ ایسا اگر مہجورؔ کی نظر میں کوئی ہے تو فقط وہ حساس کشمیری ذہن جو سب کچھ ہونے سے پہلے کشمیری ہوگا اور جو کشمیری ثقافت اور کلچر کے ساتھ جذباتی اور شعوری دونوں طرح کی گہری وابستگیاں رکھتا ہوگا۔ بلکہ وہ سلطان شہاب الدین، مہاراجہ للتادت، اودے رینہ اور تازی بھٹ جیسے بہادروں کی کشمیری اولاد سے اپنی صلاحیتوں پر اعتماد کرکے اُٹھ کھڑے ہونے کیلئے نئے انقلاب کا داعی بن کر یہاں تک کہہ اُٹھتے ہیں۔

اکھ چھُ پأکستان ونان بیاکھ ونان ہندوستان
اسہِ سپُد فلحال ڈأکستان یتھ مِلکس زبر

اس طرح کے بیانات کو شاعرِ کشمیر کے انتشار ذہنی سے تعبیر کیا جائے یا پامالی توقعات کا ردِعمل سمجھا جائے لیکن یہ امر اپنی جگہ مسلم ہے کہ مہجور اپنے ہر اظہار میں کشمیریت کے سچے پرستار رہے اور وہ تاویلات کی پرواہ کئے بغیر اپنے محسوسات کو شعر کا جامہ پہناتے رہے اور دوسری جانب مہجورؔ ایسے واحد کشمیری شاعر ہیں جو کشمیریوں کے بڑے کٹھن اور فیصلہ کن دور کے درجن بھر ابتدائی پڑاؤں کے چشم دیدہ گواہ بھی رہے ہیں۔ اور ہمدردو سفر بھی اس حیثیت سے بھی کشمیریت کی ترجمانی میں مہجورؔ کا امتیاز اب تک فکر انگیز اور فیض بخش ہے۔ بلکہ جس طرح اقبال کا ''ترانہ وطن'' ع ہندی ہیں ہم وطن ہیں ہندوستان ہمارا، جیسے بے لاگ اظہار کی بدولت ہر آنے والے زمانے کیلئے روشنی میسر کرتا رہے گا اسی طرح مہجورؔ کا وہ مشہور کشمیریت نواز نغمہ بھی ہمیشہ ضیا پاش رہے گا۔ جس میں بقول عبدالاحد آزاد مہجورؔ نے اپنے حساس دل کے ولولے کو اپنے

اہل وطن کی بزدلی، غلامانہ ذہنیت قدامت پسندی تفرقہ اندازی، دوں ہمتی اور فاقہ مستی سے متاثر ہوکر یوں ظاہر کرتے ہیں۔

ولو ہا باغوانا نو بہارُک شان پیدا کر
پھولن گل گتھ کرن بُلبل تِتھی سامان پیدا کر
چمن وأران ،روان شبنم ژٕٹتھ جامہٕ پریشان گل
گلُن تے بُلبلن اندر دُبارٕ جان پیدا کر
مہٕ تھو گلزارس أندر سوٕلے گلن رِکژ سوٕے خرٲبی چھے
یوان سُنبل چھُ پے در پے گُل خندان پیدا کر
کری کسُ بُلبُلا آزاد پنجرس منٛز ژٕ چھکھ نالان
ژٕ پنہٕ نے دستہٕ پنہٕ نن مشکلن آسان پیدا کر
چھُ باغس جانور بولِان مگر آواز چھکھ بیۆن بیۆن
یہنٛدِس آلوس یاربِ اثر یکسان پیدا کر
اگر وُزناوہن بستی گلن ہنٛز تراو زیرو بم
بٔنِیل کر واو کر گگرایہٕ کر طوٗفان پیداکر
زٔمینس شاعری ہندس کرِتھ مہجوٗر گل پیدا
وون اتھ رٔنگین باغس بُلبلِ نالان پیدا کر

☆

مشعل سلطانپوری

کلامِ مہجورؔ کی مقبولیت کا راز

گلستان فن ادب میں بعض پھول ایسے ہوتے ہیں جو کھلتے ہی آس پاس کی فضا کو اپنی فرحت بخش خوشبو سے مہکا دیتے ہیں لیکن چند لمحات اپنی بہار جانفزا دکھا کر رنگ و بو سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ ان کی قدر قیمت کلی کی تبسم سے زیادہ پائیدار نہیں ہوتی لیکن بعض پھولوں کا حُسن سدا بہار بھی ہوتا ہے۔ اور جاودان بھی۔ یہاں ایسے چراغ بھی جلتے ہیں جو ہوا کے جھونکوں کی تاب نہیں لا سکتے اور ایسی مشعلیں بھی روشن ہوتی ہیں جنہیں تند و تیز ہوائیں بھی نہیں بجھا سکتیں۔ اس بحر کی تہ سے ایسے موتی بھی اُچھلتے ہیں جن کی چمک دمک چند دنوں میں ماند پڑتی ہے اور ایسے دُرِ شاہوار بھی جن کی قیمت امتداد زمانوں کی سفاکیوں کے باوجود بڑھتی ہی رہتی ہے۔

مہجورؔ کے چمنستان شعر میں یہ دونوں قسم کے پھول اور اس کے دریائے سخن میں یہ دونوں قسم کے موتی ملتے ہیں۔ انکا کلام ان کے دور حیات ہی میں منظر عام پر آ کر مقبولیت کی سند حاصل کر گیا۔ بعض لوگ اس مقبولیت کا سہرا مہجور کی شہرت پسندی، اس زمانے کے ذرائع نشر و اشاعت کے مناسب استعمال اور ان کے کلام کے مشہور گلوکار محمود شہری کے سر باندھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو خود اُن کے شاگرد رشید عبدالاحد آزادؔ کے

اس بیان سے شبہ ملتی ہے "یوں تو آپ کی ہر غزل شہرت کے پر لگا کر ملک کے گوشے گوشے میں آناً فاناً پھیل جایا کرتی ہے اس کا سبب آپ کی کمال شاعری" "خداداد لطف سخن یا آپ کی خوش قسمتی سمجھئے یا محمود شہری کی خوش گلوئی اور آتش نوائی کا فیض و برکت"[۱] اس حقیقت کے باوجود کہ فن کی مناسب تشہیر اس کی مقبولیت میں کسی حد تک ضرور معاون ثابت ہوتی ہے۔ یہ بات تاویل حاسدانہ کے ذیل میں آتی ہے۔

مہجور کے اپنے دور میں جو مقبولیت حاصل ہوئی اس کے کئی وجوہ ہیں۔ ان کے دورِ شعور میں کشمیری شاعروں میں مختلف رجحانات پائے جاتے تھے۔ ایک طرف صوفیانہ رجحان یعنے رحمان ڈار، "نعمہ صاب اور شمس فقیر کی روایت جس کی آبیاری وہاب کھار، احمد پرے اور وازہ محمود کے بعد رمضان بٹ، احمد بٹہ واری اور اسد میر نے کی تھی اور ان کے ہمعصر صمد میر احد زرگر اور ماسٹر زندہ کول اس کی توسیع کر رہے تھے۔ دوسری طرف قصہ گوئی یعنی زرینہ اور برینہ مثنوی نگاری کی روایت جسے محی الدین مسکین، عزیز اللہ حقانی اور ان کے استاد عاشق ترالی کے ساتھ ساتھ حیرت پاندانی اور نعمت اللہ صفا پوری آگے بڑھا رہے تھے۔ اس کے علاوہ عشقیہ شاعری کا رجحان یعنی حبہ خاتون، محمود گامی، رسول میر اور ناظم کی روایت جس کی توسیع میں اگر چہ مختلف شعرا حصہ لے رہے تھے لیکن اساتذہ کی مقبولیت ابھی تک قائم تھی۔ مہجور کی نوجوانی میں وفات پانے والے مشہور کشمیری شاعر وہاب پرے نے ان سب رجحانات کو یکجا کرنے کی کوشش کی لیکن ان کا چولا نہیں بدل سکے اور یہ برابر روایات کی زنجیروں میں اسیر رہے۔

روایات سے بغاوت کی ہمت تو خیر بڑی بات ہے ان میں ذرا سی تبدیلی لانے

---

[۱] کشمیری زبان اور شاعری حصہ سوم صفحہ ۲۱۔

کیلئے بھی کچھ کم حوصلہ درکار نہیں ہوتا یہ وجہ ہے کہ مہجور کے دور کے اکثر و بیشتر شعراو ہی لکیر پٹتے جا رہے تھے جن پر کشمیری شاعری صدیوں سے گامزن تھی ۔مہجور بھی پہلے پہل ان ہی روایات کی پابندیوں میں اُلجھ گئے لیکن آہستہ آہستہ وہ ان زنجیروں کی کڑیاں ڈھیلی کرنے لگے۔ ابتدا میں کچھ اُفتادِ طبع کی وجہ سے اور کچھ عنفوان شباب کے تقاضے کی خاطر اُن پر عشقیہ شاعری کا رجحان غالب رہا۔حبہ خاتون کے گیت کے جواب میں گیت لکھنے سے اس کا آغاز ہوا۔ یہ دونوں گیت سامنے رکھ کر اس حقیقت کا اندازہ کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی کہ بحر لہجہ اور فضا کے اشتراک کے باوجود نفس مضمون اور شاعرانہ برتاؤ یکسان نہیں جہاں حبہ خاتون کا گیت لذت، لمس وفشار و بوس و کنار کی دلخراش یادوں کا نوحہ ہے۔اور نا امیدی کا نالہ وشیون وہاں مہجور کا گیت نو واردان بساط عشق کے تلون و بے قراری کا نمونہ ہے۔

مہجور نے اپنے بتکدہ تصورات میں خیالی اصنام کو کوئی جگہ نہ دی۔ انہوں نے اسے اپنی دنیا میں پائی جانے والی گوشت و پوست کی محبوباؤں سے آباد کیا۔ روزمرہ زندگی میں پائی جانے والی ان حسیناؤں سے محبت کرنے کا انداز لوگوں کو پسند آیا۔اس میں ماورائیت نہیں ارضیت پائی جاتی تھی۔ یہ انداز عام لوگوں کے جذبات کو تسکین دیتا تھا اور اُن کا دل موہ لیتا تھا۔ ملاحظہ ہو

اتھ نوزک زن چھس پوشہِ دستہِ
کتھ بوزِمس مۄدرِ تہِ آہستہ
دآدی لدِنے بلہِ بیمأری یے

(اس کے ہاتھوں میں گلدستوں کی سی نزاکت ہے اور باتوں میں مٹھاس اور

لطافت سے بیمار بھی شفا پا سکتے ہیں)

یارٕ سُند مارٕ موٚت سارٕ چھُمنہٕ تھاوان یارس لرِ پان ساوان چھُس
کامہٕ دیو یار چھُنہٕ جامہٕ مُژراوان پوشن مالہٕ کرناوان چھُس

(دوست کی محبت سے دل قابو میں نہیں رہتا تو اس کے پہلو میں لیٹ جاتی ہوں لیکن وہ کام دیو اپنے بند قبا نہیں کھولتا پھول مالائیں تیار کرواتی)

لولہٕ نار پانس گوٚنڈنم ہیرِ بوٚن امہِ نارٕ سرتلہِ سپنُم سون
وٕسہِ کٔیازِ آسم وٕسہِ راوان مارٕ متہِ وارٕ وتہِ لاگ میون پان

(میری رگ رگ میں محبت کی آگ سُلگ اٹھی جس نے مجھے جلا کر کُندن بنا دیا۔ جانے سہیلیاں مجھے کیوں ڈرا رہی تھیں۔ اے میرے محبوب میری لاج رکھ) ارضی حسن سے پیار کا یہ رنگ اس وقت زیادہ شوخ دکھائی دیتا ہے جب ہم ان کی نظم ''دہقان زاری'' کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اس نظم میں قدم قدم پر واقفیت اور حقیقت پسندی کے نقوش نظر آتے ہیں۔ اس دوشیزہ کی سادگی، معصومیت، حسن، غیرت، پاکدامنی کوئی چیز خلاف فطرت نہیں، ایک شعر ملاحظہ ہو ؎

سیوٚد سادٕ جامہٕ چھی شامہٕ سوندری یے
نہ چھُ اتھ گوٹہٕ نے زٔری یے
کاژ زونہِ زن چھِ کالہٕ اوٚبرٕ کٕ ٹھرٕ یے

(اے نازنین، تیرا سیدھا سادہ لباس جس میں کہیں گوٹا کناری نہیں لگی ہے۔ اس مگنجے لباس میں تو ایسی لگتی ہے جیسے بادلوں میں روشن چاند) جہاں مہجور جسمانی حسن کی قوسِ قزح کے رنگوں میں غیر ماورائی عشق کا رقص فرماتے نظر آتے ہیں وہاں انہوں

نے صوفیانہ مذاق رکھنے والے لوگوں کی روحانی تسکین کا سامان بھی بہم پہنچایا ہے۔ لیکن ان کے صوفیانہ تصورات میں قنوطیت کی کوئی جگہ نہیں، یہاں افسردگی کی بجائے علوہمتی، اثبات خودی اور خود بینی ہے۔ یہ شعر ملاحظہ ہو

مشتاق بُلبل اتھ گُلس
گُل پانٕہ ژھاران بُلبُلس
تس گارِ گُل یُس ژھارِ گُل

(بُلبُل گل پر فریفتہ ہے تو گُل کو بھی اسی کی تلاش ہے۔ گل اسی کی آرزو کرتا ہے جو گل کی آرزو کرے)۔

مہجورؔ نے تمام جسمانی اعضاء میں دل کی برتری کا اعتراف کیا ہے اور اس کی صفائی اور پاکیزگی پر زور دیا ہے۔ فرماتے ہیں

شیشہٕ دلہٕ کُے یس رچھِن توگ سُے چھُ شاہ
سُے چھُ کأمِل جام جم ییمی زون دل

(جو اپنے آئینہ قلب کو آلودگیوں سے بچا سکا اُس کو کامل سمجھتا ہوں جو اپے دل کو جام جم سمجھتا ہے)

تصوف کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے یہ بات صاف طور پر نظر آتی ہے کہ اس کا مدعا ومقصد تصفیہ قلب، تزکیہ باطن، علوہمتی، بیم مرگ سے نجات انسان دوستی اور معرفت الٰہی کے سوا اور کچھ نہیں لیکن ابتدائی دور کے بعد یہ نہایت افراط وتفریط کا شکار ہوا اور اس نے تہذیب انسانی پر ایسے منفی اثرات ڈالے کہ خدا کی پناہ۔ دنیا لایعنی چیز ٹھہری ،تقدیر پرستی نے انسان سے ذوق عمل چھین لیا قنوطیت نے اُس کا دل مرجھا دیا اور بے

عملی نے اس کے اعضاء شل کردئے۔ تصوف کے انہی اثرات کو بھانپ کر حضرت مجددالف ثانیؒ نے اس قسم کے تصوف سے لاتعلقی ظاہر کی اور علامہ اقبال کو اس کے خلاف آواز اٹھانا پڑی۔ مہجورؔ کشمیری بھی اس یغانہ قسم کے تصوف سے دور نظر آتے ہیں۔ اُن کے صوفیانہ خیالات میں اگرچہ گہرائی ہے۔ نہ تجربات کی رنگارنگی لیکن سیدھے سادے انداز میں وہ تصوف کی وہی تعلیم دیتے ہیں جو اس کا مدعا مقصد رہا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں

پوش پھٗلِ ہتی وارِ کیٚژن رنگ کیٚژن رنگ وبو
روزٕ وُن گُل یُس چھُ باغس سُے گلومنٛز ژارٕ ہا

(چمن میں مختلف پھول کھلے ہیں، کسی کا رنگ پسند آتا ہے تو کسی کا رنگ و بو دونوں لیکن میں وہی پھول چننا چاہتا ہوں جو مُرجھا نہ سکے)۔

چھیٚنہٕ تاریف سورمس تہٕ سازس — یُتھنہٕ مہجورؔ لارکھ مجازس
بُلہٕ راوی ہِنہٕ مُلہٕ مایے — پایہ بڈٕ میٲنہٕ یاون رایے

(بناؤ سنگھار کی تعریف بے سود ہے اے مہجورؔ مجاز پر فریفتہ نہ ہونا۔ ایسا نہ ہو کہ تجھے غازہ و مسی لبھاتے، اے میرے عالی مرتبہ محبوب)۔

شوقہٕ سان یہ پٔنُن پان یارآوم — تنہٕ میٲنہٕ آسی یوان مشکنٛز دار
ژٕ مدنوارن مَن پرٕ کھوٚوم — مٕ روشہٕ نوٚوم پوشہٕ موٚت یار

(میں نے انتہائی شوق سے اپنے آپ کو بنا سنوار کر رکھا۔ میرا بدن گردو پیش و مہکا رہا تھا۔ لیکن محبوب نے میرے مَن پر نظریں جمائیں۔ ہائے وہ پھولوں کا متو!

کیوں روٹھا)۔

لولہٕ نارٕکس دزوٕنس الاوس کھسہِ عاشق تہٕ دَزِتس مَل
اِدٕ روزیس نہٕ باقہٕ ہاوس سَر تڑاوس پادن تل

(آتش محبت کے لاوپر چڑھ کر عاشق کا میل جاتا رہے گا اور وہ حرص و ہوا سے پاک ہوگا۔ کاش میں اس کے چرنوں میں سجدہ کروں)

گُل ہردِ ہران سونتہٕ بی دوبارٕ کران دور
مُری مُری چھےٚ پھیران زندگی وسواس مرنک تراو

(پھول خزان میں جھڑ جاتے ہیں تو بہار میں پھر کھِل اُٹھتے ہیں۔ یہاں مرنے کے بعد پھر زندگی ملتی ہے، موت کا خوف کیوں کریں)

مہجورؔ کے ان صوفیانہ خیالات نے اُن کی تصور اخلاق پر بھی خوب اثر ڈالا ہے۔ ان کی اخلاقی تعلیم واعظانہ نہیں مفکرانہ ہے

تھدِ پایہِ انسان کونہٕ بیٚہان ٕستی ناکارن
منز باگ کنڈٕ بن گل چھِ تس کتھٕ پاٚٹھی قراآو

بلند مرتبہ لوگ برُوں کی صحبت میں بھی زندگی بسر کر سکتے ہیں ورنہ کانٹوں میں رہ کر پھول کو کیسے چین ملتا)

آیہ دردٕکر چھ منز فرقانس دردٕستی چھےٚ شوب انسانس
سوے کتھا چھےٚ منز گیتایئے پایہِ بڈٕ میانہِ یاون رایے

(انسانی ہمدردی کی باتیں قرآن میں کہی گئی۔ دردمندی انسان کی شان ہے اور یہی باتیں گیتا میں بھی ملتی ہیں)۔

اخلاقی تعلیم کے ساتھ ساتھ مہجور حکمت کے ایسے لطیف نکتے بھی بیان کرتا ہے کہ بے اختیار داد دینے کو جی چاہتا ہے ؎

پوشہِ ٹۄرِ خاموش پۄر سامانے ژھوپہ چھےٚ روٗپہٕ ہنٛز پانے بوز
کتھِ ہتِ بوے گُل گو پریشانے بلبلہٕ ہندی افسانے بوز

(غنچے ساز وسامان کے باوجود چپ سادھے ہیں خاموشی کی قدر و قیمت کا کیا کہنا، پھول کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اپنی خوشبو سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ ذرا بلبل کی باتیں تو سُن)۔

اس شعر میں جہاں انداز بیان کی لطافت اور تشبیہ کی ندرت ہے وہاں کشمیری محاورے کی وہ چاشنی بھی ہے کہ ترجمہ اس سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتا۔

مہجور کا زمانہ کشمیر کی تحریک آزادی کا ولولہ انگیز زمانہ تھا۔ لوگ طویل عرصہ کے بعد خواب غفلت سے بیدار ہو رہے تھے۔ لیکن مطلق العنان حکومت کے خلاف منہ کھولنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ صدیوں کی غلامی نے ذہن زنگ آلود کردیئے تھے۔ صوفیوں اور عالمان دین کی راضی برضا رہنے اور تقدیر پرستی کی تعلیم نے یاسیت کی فضا پیدا کی تھی۔ استحصالی عناصر نے عوام الناس کو اقتصادی بدحالی میں مبتلا کر دیا تھا اور آفات سماوی کے سیلاب نے لوگوں کی ہمت کے بندہ توڑ دیئے تھے۔ امیر مال مست تھے اور فقیر حال مست۔ مذہب کے دعویدار مذہب کو لوٹ کھسوٹ کی آڑ بنائے ہوئے تھے۔ اس کی صحیح روح سے لوگوں کو بے خبر رکھا جارہا تھا۔ غریبوں کو صبر و رضا اور توکل وقناعت کا درس دیا جاتا تھا۔ اور دولتمندوں کو عنایات الٰہی کا مستحق ٹھہرایا جاتا۔ نوع انسانی سے ہمدردی مفقود تھی اور قومی احساس سے بیگانگی۔ عام اس کا غم علماء کو تھا۔ شعراء کو نو آبادیاتی نظام سے چھٹکارا پانے کی تڑپ نے کئی ملکوں میں آزادی کی تحریکوں

کو جنم دیا تھا۔ ہندوستان میں تحریک آزادی زوروں پر تھی اور وہاں کے ادباء اور شعراء برابر اس تحریک کی ہمنوائی کر رہے تھے روس کے انقلاب نے خود ہندوستان کی تحریک آزادی کو متاثر کیا تھا۔ اس انقلاب نے یقین و عمل کو بھی متحرک کیا تھا اور امید آفرینی کی خوشبو بھی پھیلا دی تھی۔ ان اثرات سے ہمالہ کے چشموں کو اُبلتے کا پیام ملا تھا اور کشمیر کے کئی جانباز مخالف حالات سے متصادم ہونے کا تہیہ کر کے کشمیر کی تحریک آزادی کا آغاز کر چکے تھے۔ لیکن انقلاب کی یہ ہوائیں کشمیری شعر و ادب تک نہیں پہنچ پائی تھیں۔ انہیں مہجورؔ کا انتظار تھا۔ مہجورؔ نے وہ سارا سفر جسے طے کرنے میں اردو شاعری کو موضوعات کے اعتبار سے (۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۰ء تک) اُسی نوے برس لگے تھے اپنی شاعری کے پندرہ سالہ وقفے کی ایک جست میں مکمل کرنے کی کوشش کی۔ حب وطن اتحاد آپسی بھائی چارہ قومی حمیت، دعوت عمل، امید آفرینی، جدو جہد کی کامیابی کا یقین خوش آیند مستقبل کی بشارت، سرمایہ و محنت کی کشمکش اور استحصال کی برائی وغیرہ اُن کے آبگینہ شعر میں جھلکنے لگے۔

مہجورؔ جانتے تھے کہ جب تک لوگوں میں اپنے وطن سے محبت کے جذبات متحرک نہیں ہوتے وہ اس کی حالت پر غور نہیں کر سکتے۔ اسلئے انہوں نے طرح طرح سے یہ جذبات ابھارنے کی کوشش کی کبھی وطن کی خوبصورتی کے بیان سے کبھی اس کے اعلیٰ علمی فنی اور تمدنی پس منظر کی طرف اشارہ کر کے اور کبھی اس کی زبوں حالی سے پردہ اٹھا کر۔ اس سلسلے میں یہ مثالیں دینا کافی ہوگا۔

أندٕ أندٕ سفید سنگر دِیوارِ سنگ مَرمَر
مٔنز باگ سبز گوھر گلشن وطن چھُ سونٔے

(اردگرد سفید چادر اوڑھے پہاڑ جیسے سنگ مرمر دیواریں اور بیچ میں زمرد جیسی وادی ہمارا وطن ایک پھلواڑی ہے)۔

سوکھ ناگ توسہٕ مأدان تتہِ وُچھ مےٚ پانہٕ بھگوان
بگتن چھُ جلوٕ ہاوان گلشن وطن چھُ سونُے

(سُکھ ناگ اور توسہ میدان کشمیر کے دلفریب صحت افزا مقامات) میں خود بھگوان جلوہ افروز ہے اور بھگتوں کو درشن دے رہا ہے یہ ایسا گلستان ہے ہمارا وطن۔)

عالمکی بیمارٕ گرٕمیون آے واپس گۓ بلِتھ
ترٛیشہِ ہتۍ پیمتۍ وتن پٹھ زودِوان بیمار میأنۍ پأٹھی

دنیا بھر کے مریض یہاں آ کر شفایاب ہوئے۔ لیکن ہمارے بیمار سرِ راہ گھونٹ گھونٹ پانی کو ترستے ہوئے دم توڑ رہے ہیں۔

حب وطن کے جذبات ابھارنے کے بعد قومی حالت کا احساس دلانا ناگزیر تھا یہ کام ان کی نظم ارے باغبان میری داستان توُسنُ" نے انجام دیا۔ اس نظم میں کشمیریوں کی عہد بہ عہد حالات کا جائزہ لیا گیا ہے اور قومی بے حسی فرقہ دارانہ تعصب، ذہنی پسماندگی جیسی برائیوں کو کشمیر کی بربادی کے وجوہات قرار دیتے ہوئے اپنی بے چارگی کا اظہار ان لفظوں میں کیا گیا ہے

ہیٛرِ وارِیُل برۆر بۆنہٕ زاگان ییتھ میأنِس زُوٗس
پوشہٕ لنجن ژھایہِ تھۆوۍ تھۆوۍ کوٗت کال بچاوِ پان

(فضا میں تو باز اور زمین پہ ٹھہروں تو بلی میری جان کے درپے ہیں پھولوں کی ٹہنیوں میں چھپتے رہتے کب تک اپنا بچاؤ کرتا رہوں)۔

جیسا کہ مندرجہ بالا سطور میں کہا گیا مہجؔور کے زمانے میں انقلاب روس نے دنیا بھر کے اُن ممالک پر اپنے اثرات ڈال دئے تھے جو غیر ملکی سامراج سے نجات حاصل کرنا چاہتے تھے ان آزادی پسند ممالک میں مارکسی فلسفہ سیاسی وسماجی مصائب سے نجات پانے کا واحد ذریعہ سمجھتا جارہا تھا۔ اس فلسفہ کا خاص نکتہ یہ تھا کہ سرمایہ دارانہ نظام انفرادی اور قومی سطح پر استحصال کی بنیاد پر قائم ہے۔ اس نظام کے تحت مختلف شعبہ ہائے حیات میں استحصال ہوتا رہتا ہے۔ اشتراکیت اس استحصال کا واحد حل ہے اس فلسفہ کے اثرات ہندوستان کے ساتھ ساتھ کشمیر پر بھی پڑے اور مہجؔور بھی اس سے متاثر ہوئے۔ انہوں نے مندرجہ ذیل اشعار میں اس استحصال کے خلاف آواز بلند کی۔

میانہِ بچہِ ٹنگ میانہِ گرِ یوٗ دآسہِ ہے کانٛہہ انتظام
پھیرِ ہن ماونڈِ رأژن دِرٕ بدر بیکار میأنی
کیاونے ؤریس جُکھتھ زینٛتھ بہٕ رودس فاقہ مس
بیازو وانہٕ تہ سونرو غآب گُرٕ انبار میأنی
جنتس منز جائے حأصل کرنہٕ باپتھ دن نیاز
بیمہٕ کرناوان چھ سورگس پایہِ بڈٕی دیندار میأنی

(اگر میری گزراوقات کا اپنی ریاست میں کچھ انتظام ہوتا کہ کڑاکے کی سردیوں میں میرے بے روزگار لوگ مارے مارے کیوں پھرتے۔ سال بھر خون پسینہ ایک کرکے محنت کرنے کے باوجود میں بھوکا ہی رہا اور سود خوروں، بینوں اور مہاجنوں نے میرے ذخیرے ہتھیا لئے میرے وطن کے دیندار جنت حاصل کیلئے خیرات کرکے سورگ کا بیمہ کراتے ہیں)

اس استحصال سے چھٹکارا پانے کیلئے سب سے پہلے سیاسی آزادی حاصل کرنے کی ضرورت تھی مہجور نے آزادی کی قدر و قیمت سمجھاتے ہوئے کہا ۔

پابند چمن گل چھُ توے کنڈی چھ تمس لأری
آزاد بُلبل باشہِ کران پوشہِ ڈلن منز

(پھول چمن کا چاند ہے اسی لئے کانٹوں میں گھراتی ہے بلبل آزاد ہونے کے باعث پھلواڑیوں کا لطف اٹھا رہی ہے)۔

کسی مقصد کے حصول کے لئے کامیابی کی امید زبردست سہارے کا کام دیتی ہے مہجور سے پہلے کشمیری شاعری رجائیت کے زیر و بم سے نا آشنا تھی مہجور کی مقبولیت کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ اس نے مایوسی کی تاریک راتوں میں امید کی جوت جگائی کشمیریوں کو اُمید کی پری اپنی گود میں جھولا نہ جھلاتی تو مطلق العنان حکومت سے ٹکرانے کی جرات کون کرتا۔ مہجور نے اپنے اشعار سے کشمیریوں کو اُن کی جدو جہد کی کامیابی کا یقین دلایا فرماتے ہیں ۔

ییلہِ کھسہِ نوِ سمسارُک رَو گوڈٕ پیٚیہ چانے ڈبہٕ پر تو
اِد گرِژھ روشن باقےٕ جہان پأدٕ کر پنہٕ نے باغٕچ زان

(جب نئ دنیا کا سورج طلوع ہوگا تو سب سے پہلے تمہارے ڈالان روشن ہوں گے اسکے بعد باقی ممالک میں اجالا ہوگا۔ اپنے باغ کی جانکاری حاصل کر)۔

وارٕ وارٕ وارِلی گرژھن نا بوٗد
بُلبل تہٕ کوٚستوٗرِ واین سروٗرد
باغ کرِ سورگس ستی مان مان

(آہستہ آہستہ باز جیسے خونخوار پرندے غائب ہوں گے اور بلبل اور کستور نغمہ ریزی ہوں گے تمہارا باغ رشک جناں ہوگا)

مہجور کے کلام کی امید آفرینی کا عمدہ نمونہ ہے ان کی نظم "نیا کشمیر"۔ نیشنل کانفرس نے ۱۹۴۴ء میں کشمیر کے لئے جو مسودہ آئین پاس کیا تھا اسے نیا کشمیر کا نام دیا گیا۔ اگر کشمیر کے لئے یہ آئین منظور ہوتا اور اس سے عمل میں لایا جاتا تو اُس کے نتیجہ میں کشمیر کی جونئی تصویر اُبھرتی وہی تصویر مہجور کی یہ نظم پیش کرتی ہے۔ نیشنل کانفرنس نے آزادی کے بعد اسی آئین کے نفاذ کا وعدہ کیا تھا اسی لئے مہجور نے دوسری جگہ اظہار مسرت کرتے ہوئے کہا ؎

موکلِہ وونی ظلمک تہٕ لوٹک دور وُڈدار تہٕ چکدار گژھن کمزور
خوش خبر بوز اسہِ گیہِ شاآدی اَسی وُچھو یژکاآلی آزاآدی

(اب لوٹ کھسوٹ کا زمانہ ختم ہوگا۔ وڈدار اور چکدار کمزور ہوں گے۔ یہ خوش خبری سُن کر ہمیں مسرت ہوئی کہ اب ہم جلدی آزاد ہوں گے)۔

مہجور اپنے دور میں اس وجہ سے بھی کافی مقبول رہے کہ انہوں نے ہر موڑ پر تحریک آزادی کشمیر کی ترجمانی کی اور اس کے لئے فضا تیار کرنے میں اپنی شاعری سے ایک وسیلہ کا کام لیا۔ ہندو مسلمانوں میں نفاق کے پیچ پڑنے لگے تو اتحاد کا درس دیا۔

ہێندی رٹن نم کھوری واین اہل دین ناو ییمہِ مُلکچ چلاوو پانہٕ واٗنی

(ہندو پتوار سنبھالیں اور مسلمان چپو چلائیں۔ اس طرح اس ملک کی نیا کھیتے رہیں)۔

تحریک آزادی کی ضرورت محسوس کرانے کیلئے کشمیر کی پسماندگی اور کشمیریوں کی زبوں حالی کے مرقعے پیش کر کے عوامی رہنماؤں کو شخصی راج کے ظلم کا نشانہ بنا کر کشمیریوں کے حوصلے پست کرنے کی کوشش کی گئیں تو انہیں ڈھارس دی اور ''پہاڑوں کی چوٹیوں پر اُجالا ہوا نظم کے ذریعے امید کی قندیلیں روشن کیں ۔ نیا کشمیر مسودہ آئین پاس ہوا تو نئے کشمیر کی خیالی جنت کا نقشہ کھینچا۔ شخصی حکومت کے خاتمے پر اقتدار عوامی نمایندوں کے ہاتھ آیا تو آزادی کے گیت گائے ۔ عوامی حکومت کے جھنڈے کی تعریف میں نظمیں کہیں ۔ ریاست پر قبائلی حملہ ہوا تو اس کا مقابلہ کرنے کیلئے لوگوں کو پکارا اور کشمیر کا مسئلہ سیکورٹی کونسل میں پہنچا تو ان سے انصاف کی درخواست کی اتنا ہی نہیں آزادی کے بعد بھی انہوں نے کشمیر کے سیاسی، سماجی اور اقتصادی مسائل پر اپنی توجہ مرکوز رکھی ان کی عظمت کا اس وقت اور بھی زیادہ قائل ہونا پڑتا ہے۔ جب وہ نیا کشمیر کے خواب کی غیر متوقع تعبیر دیکھ کر اظہار بیزاری کرنے سے بھی نہیں چوکتے جب وہ دیکھتے ہیں کہ اس خیالی جنت کی دھجیاں اڑائی جارہی ہیں تو عوامی حکومت کو اپنی نفرت کا نشانہ بناتے ہیں۔ اس آزادی پر طنز کرتے ہیں۔ کہیں کھلم کھلا تو کہیں اشاروں کنایوں میں۔ اس سلسلے میں ان کی نظمیں آزادی' گُل لالہ سے اور پوشنول ہوش میں رہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں چند مثالیں ملاحظہ ہوں ۔

یہ آزٲدی چھےٚ تژ اوان مغربس گن رحمتک باران
کران سائنس زمینس پیٹھ ژھرے گگرائے آزٲدی
یہ آزٲدی چھےٚ سورٕ گچ حۄر پھیرہا خانہٕ پتہٕ خانے
فقط کیٚژن گرن اندر چھےٚ ماران گرایہ آزٲدی

(اِس آزادی سے مغربی ممالک میں رحمتوں کی بارش ہوتی ہے لیکن ہمیں گرج چمک کے سوا اور کچھ نہیں دیتی۔ یہ جنت کی حور جیسے دردر پھرنا شوبھا نہیں دیتا۔ اس لئے گنے چُنے گھروں میں اپنا جلوہ دکھاتی ہے) نظم آزادی

تتہِ چھا مُلزِمس وِتتُک یہ انصاف ہتھ کران خار
تتہِ چھا عذابس لاگنہٕ یوان بے گوناہ تِہندی رشتہٕ دار
تتہِ چھا کنٹرول انتظام گول مول تتہِ چھا چور بازار
تتہِ چھا رایہ رایہ کھٔن چھٔن بأ گران تتہ، چھا تتھی خاندار

(کیا وہاں بھی انصاف کے نام پر ملزم کے بھائی بندوں کو ستایا جاتا ہے اور اس کے بے گناہ متعلقین پر ستم ڈھائے جاتے ہیں وہاں بھی ضروریات زندگی کنٹرول کی آڑے لے کر مہیا نہیں ہوتے؟ بدانتظامی، چور بازاری، اقربا پروری! کیا وہاں بھی یہی برائیاں ہیں اور ایسی مثل اندھا بانٹے ریوڑیاں مُڑ مُڑ اپنوں کو دے)...... نظم گل لالہ سے۔

فأض گوسُے واتہِ یُس عامن تہٕ خاصن ورنہ کیا
کس نہ رژھراوِنی تگن ہیتہ بأے بندتے آشناو
درائے وارلی باغہٕ منز جاناوَرن پھیر زندگی
ژتہِ اگروارِیُل بنکھ بس گوبرابر آوجاو

(فیض وہی فیض کہلائے جو عوام و خواص سب تک پہنچے۔ بھائی بندوں کو نوازنا تو بڑی بات نہیں۔ باز جیسے خونخوار پرندے باغ سے چلے گئے۔ تو پرندوں کی جان میں جان آئی۔ اگر تو بھی باز ثابت ہوگا تو فرق کیا پڑا)

اب تک میں اس بات کا جائزہ لے رہا تھا کہ مہجور کی مقبولیت میں موضوعات کا کس حد تک دخل رہا ہے۔ اب ذرا اس سے ہٹ کر اُن کی مقبولیت کے دوسرے پہلوؤں کی طرف آئے مہجور سے پہلے کشمیری غزل اور وژن کا دامن وسیع کرنے کی چند کوششیں ہو چکی تھیں۔ ان میں عشق و محبت کے علاوہ تصوف کے مضامین بیان کئے جانے لگے تھے۔ وہاب پرے نے ان میں اخلاق حکمت اور اپنے زمانے میں پائے جانے والے سماجی اور سیاسی مسائل داخل کرنے کی کوشش بھی کی تھی لیکن جب ان ساری کوششوں پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان موضاعات کے حامل اشعار موزون تو ہونے تھے شعر نہیں بن پاتے تھے مثال کے طور پر یہ شعر لیجئے ؎

غریبس خون ہاڑن چھُے نہ جائز
ہتو مسکین مارُن چھُے نہ جائز
(مفلس کا خون بہانا اچھا نہیں سنو بھی مسکین کو قتل کرنا روا نہیں)

مہجور نے وژن کی ہیئت میں مختلف نظمیں کہیں جیسے ''وتستا''، بجلی دہقان زادی، چاندہل آزادی وغیرہ ان کی باقی نظمیں غزل کی ہیئت میں ملتی ہیں۔ ہیئت میں انہوں نے کچھ خاص تجربات نہیں کئے۔ صرف ''نیا کشمیر'' اور دو ایک جنگی ترانوں میں ایسے تجربات نظر آتے ہیں غزل یا وژن کے کسی شعر میں جب وہ حسن و عشق کی بجائے کوئی دوسرا موضوع برتنے لگتے ہیں تو ان کی کوشش یہ رہتی ہے کہ اس کی شعریت حتی الامکان برقرار رہے۔ ملاحظہ ہو ؎

ہی پوٗشکی پاٗٹھی گزاٗرم زندگی
لنجہِ اٗجہِ گونہٕ گوٗب زانٛہہ بار میون

(میں نے چنبیلی کی طرح دن گزارے اور اپنی نازک ٹہنی کے لیے بوجھ نہ بنی)

بُلبلن دۆپ گلس حسن چھےٚ پور کیاوَنے زیو چھےنہٕ سُے چھُے قصور
بے زبان ییٚتہِ چھِنہٕ زندٕ روزان مارٕمتہِ وارٕ وتہِ لاگ میۆن پان

(بلبل نے پھول سے کہا کہ تیرے حسن میں کوئی کمی نہیں بغیر اس کے کہ بول نہیں سکتے اور بے زبانوں کے لئے جینا دشوار ہے)

مہجور نے کشمیری شاعری کے ذخیرہ الفاظ میں خوب اضافہ کیا اور رائج الفاظ کو جو اب قریب قریب پامال ہو چکے تھے۔ نئی زندگی بخشی اور انہیں معنی کی نئی جہتوں سے آشنا کیا، انہیں معنویت دی گل، خار، بلبل، باز، باغ، چمن، پھلواڑی، باد صبا، صبح، شام، اندھیرا، روشنی، بجلی، باغبان، سہیلی، سورج، شبنم، تارے اور ایسے بہت سے الفاظ مختلف معنوں میں استعمال کئے۔ ان سے علامتوں کا کام لیا گیا۔ بلبل، عاشق ہی نہیں، کشمیر کا باشندہ بھی ''ٹھہرا خار دشمن بھی اور محافظ بھی، باد صبا منچلا عاشق بھی اور بیدار کی نوید بھی۔ اسی طرح تشبیہات واستعارات کی دنیا میں بھی مہجور نے نئے گل کھلائے۔ پرانی تشبیہوں کو نئی آب وتاب دینے کے ساتھ اچھوتی اور نادر تشبیہوں سے کشمیری شاعری کو مالا مال کیا۔ ملاحظہ ہو

گل آفتابن موہر لرٕ تھالن لولکہِ اسمانہ ہیتھ آوراش
اسبند زولس أمی گل لالن سنگر مالن پہو پڑاگاش

(سورج مکھی نے اپنے تھالوں میں اشرفیاں سجالیں، پیار کے لگن سے سرمایہ لایا اور گل لالہ نے نظر بد دور کرنے کو اسپند جلایا)۔

مہجورؔ کی مقبولیت میں اُن کے کلام کی دلنوازنغمگی اور دلفریب ترنم کا بھی کافی حصہ ہے ان کے بیشتر اشعار جو اکثر وزن سے تعلق رکھتے ہیں۔ سراپا نغمہ ہیں چاہے انہیں محمود شہری گاتا یا کوئی اور وہ ہر حال میں فردوس گوش ہیں اس ترنم کا راز اُن کے اشعار کی بے انتہا روانی میں مضمر ہے۔ جو خود اعلیٰ درجہ کی فصاحت اور زبان پر قدرت کا نتیجہ ہے۔ انہیں کشمیری روزمرہ اور محاورہ پر پورا عبور ہے عورتوں کی زبان اور محاورہ پر دسترس ہے اور اس کے برتاؤ کا خاص سلیقہ اس سلسلے میں یہ اشعار قابل ذکر ہیں ۔

شبنمن موختۂ ہار ویرِ حر چانہ کوٚر تیار
کمہِ شوٗژ شانے دلبر میٲنے

اسمانہٕ پیٚیس تھامہ گیس پامہٕ رۄٚزم جاے وتہِ پٔٹھ ژلسم

یارٕ سٕنٛز کتھ چھَس وارٕ یاد تھاوان دون وُٹھن زانٛہہ تہِ بادان چھس
گل ونہِ بلبلس بوز کیا باغوان پوشن مالہٕ کرٕناوان چھس

(شبنم نے تیری محبت میں موتیوں کے ہار پروئے۔ کس نفاست سے، اے میرے محبوب ذرا دیکھ تو)

(آسمان سے گر کر حالات کی جھاڑیوں میں ایسے اٹک گئی کہ طعن وتیشع کا نہ ہدف نبی۔ سرراہ موتیوں کا ہار بکھر کر رہ گیا)

(دوست ذرا دل پر نقش کر کے ہونٹوں کو بھی ان سے بے خبر رکھتی ہوں گل و بلبل کی باتیں مالی کی سمجھ میں کیسے آئیں)

مہجورؔ محبوب کی سراپا نگاری، عاشق کی بیقراری، ہجر وصل کی باریک لطیف اور نازک کیفیتوں کو بڑی دلفریبی سے موضوع شعر بنانے کے علاوہ ایک اور طرح بھی ڈال دی اس نے عشق کی مجبوری کے ساتھ ساتھ حسن کی نیاز مندی کے تصورات بھی اُبھارے حُسن ہمیشہ محو ناز ہی نہیں رہتا کبھی سراپا نیاز بھی بنتا ہے دونوں ایک دوسرے کے محتاج ہیں ملاحظہ ہو

پوشہٕ مال روشہٕ چھس پان پأراوان
مشکہٕ ئتی ہی تن ناوان چھس
اوش نے مانم ساز چھُم راوان
کوٚت نبر سیاسر چھس بے پے بے رہبر چھس
أندری ہتھ بوٚ شر چھس لوٚچ چھم بیمأری

(میں پھول سی نازک پری چپکے چپکے بناؤ سنگھار، کر کے اپنا یا سمین بدن خوشبو میں بسار ہی ہوں لیکن پیا نہ مانے تو سب بے سود ہے)

(عورت ذات ہوں، کہاں جاؤں، کیسے جاؤں اور کون رستہ بتائے دل ہی دل میں محبت کی آگ لئے ہوئے ہوں اور یہ درد سہہ رہی ہوں)

مہجورؔ کے اشعار کی روانی فصاحت اور مقتضائے حال سے مناسبت کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان میں لکھی گئی بیت یا مصرعے زبان زد عوام ہو کر ضرب الامثال بن گئے جیسے۔ ع

جان بن جان بن جانان بن ۔۔۔ وندِ ژلہِ شین گلہِ بیٚہ یِی بہار
خوش چھُ دُنی یا خوش اگر تھاون دل ۔۔۔ بوزِ وِنی بوزان أنہٕ أندرِ یے

وغیرہ (اتنا اچھا بن کہ لوگ عزیز رکھیں سرما کے بعد پھر بہار آئیگی دلشاد ہو تو دنیا شادمان نظر آئے۔ سمجھنے والے پردوں میں چھپی بات بھی سمجھتے ہیں)

مہجور نے کشمیری شاعری کے مروجہ لب ولہجہ کو برتنے کے ساتھ ساتھ اسے ایک نیا لب و لہجہ دینے کی بھی کوشش کی۔ اب تک یہ لہجہ بیشتر انفعالی تھا اب اس میں فاعلیت بھی آگئی یعنی اس لہجہ میں انسانیت کے علاوہ مردانگی کا انداز پیدا ہوا۔ لطافت، نزاکت، بے چارگی، نیازمندی اور انکساری کے ساتھ گھن گرج، زور آوری، ولولہ انگیزی، جوشیلا پن اور خودداری کی مثالیں دیکھنے میں آئیں جمال کے ساتھ جلال کے تیور جگہ پانے لگے۔ یہ وقت کا تقاضا تھا اور مہجور کی خوش قسمتی تھی کہ اس نے اس تقاضے کا ساتھ دیا۔ یہ لہجہ مندرجہ ذیل جیسے اشعار میں خوب نمایاں ہوتا ہے

اگر وزناوہن بستی گلن ہنز تراو زیرو بم
بنیُل کرواو کر گگرایہ کر طوٗفان پیدا کر
راتہٕ موٗغلس زٕروٕ کس چمنس اندر
پنجہ دِتھ تس لنجہِ کڈِ شہباز میون
منگہِ نُک تے راز باوُنک وقت گونوو دور آو
یس مژھن منز زور آسن روزِ سُے ووٗنی کامیاب

(اگر تو پھولوں کی بستی کو جگانا چاہتا ہے تو طاؤس و رباب کو چھوڑ کر زلزلہ پیدا کر ''آندھی لا'' گرج چمک اور طوفان پیدا کر)۔

(داغ و بوم کو چمن میں کون رہنے دے۔ انہیں میرا عقاب پنجہ مار کر پاش پاش

کرے گا)

(منت وسماجت کرنے کا زمانہ گذر گیا اور نیا دور شروع ہوا۔اب جس کے دست وباز و طاقتور ہوں گے وہی کامیاب رہے گا)۔

کلام مہجورؔ کے خزانے میں چند ایسے آب دار موتی بھی پائے جاتے ہیں جن کی قدر و قیمت اپنے زمانے کے حدود کو پھلانگتی ہے اور ان کی آب و تاب کبھی ماند نہیں پڑ سکتی۔ ایسی نظمیں یا اشعار ان کی رمزیہ و ایمائی شاعری کے جیتے جاگتے نمونے ہیں۔ان میں مہجور کا فکر وفن بڑی حسن و خوبی سے ہم آہنگ ہوتا نظر آتا ہے۔اس قسم کے کلام کی مثالیں ہیں اُن کی نظم ''پہاڑوں کی چوٹیاں جگمائیں۔ کسی حد تک ان کی نظم بچپن، اور 'بجلی' اور 'چاند' کے کچھ اشعار سے۔اُن کی غزلوں میں بھی ایسے اشعار تلاش کئے جاسکتے ہیں۔ذیل میں چند مثالیں دی گئی ہیں۔

نیٚہہ گٹہِ گوس بیدار کنن کُتہِ جہِ بوُلُن گوم
زوٗنُم زِ ونہِ موکلیوو پرتو ژوو سونتھ کالن
وۄتھ شور یامتھ واو حسنس موج ٹلتھ گو
اظہارتی کوٚر زلفہِ اچھ تھتھرایہ ونے کیا
لوِٕ ہرتہِ چھندرِ میژ مسول ونان چھے واوس
دامانہِ میون تیمی چھوٚل تس زانہہ قرار آسیا
واو صبحُک سُلہ اوس لاران تنبیلو مُت گُستام ژھاران
ختہِ پوشوٗ کرس جایہِ جاے پایہِ بڈِ میانہِ یاون رایے

(منہ کے اندھیرے آنکھ کھلی تو ابابیلیں چہچہا رہی تھیں۔سوچا شاید سرما کے دن کٹ گئے اور بہار آنے کو ہے)

(ہوا نے بحرِ حُسن میں تموج پیدا کیا تو اِک شور مچا، مجھے زلفوں کی تھرتھراہٹ سے اس کا اندازہ ہوا)

(اوس پڑی افسردہ مسول (ایک پھول کا نام) ہوا سے کہنے لگی جس نے میری غیبت کی اُسے کبھی سکون حاصل نہیں ہوگا) اس شعر میں جو لطافت فن ہے وہ ترجمہ سے ہوا ہوتی ہے۔

(بادِ صبا منہ اندھیری بڑی عجلت میں گھبرائی ہوئی کسی کو ڈھونڈ رہی تھی، راہ میں جن پھولوں سے گزری وہ اس پر ہنس پڑے۔اے میرے سربلند محبوب)

مہجور کے کئی اشعار میں دعویٰ و دلیل کی خوبی ہے یہ چیز غنی کشمیری کے کلام کی خاص خصوصیت اور اس دور کے فارسی شعرا کے فن کی خاص پہچان ہے۔دو ایک شعر ملاحظہ ہوں ؎

چھِنہ عائشہٕ متھن ستی رلان دأدی لد غمگین
مژ پوشہ چمنن جاے توے رئٹھ نہ گلالن
چھا اکثر پاک سیرت دور روزان ژھایہ لوکنش
توے لوٚب کُن چھِ رٹہٕ جاے پمپوشو سرن اندر

(دکھی اور غمزدہ لوگ عیش و عشرت والوں سے نہیں ملتے جُلتے اسی لئے پھولوں بھرے چمن میں گل لالہ نہیں کھلتا)۔

(حسن سیرت رکھنے والے لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہا کرتے ہیں۔اسی لئے

جھیلوں میں کنول ہمیشہ چھُپے گوشوں میں کھلتے ہیں)۔

مہجؔور کو خود اپنے کلام کی دو خصوصیات کا خاص طور پر احساس تھا اور ان پر ناز بھی ایک اس کی جدت اور دوسری اس میں لوگوں کو خواب غفلت سے جگانے کی اہلیت انہیں اس بات کا بہت افسوس تھا کہ ان کے کلام کی صحیح روح کے سمجھنے والے ان کے زمانے میں نہیں ملتے لیکن اس بات کا یقین بھی کہ ایسے لوگ بعد میں ضرور پیدا ہونگے۔

مہجور کأشرِ کأنسہِ ژٕ زونگھ نہٕ ونستام
یم زانہٕ نے تم وُنہِ چھِ ینے بوز کأنہہ کأنہہ زاو

(اے مہجؔور اب تک کوئی کشمیری تجھے نہ پہچان سکا تجھے پہچاننے والے ابھی پیدا نہیں ہوئے۔ سنا کہ کسی کسی نے جنم لیا ہے) یہ شعر ۱۹۴۵ء سے پہلے کا ہے جب تک کشمیری زبان وشاعری مصنفہ عبدالاحد آزاد اشاعت پذیر نہ ہوئی تھی۔ ورنہ شاید انہیں یہ شکایت نہ ہوتی۔ رہا سوال انکے بعد انہیں پہچاننے والوں کا، اسکا جواب اسی جیسے مقالے دے سکتے ہیں۔

☆

حامدی کشمیری

مہجور کا ایک وژن ۔ تجزیاتی مطالعہ

رسول میر سے لے کر مہجور تک کئی نامور شعراء نے اکثر و بیشتر غزل/ وژن کی صنف میں عشقیہ جذبات کا اظہار کیا ہے۔ یہ جذبات بالعموم کرب انتظار، تپش آرزو، شوق وصل اور غم جدائی پر محیط ہیں، تاہم مجموعی طور پر ماضی کی عشقیہ شاعری میں اندوہ، ہجراں ایک پر سوز فریاد (ویدا کھ) بن کر اُبھرتا ہے، اور پوری شعری فضا پر چھاتا ہے، فریاد کی یہ لے کبھی شاعر کی نجی آواز بن کر اُبھرتی ہے اور کبھی ایک فراق زدہ فرضی نسوانی کردار کی روح کی چیخ میں ڈھل جاتی ہے۔ اس نوع کی شاعری اردو میں گتیوں یا بارہ ماسہ کی صورت میں ملتی ہے، ایسی شاعری میں شاعر اپنے ذاتی دکھ درد کا بے تکلفانہ اظہار کرتا ہے چونکہ اس کی آواز میں سچائی اور خلوص ہوتا ہے اسلئے وہ تاثیر رکھتی ہے، اور لوگوں کے دلوں کو گداز کرتی ہے، لیکن بغور دیکھا جائے تو ایسی شاعری بعض عمومی شعری اوصاف یعنی موزونیت یا تشبیہہ واستعارہ کے عنصر کے باوجود بین کرنیکے انداز، یا گریہ کاری یا مجلس عزیٰ کے ذاکر کی تقریر سے مختلف نظر نہیں آئے گی۔ اس لئے اسکی شعری بالیدگی مشتبہ رہے گی۔

کسی شخص سانحے، خواہ وہ مرگ عزیز یا دوری حبیب سے ہی متعلق کیوں نہ ہو،

سے متاثر ہو کر اپنے زخم خورہ جذبات کا بیانیہ اظہار شعری ترفع کے حصول سے کوسوں دور رہتا ہے، شاعری شعوری طور پر سوچے گئے یا محسوس کیئے گئے خیالات یا جذبات کا اظہار نہیں، شاعر کا ذہن خارجی حالات سے متصادم ہو کر، اپنی پوری آزادی اور زرخیزی کو برقرار رکھ کر، اپنے داخلی ردعمل، جو پوری شخصیت کا جوہر لطف ہے کو سیمیائی نمود میں شناخت کرتا ہے اور اسے حیاتی پیکروں میں سمو دیتا ہے، تخلیق کے اس پیچیدہ اور لاشعوری عمل میں وقتی جذبات کا قطعی اخراج ہوتا ہے اور جو نظم شعر معضر زِ وجود میں آتا ہے وہ فوری نوعیت کے محرکات وعوامل ماوریٰ ہو جاتا ہے، ایسی نظم جذبے کی افراط وتفریط سے نہیں، بلکہ اسکی تنظیم سے علاقہ رکھتی ہے، ورڈس ورتھ کی لوُسی نظمیں ہوں یا میر اور غالب کی غزلیں، وہ تخلیقی عمل کے اسی طریقے کی پابند ہیں، اس تناظر میں دیکھئے تو کشمیری کی عشقیہ شاعری کا اکثر حصہ شعراء کا ذاتی نوحہ بنکر رہ جاتا ہے، جو شعری وقار سے محروم ہے، یہ ضروری ہے کہ رسول میر حبہ خاتون، شمس فقیر، صمد میر اور احمد بٹواری کی غزلوں کے بعض اشعار عشقیہ جذبے کے بجائے عشقیہ تجربے کی پیکر تراشی پر دلالت کرتے ہیں۔ اور کشمیری ذہن کی خلاقی کا ثبوت دیتے ہیں۔ مہجورؔ کے یہاں بھی ایسے اشعار ملتے ہیں۔

اُن کی غزلوں کا بنیادی موضوع بھی عشق ہی ہے، یہ اُن کے یہاں تب وتاب آرزو بن جاتا ہے، لیکن جو خوبی عشق کے برتاؤ میں انہیں متقدمین سے ممیّز کرتی ہے، وہ یہ ہے کہ ان کے یہاں عشق ذاتی نوحہ فریاد بن کر نہیں رہ جاتا بلکہ یہ اتنی تشکیلی صورت میں جذباتی وفور کی تہذیب کا باعث بن جاتا ہے یعنی اُن کے یہاں یہ جذبہ شاعری میں معروضی پیکر پر ڈھلتا ہے اور جمالیاتی تشخص حاصل کرتا ہے، اس سے بھی

زیادہ معنی خیز ثابت یہ ہے کہ عشق ان کے پورے تخلیقی وجود کو متحرک کرتا ہے اور تخلیق شعر کا بنیادی محرک بن جاتا ہے، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ عشقیہ جذبہ مہجور کی داخلی زندگی کی گہرائیوں میں اُتر کر شعور اور لاشعور کی حد فاصل کو پگھلا دیتا ہے، اور تخلیقی سوتوں کو جگاتا ہے، اس طرح سے وہ اس جذبے کا راست اور ایک سطحی اظہار نہیں کرتے، بلکہ ''ماورائے سخن بھی ہے اک بات' کے مصداق اس جذبے سے نہ جانے اور کتنے خوابیدہ یا بیدار جذبوں کو متحرک کرتے ہیں اور ایک وحدت میں سمو دیتے ہیں، یہ کہنا غلط نہیں کہ وہ تخلیق شعر کے عمل میں جذبے کے بجائے وقوعوں اور پیکروں سے زیادہ نسبت رکھتے ہیں جو جذبے کے متنوع رنگوں کی تجسیم کاری کرتے ہیں اور قاری کو حیرت اور مسرت سے ہمکنار کرتے ہیں، غالب نے لکھا ہے،

ہے مشتمل نمود صور پر وجود بحر
ہاں کیا دھرا ہے قطرہ و موج و حباب میں

مہجور کے بحر تخیل کا جواز بھی 'نمود صور' ہی میں ملتا ہے نہ کہ 'قطرہ موج وحباب میں، ظاہر ہے کہ ان کے یہاں جذبہ عشق اگر کوئی اہمیت رکھتا ہے تو اس بنا پر کہ یہ ان کے یہاں تخیلی پیکروں کی نمود کا باعث بنتا ہے، پیکروں کی جلوہ گری طلسم کاراہ ہے، اور ان کی شخصی زندگی سے لاتعلق ہو کر ایک آزادانہ تخلیقی تفامل بن جاتی ہے۔ اس کی ایک عمدہ مثال وہ وژن (جو مصرع غزل) ہے جس کا تکراری مصرع ''جاے تمۂ رٹ پرستانن منز ہے پہلا شعر یہ ہے

وٚیسی ییے کیا ملالہِ روٗٹ جانانن   جاے ئمۂ رٹ پرستانن منز
دلہِ ئُیے حال کیا باوٕ غاۆر زانن   جاے تمۂ رٹ پرستانن منز

اس شعر میں ایک فراق نصیب عورت سامنے آتی ہے جو اپنی سہیلی سے مضطرب لہجے میں پوچھتی ہے کہ اس کے محبوب نے کس شگفتگی کی بنا پر پرستانوں میں اپنا ٹھکانہ بنایا ہے۔ وہ انجانے لوگوں سے دل کا حال کہنے سے معذور ہے۔ شعر کا نسوانی کردار محبوب کی لاتعلقی کا ذکر عمومی انداز میں نہیں کر رہا ہے بلکہ لفظوں کے سیاق وساق ایک عملی صورت حال کو خلق کرتا ہے۔ عورت تنہائی میں محرم راز سہیلی سے مخاطب ہے اُس کے انداز قافیہ یعنی ویسی کے ساتھ ''یے'' کے اضافے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شکوؤں سے بھری بیٹھی ہے مگر اغیار سے حال دل کہنے کے بجائے اپنی سہیلی سے خطاب کرتی ہے۔ وہ اس سے بھی کھل کر حال دل نہیں کہتی۔ صرف محبوب کی خفگی کا سبب جاننا چاہتی ہے اسے معلوم ہے کہ اُس کے محبوب نے اپنا مستقر پرستانوں میں بنایا ہے۔ شعر میں پر ستانن (پرستانوں) کی معنی خیزی توجہ طلب ہے۔ محبوب گوشت پوست کی عورت کے بجائے کسی پری کی طارے بیٹھا ہے، اور وہ پرستانوں سے جہاں آب وگل میں مراجعت کرنے پر رضامند نہیں، ممکن ہے کہ اس نے انسانوں میں حسن یا وفا کی کمی کی پیش نظر پر یوں کا انتخاب کیا ہو، ''پرستانن'' کے استعمال سے شعری صورت حال ماورائی بلندی کو چھوتی ہے اور رومانی سحر کاری کے دروازے کھلتے ہیں۔ شعر کی تخیلی تشکیل میں ''غار زانن'' (انجانوں) کا استعمال بھی تقویت دیتا ہے۔ شعری کردار کے لئے اپنے بھی انجانے ہو گئے ہیں۔ یا وہ ایک ایسی جلاوطنی کی زندگی گذار رہی ہے، جہاں سوائے ایک دوست کے، جو اسکی ہمراز بھی ہو سکتی ہے۔ اس کا کوئی شناسا نہیں ہے۔ وہ اپنے حال دل کو اب اظہار تک نہ لاتے ہوئے بھی محبوب کی بے وفائی سے پیدا شدہ تنہائی، رشک، ذات گزینی، اضطراب اور محرومی کے جذبات کا احساس دلاتی ہے دوسرے شعر

یار دراو پھیرنہِ پوشہِ مأدانن ساتھاہ بیؤٹھ ارغوانن مٔنز

پوشو رنگ روٗٹ آنن فانن جاے تمٕی رٕٹ پرستانن مٔنز

میں محبوب کے گل گشت اور غوانوں کے ساتھ ہم نشینی کا ذکر ہے۔ ٹیپ کے مصرعے یعنی جاے تمٕی رٕٹ............ سے وہی فراق زدہ عورت سامنے آتی ہے جو پہلے شعر میں مخاطب ہے اس شعر میں محبوب کی شخصیت کے جادو کا احساس ہوتا ہے وہ گل پوش میدانوں (پوشہ مادان) کی سیر کرتا ہے اور ارغوانوں کی صحبت پسند کرتا ہے۔ اس کے سیر گل کا یہ کرشمہ دیدنی ہے کہ پھولوں نے آناً فاناً (آنن فانن) رنگ اختیار کیا یعنی پھولوں کے رنگ بھٹکی اور محبوب ہی کا نتیجہ ہے ورنہ اُسکے آنے سے قبل پھول بے رنگ تھے اور باغ میں ایک رنگی یا بے رنگی کا لگا دینے والا عالم تھا، شعر میں ایک مثالی محبوب اُبھرتا ہے جو جادوئی اثر رکھتا ہے۔

سوندرا مٔژ گمژ سازو سامانن سٕنز کرٕان اُس روپہٕ خانن مٔنز

یاونکہِ مدٕ وأج عشقہٕ طوفانن جائے تمٕی رٕٹ پرستانن مٔنز

اس شعر میں داستانوں کی حسینہ سامنے آتی ہے، وہ مست شباب ہے اور تزئین حسن کیلئے آرائشی سامان کی دیوانی ہے وہ حسن کدوں میں تیاری میں مصروف ہے۔ آرائش جمال سے جنوں کی حدتک شگفتگی اور غرور شباب اسے کیٹس کے خوابوں کی حسینہ کی دلکشی اور چمک عطا کرتا ہے، لیکن بات یہیں پر ختم نہیں ہوتی، داستاں کا انٹی کلائمکس اُس وقت آتا ہے جب وہ عشق کے ہاتھوں بے بس ہو جاتی ہے، شاعر نے ''یاونکہِ مد'' اور عشقہ طوفانن'' کے حیاتی پیکروں سے اسکی مصوری کی ہے۔ شعر میں جس داستانوی کردار کو اُبھارا گیا ہے۔ وہ خود وژن کے شعری کردار یعنی فراق نصیب

عورت کا معروضی متلازمہ ہوسکتا ہے۔اس طرح سے یہ وژن روایتی غزل کی منتشر الخیالی کے الزام سے بچ جاتا ہے کیونکہ پہلے شعر کے پس منظر کیلئے بقدر اشعار عقبی زمین کا درجہ حاصل کرتے ہیں۔اور فلش بیک کا کام کرتے ہیں اور وژن ایک تجرباتی وحدت سے متصف ہوجاتا ہے۔

اگلے شعر

واٗش ییٚلہِ کوٚڈ ژٕمۍ زُلفہٕ پیچانن گاش رود ژور دُردانٔن منز

مُشک دار واو ژاو منز گلستانن جائے ژٕمۍ رٔٹ پرٕستانن منز

میں چند جادوئی لمحے روشن ہوجاتے ہیں شعری کردار کہتا ہے کہ جب اس حسینہ نے زلف پیچاں کھولے،تو روشنی ''دُردانوں'' میں مستور ہوگئی۔یہ موتی بھی ہوسکتے ہیں جواُس کے کانوں کے جُڑاوٗ بندوں میں لگے ہیں یا زیر آب صدف پوش میں روشنی کا سمٹ کر موتیوں میں چھپ جانا اور فضائے عالم کا تاریک ہونا دلچسپ تخیلی وقوع ہیں،ایک واقعہ یہ بھی ہے یہ زلف پیچاں کے کھلنے اور اس سے مس ہونے کے نتیجے میں ہوا مشکبار ہوگئی ہے اور گلستانون میں داخل ہوگئی ،شاید پھولوں کے جواپنی خوشبو پر نازاں ہیں،یہ بتانے کیلئے کہ خوشبوئے زلف سے مانوس ہونے کے بعد گلستانوں کے سوا اور کہیں رہنے کو جگہ نہیں رہی،گلستانوں کی معطر فضائیں ہی اب اسکی نازک دماغی کی قدر کرسکتی ہیں۔بہر حال شعر میں ''ژاو'' (داخل ہوا) کا سادہ سا لفظ تلازمی کیفیات سے معمور ہے۔

روے نازمو یہ کہن تل سایہ بانن پاد شاہ دون پاسبانن منز

گاہ ترٚوو ماہ تابانٔن جائے ژٕمۍ رٔٹ پرستانن منز

اس شعر میں بھی رخ وگیسو کی مثالی خوبصورتی جھلکتی ہے محبوب کے روئے ناز کو ''گیسو کے سائبانوں'' نے ماہ تابان کے استعاراتی پیکر کی مدد سے دکھایا گیا ہے شعر مکمل طور پر استعاراتی ہے، گیسو کے سائبان بادشاہ، پاسبان، نصف شب اور ماہ تابان کے استعاروں نے نوروسایہ میں لپٹی ہوئی الف لیلوی داستان کا منظر نام تخلیق کیا ہے اوراب اس شعر۔

پھیران جنگلن کوہ بیابانن حأران گیس وآرانن منز
کیا کیا یترو تیم میأنی پانن جائے تمی رٔٹ پرستانن منز

میں مخاطب ہے یہ وہی فراق نصیب عورت ہے جو پہلے شعر میں اپنی سہیلی سے مخاطب ہے اس شعر میں اس کا تخیل وجود زیادہ مستحکم ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی سرگزشت سناتی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ وہ جنگلوں پہاڑوں اور بیابانوں میں پھرتی رہی۔ وہ ویرانوں میں حیرت زدہ ہوگئی اور کیا کیا دُکھ اُسے جھیلنے نہ پڑے 'حأران گیس'' اور کیا کیا تیرو' میں ابہام ہے۔ مجموعی طور پر اس شعر میں پیکر تراشی کا عمل علامتی نوعیت میں بدل جاتا ہے اور غزل کی معنویت دو چند ہو جاتی ہے۔ جنگل اور کوہ و بیابان' ذہنی ویرانی' سماجی جبریت تنہائی، تلاش، بنجرپن اور عذاب کے معانی پر محیط ہو جاتے ہیں۔

ان چند اشعار کے تجزیے سے ظاہر ہوتا ہے کہ مہجور نے اپنے اکثر متقدمین کی مانند جذبہ عشق کی راست ترسیل نہیں کی ہے، یہ اسکی استعاراتی باز آفرینی کو ملحوظ رکھا ہے۔ وہ غالب کی طرح قطرہ وموج حباب کی بے معنویت سے آگاہ ہیں اور ورڈس ورتھ کی طرح وجود کبر سے نمود صور سے ذہنی مناسبت رکھتے ہیں۔ ان کے یہاں حائل عشق رشک وآہ نہیں بلکہ پیکر ہائے جمیل ہیں، اور یہ عمل ایک سچے شاعر کی پہچان ہے۔

یہ ضرور ہے کہ مہجورؔ کے محولہ بالا وژن میں ''عشق'' عورت کی خوبصورتی یا غم جدائی سے بات آگے نہیں بڑھتی، یہ حیات و مرگ کے گمبھیر مسائل سے تعرض نہیں کرتا، لیکن اس سے اسکے فنی وجود کی معنویت ہرگز کم نہیں ہوتی۔ مہجور نے جیسا کہ سطور بالا میں ذکر ہوا فن کے چند ناگزیر مطالبوں کو پورا کر کے وژن کو فنی استحکام عطا کیا ہے۔ انہوں نے فن کی غیر شخصی عنصر استعاراتی عمل، پیکر تراشی اور اجمال پسندی سے کام لے کر ایک عمدہ فن پارہ تخلیق کیا ہے۔ یہ بات کم اہمیت نہیں رکھتی کہ زیر نظر فن پارے میں حسن و عشق کی آویزش انسان کے باطنی تضاد کا استعارہ بن جاتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ان کا یہ خلاقانہ انداز پوری غزل یا دوسری غزلوں کے اشعار میں تمام و کمال قائم نہیں رہتا۔ ان کے متعدد اشعار ایسے ہیں۔ جو جذبے کا راست اظہار ہیں اور ان کی سطحی اور تعمیم زدہ نظموں کی پست سطح کو چھوتے ہیں۔'' تاہم ان کے بعض اشعار ایسے ضرور ہیں جو اُن کے فنی شعور کی گہرائی کے مظہر ہیں۔

اس وژن کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس میں مہجورؔ کے رومانی ذہن کی ایک جھلک دکھائی دیتی ہے۔ رومانی فنکار حقیقت کی سنگلاخی سے کنارہ کش ہو کر تخیل کی دور افتادہ گلپوش وادیوں میں گوشہ گزیں ہو جاتا ہے۔ وہ مثالی حسن کا پرستار ہے۔ مہجورؔ نے اس وژن میں پرستانوں، گلپوش میدانوں، آئینہ خانوں، زلف پیچاں، دُردانوں، بادشاہ و پاسباں اور کوہ جنگل کے استعاروں سے ایک رومانی دنیا بسائی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اس دنیا میں افسردگی اور اضطراب کے سائے بھی ہیں، مگر یہ سائے روح فرسا تاریکی میں بدل نہیں جاتے۔ مہجور عشق اور روماں کی اس روایت کے شاعر ہیں۔ جو ان کے عہد تک آتے آتے اپنے لفظ آخر کو پہنچ گئی تھی۔ اور ان کی موت کے ساتھ ہی رو بہ زوال

ہوگئی۔ نتیجے میں وہ اس وحشت ناک شعور سے محروم رہے جو اُن کے بعد آنے والے خود آگاہ شعرا کے وجود کو پارہ پارہ کراتا ہے ؎

یہ پارہ پارہ کرے اور وہ اڑائے جائے
جو فرق ہے تو ہوا و ہنر میں اتنا ہے
(ظفر اقبال)

☆

شفیع شوقؔ

مہجوؔر کی شاعری کا اساطیری ماحول

مہجوؔر اس زمانے میں لکھ رہے تھے جب جدید علوم کی بے رنگ دھوپ میں اساطیر کی تہداراور رنگ بستہ پر چھائیاں زندگی کے ہر پہلو میں مٹ رہی تھیں۔ ادھر کشمیری شاعری کی صدیوں پرانی روایات اپنی انتہا کو پہنچ کر بانجھ ہو چکی تھیں۔ اوران کے حدود کے اندر کسی اصلیت (ORIGINALITY) کے امکانات بھی ختم ہو چکے تھے۔ چونکہ مہجور ہر اچھے شاعر کی طرح زمانہ شناس تھے اور زمانے کا تقاضا یہ تھا کہ شاعر مافوق الفطری اور مابعد الطبیعاتی عالم سے نکل کر اپنی آس پاس کی دنیا کی سکونت اختیار کر کے اسی دنیا کے مسائل کو اپنی شاعری میں پیش کرے۔ ایسی حالت اچھے شاعر کو ہمیشہ آزمائش میں ڈالتی ہے کیونکہ آس پاسکی عام حقیقت عام نگاہوں میں بہت ہی عامیانہ اور بے رنگ معلوم ہوتی ہے شاعر کیلئے یہ ایک امتحان سے کم نہیں ہوتا ہے کہ وہ اس عامیانہ اور بے رنگ زندگی کی کس طرح غیر عامیانہ اور رنگبستہ بنا سکے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ایسی حالت میں اچھی شاعری وجود میں نہیں آسکتی کیونکہ شاعری ہمیشہ عقلیت کی ضد ہوتی ہے لیکن یہ سراسر ایک وہم ہے ایسا نہیں ہوسکتا کہ سائنس کی ترقی اور مقبولیت کے ساتھ ساتھ شاعری متروک ہونی چاہیئے۔ شاعری کا مستقبل ہے اور یہ

سائنس کی ترقی کے دوش بدوش اپنی طرحیں بدلتی رہے گی (یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ترقی کرے گی، کیونکہ شاعری میں ترقی نہیں ہوتی) اور انسان کی رنگ بدلتی جمالیات کو پیش کرتی رہے گی۔ البتہ یہ ایک لازمی شرط ہے کہ سائنس عقلی سطح پر مکمل ہونے کے ساتھ ساتھ جذباتی سطح پر بھی مکمل ہو۔

مہجورؔ ایک اچھا شاعر تھا۔ وہ اس طرح کہ وہ اپنی زبان کی کھوئی ہوئی معنوی قوت کو پھر سے بحال کر سکا اور اسمیں نئی قوتیں تلاش کر سکا۔ گریسی کوٗر (کسان کی بیٹی مہجورؔ کی ایک پیاری نظم ہے اور یہ نظم مہجور کی شاعری کی کئی خصوصیات کی نمایندگی کرتی ہے۔ اس نظم کا واحد اور خاموش کردار کسان کی بیٹی ہے جو ایک طرف کشمیری شاعری کی روایت سے ہٹ کر کوئی شہزادی یا پری نہیں، بلکہ کسی گاؤں کے ایک غریب اور لاچار کسان کی بیٹی ہے جو محنت کش ہے، بناؤ سنگار نہیں جانتی کھیتوں میں مردوں کے ساتھ کام کرکے بھی حیا کا دامن تھامے ہوئے ہے۔ غرض وہ کئی طرح سے ایک آدم زاد مخلوق ہے لیکن مہجور ایک شاعر کی حیثیت سے اس آدم زاد کو انہی عام خاصیتوں میں قید نہیں رکھ سکتا۔ کیونکہ اس صورت میں شاعری ہو ہی نہیں سکتی۔ شاعر کی دید آگہی (Vision) اس لڑکی کو عام زندگی سے آزاد کرکے کئی غیر مانوس رنگ بھی بخشتی ہے شاعر اس کسان کی بیٹی کے ماحول کو اسطرح سے پیش کرتا ہے۔

پوشہٕ وٕنہٕ باگٕچ پوشہٕ گوندری یے
گریسی کوٗری نازنین سوندری یے
سورٕچ ہی مائلی قاپٕچ پٔری یے
گریسی کوٗری نازنین سوندری یے

آزاد ونہٕ چی پوٚشے تھٔری یے
مشکہِ ٔستی ٹوٚری کٔمی بٔری یے
ستھ رنگ بخشی کٔمی رنگری یے
گریسی کوٗری نازنین سوندی یے

(کسان کی بیٹی! تو ایک سدا بہار باغ کا گُل دستہ ہے۔ تو جنت کی ''ہیمال'' یا کوہ قاف کی پری تو ایک آزاد جنگل کی جھاڑی ہے کس نے تیری پھولوں میں یہ خوشبو بھر دی۔ یہ کس رنگ ساز نے تجھے سات رنگ بخشے ہیں؟)

واضح ہے کہ یہ کشمیر کا کوئی منظر نہیں ہے اور کسی دوسرے ملک کا منظر بھی نہیں۔ شاعر کا تخیل باغ جنت اور کوہ قاف کو اپنے داخلی جغرافیہ میں دیکھتا ہے ورڈس ورتھ کی ایک نظم کے کردار Solitary reaper کی طرح مہجور کی ''کسان کی بیٹی'' بھی فطری ہو کر بھی ایک مافوق الفطری کردار بنتی ہے۔ اساطیر کے گھنے رنگ شاعر کے لا شعور میں سے نکل کر آس پاس کی روایتی حقیقت پر چھا جاتے ہیں اور ایک چیز کی رنگ لیتے ہیں۔ اس عمل میں استعارہ بہت کام آتا ہے مہجور کا استعارہ کسان کی بیٹی کو زیادہ سے زیادہ روشنی کی طرف بھی لا سکتا تھا اور اپنے زیادہ سے زیادہ حقیقی بھی بنا سکتا تھا۔ لیکن اس کے برعکس استعارہ اسے زیادہ سے زیادہ حقیقت سے دور لیجا کر پُر اسرار اور مدہم جنگلوں کی طرف کھینچتا ہے وہ پہاڑیوں کے اوپر شادی بیاہ کے گیت گاتے چلتی ہے۔ اور موسیقی کی پریاں اسے مرحبا کہتی ہیں۔ اس نے زیورات کے بدلے اپنے سارے جسم پر پھول سجائے ہیں۔

''گریسی کوٗر'' نظم کی طرح مہجور کے تمام گیتوں اور غزلوں میں یہ

My Thopeiea خاصیت نمایاں ہے یہ اس کی اسطور سازی ہے جو اسکی شاعری کو عصری اور نثری حقیقی زندگی سے وابستہ رکھ کر بھی دائمی اور شاعرانہ جلال بخشتی ہے۔ شاعری تب تک شاعری نہیں ہوسکتی جب تک اس میں اسطور سازی نہ ہوئی ہو۔ Richard Chase نے اس خیال کو اسطرح پیش کیا ہے۔

شاعری کیلئے اسطور ایک ناگزیر زیرین ہیئت (Substructure) نہیں ہے۔ اسطور کیلئے شاعری ایک ناگزیر زیرین ہیئت ہے[1]۔

بشیریات نے یہ بات ثابت کردی ہے کہ قدیم لوگوں کی سوچ کس طرح خالص شاعری تھی۔ شاعری انکے لئے سائنس بھی تھی اور مذہب بھی طب بھی اور جادو بھی۔ بعد میں جوں جوں عام انسان نے شاعری میں سوچنا چھوڑ دیا اور وہ قتل پرست بنتا گیا عام بول چال کی زبان سے بھی اسطوری رنگ جاتا رہا اور پھر اسطور کے اظہار اور ترسیل کیلئے ایک ہی وسیلہ رہا یعنی شاعری۔ شاعری زبان کی اسطوری معنویت محفور رکھتی ہے اور نئے نئے اساطیر کو جنم دیتی ہے البتہ اب یہ بالکل ناممکن ہے کہ کسی شاعر کی اختراع کی ہوئی اساطیر اسطرح سے مقبول ہو جائیں اور اجتماعی عقیدے کا حصہ بن جائیں جس طرح قدیم زمانے میں ہوتا تھا ہمارے زمانے کے شاعروں کی اساطیر انکی ذاتی اساطیر ہی رہتی ہیں اور ان کے معنی انکی شاعری کے اندر ہی ممکن ہیں۔ یہ ایک تیسرے درجے کا شاعر کا کام ہے کہ وہ اجتماعی مروجہ اور معروف اساطیر کو اپنی شاعری میں اس معنی کے ساتھ پیش کرے جس معنی میں وہ عوام میں صدیوں سے مقبول ہوں۔ مثلاً ہمارے کئی شاعروں ''نے اکہ نندُن'' (کشمیر لوک ادب کی ایک مشہور تمثیل) کو

Notes on the Study of Myth[1]

پیش کیا ہے مگر اس تمثیل کو پیش کرنے میں شاعروں کا کمال زیادہ سے زیادہ صرف یہ رہا ہے کہ کس شاعر نے کسی بحر اور کن الفاظ کو استعمال کیا ہے شاعری صرف بحر قافیہ اور الفاظ کا استعمال نہیں ہے۔ اسطرح کچھ شاعروں نے ''ہی مال'' اور ''ناگ رائے'' کی کہانی کو پیش کیا ہے۔ اسطور کے اسطرح استعمال کرنے میں شاعر کیلئے اپنی انفرادی صلاحیت کو کام میں لانے کی زیادہ گنجائش ہی نہیں اور پھر کسی مروجہ اسطور کو بار بار پیش کرنے سے اس کی جاذبیت اور معنی آفرینی بھی ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس مروجہ اور معروف اسطور کو ذاتی تجربے میں ڈھال کر بھی پیش کیا جاسکتا ہے مثلاً ULYSSESS کی تمثیل کو سب سے پہلے ہومر نے اور پھر مشہور انگریزی شاعر شیلے نے اور ہمارے عہد میں عظیم ناول نگار جیمز جوایس نے ناول کی صورت میں پیش کیا ہے ان سب تخلیقات میں یولسز کی تمثیل محض ایک وسیلہ یا VEHICLE رہتی ہے نہ کہ کہانی برائے کہانی۔ جب تک کوئی تمثیل ذاتی تجربے میں ڈھل نہیں جاتی تب تک ادب میں اس تمثیل کی کوئی قیمت ہی نہیں ہوتی۔ اگر کوئی فن پارہ اسطور کا نتیجہ ہو اور اسطور خود فن پارے کا تجربہ نہیں ہم فن پارے کو نظر انداز کر کے اسطور میں ہی دلچسپی لینے لگتے ہیں اور یہ شاعری کی ناکامی ہے

مہجور نے اپنی شاعری میں کئی جگہ مروجہ اور معروف اساطیر کو پیش کیا ہے مثلاً۔

کامہٕ دِو کرِ سأل ڈل بوزم شبس گژھ تیل بل
درشنس آبس اندر پمپوش لاگتھ پژارِ ھا

(کہتے ہیں کہ کام دیو یعنی (Cupid) آج رات کو جھیل ڈل کی سیر کیلئے جا رہا

ہے۔ میں اسے دیکھنے کیلئے کنول کا پھول بن کر پانی میں محوانتظار رہوں گا)

اجہِ رأژ بوگرِ درایس ونہٕ ونہِ نأگی رایس

لأنی زالہٕ ولنئ آیس

پوشے متہِ جانانو

(میں آدھی رات کو گھر سے نکلتی تا کہ میں ''نأ گی راے'' یعنی سانپوں کے دیوتا کے گیت گاؤں۔ مجھے قسمت کے جال نے گھیر لیا ہے پھولوں کے دیوانے سن)

چھس زلیخا وتہِ پٹھ لأ رِگتھ ماے

شاہ یوسف یِیہ نایاون رائے

بیٚیہ اکہِ لٹہِ گرِژھ ملہٕ ژارو ہو

نو بہارو میٲنہِ لوکچارو ہو

(میں زلیخا کی مانند راستے میں ان کی راہ دیکھ رہی ہوں۔ کاش حُسن کا بادشاہ یوسف میری طرف آئے پھر ایک بار ہم ایک دوسرے سے مل جاتے۔

ویٚسی یہٕ کیا ملالہٕ رؤٹ جانانن

جاے تمٕ رٕٹ پٕرستانن منز

(سکھی میرا جانِ جانان پریوں کے دیس میں جا بسا کیوں وہ مجھ سے روٹھ کے چلا گیا)

ان سب مثالوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ اساطیر فن پارے پر غالب ہو کر خود ہی دلچسپ کا باعث نہیں بنتیں بلکہ یہ اشعار کے معنی میں کسی نہ کسی طرح سے اضافہ کرتی ہیں چنانچہ مہجور ایک نغماتی LYRICAL شاعر تھا'' لہٰذا اسکی شاعری میں ہم معنی کی

پیچیدگی اور کثیر الجہتی کی امید نہیں کر سکتے۔

روایتی اور معروف اساطیر کو اپنے ذاتی تجربوں کا وسیلہ بنانے کے علاوہ مہجور عام طور پر اساطیر کی مدد ایک اور طریقے سے بھی حاصل کرتے ہیں۔ جسکی طرف میں پہلے ہی اشارہ کر چکا ہوں۔ یعنی وہ ذاتی اساطیر وضع کرتا ہے۔ وہ آس پاس کی عام اور معروف اشیاء کے رنگ و بو اور سائز میں نہ الجھ کر اشیاء میں پوشیدہ قوت کو محسوس کرتا ہے۔ یہ قوت در حقیقت شاعر کے ذہن میں ہوتی ہے۔ لیکن شاعری اسطرح سے اسے اشیاء کے اندر دریافت کرتا ہے یہ قوت ان اشیاء کی ایک لازمی خاصیت معلوم ہوتی ہے۔ اسکے نتیجے میں غیر فطری چیزیں بھی فطری محسوس ہونے لگتے ہیں۔ عام لوگ جہاں چیزوں کی قریبی خاصیتوں مثلاً رنگ، بو، جسامت، حرکت اور ہیئت پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ ایک اسطور ساز شاعران خاصیتوں سے پرے بھی دیکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور ان کی پوشیدہ روح کو سامنے لا کر انہیں ایک قریبی خاصیت کی صورت میں پیش کرتا ہے۔ یہ پوشیدہ روح کولرج کی اصطلاح میں ''NATURA NATURANS'' ایک شے کی شاعرانہ حقیقت ہے۔ جو عام لوگ محسوس نہیں کر سکتے کیونکہ یہ اشیاء زیادہ مشاہدے کی وجہ سے مردہ اور بے کشش بن جاتی ہیں۔ شاعر ان ہی معروف اور عام مشاہدے کی چیزوں کو اسطرح پیش کرتا ہے کہ پڑھنے والا محسوس کرنے لگتا ہے کہ جیسے اس نے ان چیزوں کو پہلی دفعہ دیکھ لیا ہو۔

تھزِ ر پٹھ چھس نظراہ ترٛ اوان
باغس کُن وُچھِتھ راوان چھس
روشہِ روشہِ نیران ؤچھ مےٚ پوشہِ کاروان

(میں نے جب اونچائی سے باغ کی طرف دیکھا تو یہ دیکھ کر حیران و پریشان ہوا کہ پھولوں کا کارواں دھیرے دھیرے رخصت ہو رہا تھا)

گلالہٕ لولچہٕ مشالہِ زالن تمہِ نورٕ روشن گژھ آکاش
مس ول شبنمُک مَس پھرِ پیالن سنگر مالن پھو پراگاش

(گل لالہ اپنی مشعلیں روشن کریگا جنکے نور سے سارا آکاش چمک اٹھے گا نرگس شبنم کی شراب پیالوں میں بھرے گی کوہساروں کی چوٹیاں منور ہو چکی ہیں)

نیٖہہ گٹہٕ گوس بیدار کنن گُتی جہِ بوُلن گوم
زوٗنم مےٚ ونہٕ سوریوو پرتوترو و سونت کالن

(صبح کی مدہم روشنی میں جب میری آنکھ کھلی تو میں نے ابابیل کی چہک سنی میں نے یہ جان لیا کہ سرما بیت گیا ہے اور بہار آچکی ہے)

ایک سچے شاعر کے سامنے چیزوں کی اس فلسفیانہ تقسیم کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی جسکے مطابق فطری دنیا الگ ہے اور مافوق الفطری دنیا الگ مثلاً پھول، پتھر، پودے پہاڑ دریا، گھاس وغیرہ الگ ہیں اور بھوت پریت، جن، پری، وغیرہ الگ.......... شاعری میں یہ تقسیم وتفریق مٹ جاتی ہے۔ حال ہی میں مشہور ماہر اسطوریات اور بشریات جوزف کیمپ بیل (Josheph Campbell) نے اپنے ایک انٹرویو میں اسطوریات کی جامع اور خوبصورت تعریف پیش کی ہے، جسکا حوالہ دے کر بات اور واضح ہوسکتی ہے۔اس نے کہا ہے۔

"A MYTHOLOGY IS A SYSTEM OF IMAGES THAT

INCROPORATES A CONCEPT OF THE UNIVER AS A DIVINELY ENERGISED AND ENERGISING AMBIENCE WITHIN WHCIH WE LIVE" (SPAN, MAY 1983)

ایک اسطورساز شاعر کے سامنے پھری دنیا ساکن اور مروجہ چیزوں کا عجائب گھر نہیں رہتی ہے بلکہ متحرک مظہرات کا ایک تھیٹر، لہٰذا وہ صرف بھوتوں اور پریوں کی کہانیاں نہیں لکھتا۔صرف Super Natural کی تلاش میں نہیں رہتا۔ Preternatural کی تلاش میں بھی جسکو اب مناMana بھی کہا جاتا ہے چیزوں کی یہ خاصیت دراصل شاعر خود ہی چیزوں کو بخشتا ہے اسلئے کولرج نے کہا ہے۔

''سوچنے کے دوران جب میں فطرت کی چیزوں کی طرف دیکھتا ہوں مثلاً شبنم سے آلودہ مدہم کھڑکی کے شیشے میں سے دور چمکتے ہوئے چاند کی طرف مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے میں تلاش کرتا ہوں یا جیسے چاند مجھ سے مانگتا ہو۔اس بات کیلئے ایک علامتی زبان جو پہلے ہی اور ہمیشہ کیلئے موجود ہے، اسکے بجائے کہ میں کسی نئی چیز کا مشاہدہ کروں۔اگر بعد کی صورت بھی ہو تو مجھے ایک مبہم احساس ہوتا ہے کہ جیسے وہ نیا مظہرہ دھیرے دھیرے کوئی بھولی بسری اور پوشیدہ سچائی میری داخلی فطرت میں جاگ رہی ہو؎

یا شاعری میں کولرج نے کہا ہے:

O Lady! we recieve but what we give and in our life alone does nature live:

یہی وجہ ہے کہ مہجور کی شاعری میں اکثر ہمیںPersonification ملتی ہے وہ فطرت کی چیزوں کو انسانی خاصیتیں بخش کر ان کو کرداروں کی صورت میں پیش کرتا

ہے۔ چیزیں محسوس کرنے لگتے ہیں۔ چیزیں جذباتی بنتی ہیں۔ اور ایک دوسرے کے ساتھ گفتگو بھی کرتی ہیں۔

واو صبحک سُلہ اوس لاران
تنبہٕ لیومُت کس تام ژھاران
خندٕ پوشو گرس جایہ جاے
پایہٕ بٔڈ میانہٕ یاون راے

(صبح کی ہوا بہت سویرے بھاگ رہی تھی اور ہانپتے ہوئے کسی کی متلاشی تھی لیکن پھول اس پر خندہ زن تھے اے میرے بلند مرتبہ محبوب) ''وُزمل'' نظم میں بجلی کو ہو بہو ایک انسانی کردار کی صورت میں پہچان لیا گیا ہے۔

شامہٕ ژھایہ اؤہٕ بر دار جامہٕ ؤلی ؤلی یے
وآری ویتھ چھکھ پھیرتھ گرشھان
بیٚیہ چھکھ مالیُن گرشھان ژٔلی ژٔلی یے
نوٗرِ وُزمٔلی یے پوٗرٕ ھاو پان
درشُنا ہووُتھ پردٕ تٔلی تٔلی یے
نظرِ اکہِ وُچھتن سورُے جہان
پان ژھایہِ تھووُتھ بیٚیہ ؤلی ؤلی یے
نوٗرِ وُزمٔلی یے پوٗرھاو پان
جان نے یہ عالم زونتھ رنگہٕ ؤلی یے
پھیری پھیری کیازِ چھکھ یورُگن وُچھان

درسہٕ کُس لوٗب چھے کران مسوٗلی یے
نوٗرٕ وُزملی یے پوٗرٕ ھاو پان

(شام کی پرچھائیوں میں تو نے بادلوں کے لباس اوڑھ لئے ہیں۔تو سسرال سے گھڑی بھر کیلئے آتی ہے۔اور پھر سے واپس میکے آجاتی ہے۔اے پیکر نور (بجلی) ذرا اپنا پورا جلوہ تو دکھا۔تو نے ہمیں پس پردہ درشن دئے اور ایک نظر میں سارا جہاں دیکھ لیا۔اور پھر جلدی سے تن کو ڈھانپ لیا۔اے بجلی ذرا اپنا پورا جلوہ تو دکھاؤ اگر تو نے ہماری اس دنیا کو اچھا نہ جانا تو کیوں بار بار اسکی طرف دیکھتی ہے۔یہ کون سی کامنا ہے جو تجھے کھینچ لاتی ہے،اے بجلی ذرا اپنا پورا جلوہ تو دکھا۔

مہجورؔ پھولوں،دریاؤں،بجلیوں،بہاروں اور جانوروں سے ہمکلام ہو کران سے انسان کے حالات معلوم کرنا چاہتا ہے۔انسانی مسائل کا حل بھی وہ انہی غیر انسانی اشیاء سے پوچھتا ہے اور آخر میں فطرت کی سادگی اور ہارمنی میں ہی انسانی سماج کا حل ڈھونڈ لیتا ہے۔مہجور کے اساطیر نظام میں مرکزی حیثیت محبوب کی شخصیت کو ہے جسے وہ کئی رنگوں اور کئی صورتوں میں دیکھ لیتا ہے۔لیکن عام طور پر محبوب کی پیکر تراشی میں وہ ماضی پرست ہے اور اپنے محبوب کو اس صورت میں پیش کرنا چاہتا ہے۔جو صرف روایتی قصوں کہانیوں میں ہمیں ملتی ہے۔مثلاً ان اشعار میں ہمیں محبوب کا ایک دلکش الف لیلوی سراپا ملتا ہے۔

بالہٕ پیٹھ لایے نادو
پوٚت پھیرو ہا شہزادو
موژل گوڈٕ پال وعدو
پوشے متہ جانانو

(اس پہاڑ پر چڑھ کر تجھے زور زور سے پکارونگی" اے شہزادے واپس آ۔ اسطرح مجھے چھوڑ کر نہ جانا، پہلے اپنا وعدہ تو نبھالے۔ اے پھولوں کے متوالے مت جا)

پۆت زۄنہٖ دراکھ یارٕ بل
حسنٕچ کمنڈ ہتھ در بغل
فندٕ اکہ بندگوو لولہٕ ژۄر
دُردانہٕ موہمٕ دۄر دۄر

(رات کے پچھلے پہر تو پنگھٹ پر اتری بغل میں حُسن کی کمند تھی۔ ایک ہی چال سے یہ محبت کا چور گرفتار ہو گیا۔ میری موتی جیسی محبوبہ مجھے چھوڑ کے نہ جانا)

کاوٕ نکھنا گژاوِ تس بے عارس
کیا سأ خبر یز ہے بیمارس
رشہِ کأژاہ دأری یے
سوزِ دل میٛون بوزِ وَن ہأرٕ یے

(کاگا اس بے رحم (محبوب) تک میرا یہ پیغام تو لے جا کہ وہ بیماری کی عیادت کو آئے۔ ایسی بھی کیا دشمنی ہم سے مینا! ذرا میرا سوزِ دل تو سُن)

مہجور کی شاعری کی اساطیر عام اساطیر کی طرح بے ساختہ، سادہ اور نامیاتی ہیں۔ ان کی اختراع میں کسی شعوری کوشش کا دخل نہیں ہے۔ چونکہ مہجور کی شاعری میں ہمیں پیچیدہ اور فکری سطح پر گہرے موضوعات نہیں ملتے بلکہ اسمیں لوک گیتوں کی سی شیرینی، روانی اور سادگی ہے۔ اسلئے شاعر نے کسی پیچیدہ اور SYSTEMATIC اسطور کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی ہوگی۔

بشیر بشیرؔ

مہجورؔ کا جمالیاتی شعور

شاعری کو بہترین اور مسرور ترین لمحات کی دستاویز'' کہہ کر شبلی نے شاعری کے جمالیاتی اصل کی طرف اشارہ کیا ہے۔ شاعری کی اس تعریف کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے یہ کہنا بیجا نہیں کہ ہر کوئی جینوین (Genuine) فنکار فطرتاً جمال پسند ہوتا ہے۔ مہجور کے منفرد جمالیاتی شعور کا تجزیہ کرتے ہوئے ہمیں مہجور سے قبل کشمیری شاعری کی روایت کے پس منظر میں ان کے انفرادی اسلوب کو ایک مختلف زاویۂ نگاہ سے پرکھنا ہوگا تاکہ ان کے ذاتی تخلیقی شعور کی جلوہ گری میں ان کے مختلف النوع ایوان شاعری میں جمالیاتی عناصر کی نشاندہی کی جائے۔ موضوع کی گیرائی کو ہم یہاں چند اہم عنوانات کی روشنی میں مطالعے کیلئے سمیٹنے کی کوشش کریں گے۔

(ا) مہجورؔ کی شاعری کی ہیئت

(ب) مہجورؔ کا شاعرانہ آہنگ

(ج) مہجورؔ کی شاعری میں غالب موضوعی رجحانات

(د) مہجورؔ کی شاعری میں مناظر فطرت کے حسن کا اظہار

جیسا کہ پہلے ہی اشارہ کیا گیا کہ مہجور سے قبل کشمیری شاعری کی ایک عظیم روایت

ہے جسمیں ہیئت کے اعتبار سے پد، واکھ، شُرک، وژن، غزل، مثنوی اور نظم جیسی شاعرانہ اصناف بہت ہی اہمیت کی حامل ہیں۔ مہؔجور کا کلام بھی ہمیں وژن، غزل اور نظم کی صورت میں ہی ملتا ہے جبکہ بقول عبدالاحد آزادؔ مہؔجور نے مثنوی کی صنف میں بھی طبع آزمائی کی ہے اس طرح سے یہ کہنا بے جا نہیں کہ مہؔجور نے صنفوں کے لحاظ سے روایات سے کوئی انحراف نہیں کیا ہے تاہم اگر سنجیدگی سے غور کیا جائے تو روایات کی حدود میں رہ کر ہی مہجور کے ہاں ہمیں ہیتی اعتبار سے تبدیلیاں نظر آئیں گی۔ چنانچہ مہجور کی شاعری میں موسیقی اور لے کا باقاعدہ اہتمام ملتا ہے۔ جس کا براہ راست اثر ہییت پر ناگزیر بن گیا ہے اور بقول محمد یوسف ٹینگ ''مہؔجور سماع کا کافی شوقین تھا۔ مہجور نے کئی ابیات کے ساتھ یہ خود ہی تحریر کیا ہے۔ کہ یہ ابیات کن مختلف زبانوں کے ابیات کی طرز پر اس نے تحریر کئے ہیں۔ کئی صورتوں میں اس نے ہم قافیہ الفاظ کو پہلے ہی ترتیب دیکر پھر انہیں شاعری میں استعمال کیا ہے۔ اس طرح اس نے کشمیری شاعری کی ہیئت میں نئے تجربے کر کے اسے ایسی وسعت اور کشادگی عطا کی جو مہجور کی شاعری کی مقبولیت کا سبب بن گئی۔ چنانچہ بقول ٹینگ صاحب یہ بھی کہا جاتا ہے۔ کہ مہجور پہلے یہ دیکھ لیتے تھ کہ آیا اس کا مطلع ''تمبکھ ناری'' کی دھُن پر پورا اترتا ہے کہ نہیں کہ پھر پوری غزل تحریر کرتے تھے کئی ابیات مہجور نے ان نظموں کی طرز سے متاثر ہو کر تحریر کئے ہیں جو عوامی مقبولیت کے حامل رہے تھے۔ چنانچہ عبدالاحد آزاد مہجور کی شاعری کی ابتداء کے متعلق رقمطراز ہیں:

''مہجور ۱۹۳۶ء کے موسم بہار میں ایک صبح کے وقت نالہ دودھ گنگا کے کنارے کنارے پانی کی روانی اور لہلہاتے ہوئے

کناروں کے دلکش نظارے کا لطف اٹھاتے چلے جا رہے تھے۔ اس وقت کچھ دیہاتی عورتیں لکڑی لانے کو جنگل جا رہی تھیں اور حبہ خاتون کی غزل۔ ع

''گوشن مئز ہاوِتھ راوے   وولو میانہ پوشہِ مدنو

سریلی اور لطیف آواز میں گا رہی تھیں۔ جنگل میں یہ غزل انکی سریلی آواز اور لطیف طرز ادا سے مل کر ایک عجیب ہی کیفیت پیدا کر رہی تھی۔ بہار کا موسم، نالہ دودھ گنگا کا لہلہاتا کنارہ حبہ خاتون کی ولولہ انگیز غزل، عورتوں کی سریلی آواز جنگل، مہجور کا عالم تنہائی میں کمال انبساط کے عالم میں ٹہلتے ٹہلتے اس غزل کا پُر کیف اور شیرین آواز میں سننا گویا قسام ازل نے ملکہ حبہ خاتون، مسز بھوانی داس اور میر شاہ آبادی کے کشمیری غزل کی چوتھی بار جنم لینے کا یہی موقع مقدر کر رکھا تھا''

(کشمیری زبان اور شاعری۔ جلد سوم)

پھر مہجور نے حبہ خاتون کا کلام حاصل کر کے اسکا مطالعہ شروع کیا اور اسی کیفیت و مستی میں مہجور نے اسی غزل کی طرز پر یہ مشہور غزل موزوں کی ع

''ژؤ لہماروشے روشے   پوشے متہِ جانانو''

صرف اتنا ہی نہیں بلکہ مہجور نے بہت ہی مقبول دھنوں اور طرزوں پر غزلیں لکھیں اور کئی ایسی طرزوں کے متعلق خود بھی اشارات فراہم کئے ہیں۔ جسمیں کشمیری غزلیات کے علاوہ اردو غزلیات اور فلمی طرز میں بھی شامل ہیں۔ مثلاً احمد بٹہ واری کی غزل ع

''ہنہِ ہنہِ تنہِ گاٰم ینگارمدنو　　زأ جتھس تہٕ اوے ناعارمدنو''

(''میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے انگارے بن گئے۔ مجھے بھسم کرڈالا اور تمہیں رحم بھی نہ آیا'') کی طرز پر اپنی یہ مقبول و مشہور غزل لکھی۔ ع

روزوروزوبوزمیأنی زارمدنو　　دادِ چانہ گیہِ سا بیمارمدنو

(میرے محبوب ازرا ٹھہراور میری حلات زارسن۔ تیرے عشق میں، میں بیمار ہو گئی) ٹینگ صاحب نے کلیات مہجور کے دیباچے میں اس ضمن میں کئی مثالیں فراہم کی ہیں۔ مثلاً

''بأئی ژون تے دلبرس''..........(سکھی تو دلبر کو کہدے)

بطرز ''جس نے دیا ہے درد دِل''

ازروز　سانے　دلبر　میانے　　(میرے محبوب آج ہمارے ہاں قیام کر

بطرز' 'انکھیاں ملا کے جیا برما کے　　چلےنہیں جانا'' (فلم......رتن)

موسیقی اور لے مہجور کی شاعری کی ایک نمایاں خصوصیت ہے۔ اگر چہ اولا مہجور نے شعوری طور اپنی شاعری کو موسیقی سے آراستہ کیا ہے لیکن یہی خصوصیت بعد میں مہجور کی تمام تر شاعری پر چھائی رہی جسے مہجور کی جمال پسندی سے ہی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ مختلف بحروں اور اوزاں کا استعمال جس خوش اسلوبی سے مہجور نے کیا ہے کشمیری شاعری میں شاید ہی اسکی نظیر مل سکتی ہے۔ یہ وجہ ہے کہ مہجور کی کسی بھی غزل میں لے پر گاتے ہوئے الفاظ کی ہیئت شاذ ہی بگڑ جاتی ہے یعنی الفاظ کو اپنا مشخص آواز کے اعتبار سے طول دیکر مختصر کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

مہجورؔ کی دوسرے دور کی شاعری میں موضوعی تقاضوں کے پیش نظر ہیتی اعتبار سے نظم پر زیادہ زور ہے جسمیں روانی تو ضرور ملتی ہے لیکن موسیقیت کسی حد تک اثر انداز ہوئی ہے۔ کشمیری شاعری کی روایت میں ہیتی اور موضوعی اعتبار سے یہ ایک اہم تبدیلی مہجور کے ہاتھوں ہوئی کشمیری میں نظمیں مہجور سے پہلے بھی کئی صوفی شعرا نے تخلیق کی تھیں لیکن مہجور کے ہاتھوں یہ صنف پروان چڑھی۔ مہجور نے نظم کے قالب میں نہ صرف ترقی پسند خیالات اور موضوعات کو موزوں کیا بلکہ ''باغ نشاط کے گلو'' اور گریس کوٗر'' جیسی نظموں میں فطرت کی رعنائیوں اور جلوہ گری کی خوشنما عکاسی کی کشمیری نظموں میں پہلی بار مہجور کے ہاں ایک فطری اور تخلیقی ارتقا ملتا ہے۔

عام طور پر فنکار کی جدت پسندی اور تجربہ شناسی اسے اپنے عہد کیلئے اجنبی بنا دیتی ہے۔ لیکن مہجور کشمیری ادب کی تاریخ میں غالباً پہلے شاعر ہیں جنہیں کافی حد تک اپنے ہی عہد میں شہرت نصیب ہوئی۔ اسکی وجہ یہی ہوسکتی ہے کہ مہجور کا تخلیقی اور جمالیاتی شعور دوسرے کشمیری شعرا کی نسبت فطرت اور عوام کے زیادہ قریب ہے۔ مہجور کی جمالیات اور جمال پسندی کی متعدد قسموں کے اظہار ملتے ہیں۔ اگر ایک طرف رومانی طرز اظہار ہے۔ تو دوسری طرف زندگی کی کھردُری حقیقتوں کی عکاسی بھی اور دونوں میں جمال کا تصور بالکل جداگانہ انداز اور ڈھنگ سے واضح ہے۔ گویا شاعر کا اپروچ اپنے الگ اور منفرد انداز سے مختلف تصورات اور حقیقتوں سے حسن یا بدصورتی کے پہلو کو اجاگر کر کے عام روش اور روایات سے جداگانہ ہے تبھی تو مہجور کے ہاں باقی کشمیری شعرا کے برعکس پہلی بار ''تل پاتال'' اور ''بیت الامان'' کی پریوں اور حسیناؤں کے بجائے ایک الھڑ دیہاتی لڑکی (گریسی کوٗر) اپنی تمام رعنائیوں اور فطری حسن کے سمیت

جاذب توجہ بن جاتی ہے۔ اور آزادی کا حسین تصور ایک حقیقت کی صورت میں ڈھل کر مزید سوچ کا متقاضی بن جاتا ہے۔ یہ تصور مہجور کی نگاہ میں کبھی خوشحالی کی صورت میں اور کبھی محض ایک کھوکھلی داستان کا روپ اختیار کر لیتا ہے۔

بایہِ میانہِ غم تراو مناو شأدی — أسی وُچھو یِژ کأڑی آزأدی
آزأدی چھےٚ سأنی آبأدی — أسی وُچھو یِژ کأڑی آزأدی
موکلہِ ووٚنۍ ظلمُک تہٕ لوٗٹُک دور — وُڈدار تہٕ چکدار گژھن کمزور
خوٗشخبری بوز اسہِ گیہ شأدی — أسی وُچھو یِژ کأڑی آزأدی

ترجمہ (ا)

میری بھائی غم نہ کر خوشیاں منا — ہم بہت دیر بعد آزادی دیکھیں گے
آزادی ہی ہماری خوشحالی ہے — ہم بہت دیر بعد آزادی دیکھیں گے
اب ظلم اور لوٹ کا دور ختم ہو جائیگا — سود خور اور چکدار کمزور ہو جائیں گے
خوش خبری سنی اور ہمیں خوشی ہوئی — کہ ہم بہت دیر بعد آزادی دیکھیں گے

(ب

لڑان ییٚلہِ ہألی تے چکدار چھِ والان اکھ أکس رتھ تم
تماشا چھکھ وُچھان لوتہِ پأٹھۍ روٗزِتھ ژھایہِ آزأدی
غریبی مفلسی بے بوج ءستھ ہیتھ خانہٕ وأرأنی
امی رٕژِ ترٛایہِ اسہِ پیٹھ آیہ ترٛاوان سایہ آزأدی

(ب

(کسان اور چکدار ایک دوسرے سے لڑتے ہیں تو ایک دوسرے کو لہو

مہجورؔ کی دوسرے دور کی شاعری میں موضوعی تقاضوں کے پیش نظر ہیتی اعتبار سے نظم پر زیادہ زور ہے جسمیں روانی تو ضرور ملتی ہے لیکن موسیقیت کسی حد تک اثر انداز ہوئی ہے۔ کشمیری شاعری کی روایت میں ہیتی اور موضوعی اعتبار سے یہ ایک اہم تبدیلی مہجور کے ہاتھوں ہوئی کشمیری میں نظمیں مہجور سے پہلے بھی کئی صوفی شعرا نے تخلیق کی تھیں لیکن مہجور کے ہاتھوں یہ صنف پروان چڑھی۔ مہجور نے نظم کے قالب میں نہ صرف ترقی پسند خیالات اور موضوعات کو موزوں کیا بلکہ ''باغ نشاط کے گلو'' اور گریس کوٗر'' جیسی نظموں میں فطرت کی رعنائیوں اور جلوہ گری کی خوشنما عکاسی کی کشمیری نظموں میں پہلی بار مہجور کے ہاں ایک فطری اور تخلیقی ارتقا ملتا ہے۔

عام طور پر فنکار کی جدت پسندی اور تجربہ شناسی اسے اپنے عہد کیلئے اجنبی بنا دیتی ہے۔ لیکن مہجور کشمیری ادب کی تاریخ میں غالباً پہلے شاعر ہیں جنہیں کافی حد تک اپنے ہی عہد میں شہرت نصیب ہوئی۔ اسکی وجہ یہی ہوسکتی ہے کہ مہجور کا تخلیقی اور جمالیاتی شعور دوسرے کشمیری شعرا کی نسبت فطرت اور عوام کے زیادہ قریب ہے۔ مہجور کی جمالیات اور جمال پسندی کی متعدد قسموں کے اظہار ملتے ہیں۔ اگر ایک طرف رومانی طرز اظہار ہے۔ تو دوسری طرف زندگی کی کھردری حقیقتوں کی عکاسی بھی اور دونوں میں جمال کا تصور بالکل جداگانہ انداز اور ڈھنگ سے واضح ہے۔ گویا شاعر کا اپروچ اپنے الگ اور منفرد انداز سے مختلف تصورات اور حقیقتوں سے حسن یا بدصورتی کے پہلو کو اجاگر کر کے عام روشن اور روایات سے جداگانہ ہے تبھی تو مہجور کے ہاں باقی کشمیری شعرا کے برعکس پہلی بار ''تل پاتال'' اور ''بیت الامان'' کی پریوں اور حسیناؤں کے بجائے ایک الھڑ دیہاتی لڑکی (گریسی کوٗر) اپنی تمام رعنائیوں اور فطری حسن کے سمیت

جاذب توجہ بن جاتی ہے۔ اور آزادی کا حسین تصور ایک حقیقت کی صورت میں ڈھل کر مزید سوچ کا متقاضی بن جاتا ہے۔ یہ تصور مہجور کی نگاہ میں کبھی خوشحالی کی صورت میں اور کبھی محض ایک کھوکھلی داستان کا روپ اختیار کر لیتا ہے۔

بایہِ میانہِ غم تراو مناو شأدی   أسی وُچھو یِژ کالِی آزأدی
آزأدی چھےٚ سأنی آبأدی   أسی وُچھو یِژ کالِی آزأدی
موکلہِ وونِ ظلمُک تہٕ لوٗٹُک دور   وُڈدار تہٕ چکدار گژھن کمزور
خوشخبری بوز اسہِ گیہ شأدی   أسی وُچھو یِژ کالِی آزأدی

ترجمہ (ا)

میری بھائی غم نہ کر خوشیاں منا   ہم بہت دیر بعد آزادی دیکھیں گے
آزادی ہی ہماری خوشحالی ہے   ہم بہت دیر بعد آزادی دیکھیں گے
اب ظلم اور لوٹ کا دور ختم ہو جائیگا   سود خور اور چکدار کمزور ہو جائیں گے
خوش خبری سنی اور ہمیں خوشی ہوئی   کہ ہم بہت دیر بعد آزادی دیکھیں گے

(ب)

لڑان یِلہِ ہألی تے چکدار چھہِ والان اکھ أکس رتھ تم
تماشا چھکھ وُچھان لوتہٕ پأٹھی روٗزِتھ ژھایہِ آزأدی
غریبی مفلسی بے بوج ستھ ہتھ خانہٕ وأرأنی
امی رِژِ تژایہِ اسہِ پتھ آیہ تژاوان سایہ آزأدی

(ب)

(کسان اور چکدار ایک دوسرے سے لڑتے ہیں تو ایک دوسرے کو لہو

لہان کر دیتے ہیں اور آزادی چوری چھپے خاموشی سے انکا تماشاہ دیکھ
رہی ہے غریبی مفلسی بے پرسش اور ساتھ میں خانہ ویرانی اسی اچھے
ڈھنگ سے ہم پر سایہ بکھیرتی آزادی آگئی)

مہجور کی مقبولیت کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اس کے جذبات اور تاثرات محض فرد کی حیثیت نہیں رکھتے چنانچہ ''گریسی کور'' ''آزادی'' یا باغ نشاط کے گلو مہجور کے لئے حسین ہو یا نہ ہو لیکن عام لوگ جو کچھ بھی ان چیزوں کو در حقیقت محسوس کرتے ہوں وہی اُن کے لئے پرکشش ہے۔ گویا یہاں پر فنکار مہجور ذاتی وابستگیوں کو ایک عوامی شعور عطا کرتا ہے اسکے منفرد جذبات اور احساسات اجتماعی اور غیر شخصی جذبات و احساسات میں ڈھل کر ایک آفاقی یا عوامی دلچسپی کا باعث بن جاتے ہیں اور یہی وہ فنی قدر ہے جو فن میں عوام و خواص کیلئے جمالیاتی حظ حاصل کرنے کا جواز فراہم کرتی ہے۔ مہجور کے ہاں ایسے اشعار کی کافی تعداد ملتی ہے۔ جو عصری شعور بیان کی سطح سے اُوپر اٹھ کر ماورائی تجربات کی شکل اختیار کر چکے ہیں۔

تخلیقی عمل محض ذہنی یا عقلی کاوشوں کا نتیجہ نہیں بلکہ تخلیق کار خارجی حالات سے متاثر ہو کر اپنے تاثر کو تجربے کی صورت میں بیان کرتا ہے۔ لیکن ضروری ہے کہ خارجی محرکات شاعر کے احساسات اور تخیل کو متحرک کریں جن سے کہ تجربہ تخلیقی منازل سے گذر کر تخلیق کی ہیئت میں ڈھل جاتا ہے۔ خارجی محرکات تخلیق کار کو ہمارے گردو پیش سے ہی ملتے ہیں پھر اسکے ذاتی تخلیقی شعور کی بدولت تجربات کی شکل اختیار کر لیتے ہیں، لہٰذا فنکار کی تخلیقی اسکی شعوری یا غیر شعوری احساساتی قوتوں کی مظہر بن جاتی ہے۔ جسمیں اسکی جمال پسندی کا براہ راست دخل ہوتا ہے۔ اس نقطہ نگاہ سے دیکھا

جائے تو مہجور ایک جمال پسند شاعر کی حیثیت سے کشمیری قوم کا ایک مکمل ترجمان نظر آتا ہے۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اس نے ان جذبات کو پہلی بار زبان دی جو صدیوں تک اظہار نہ پانے کی وجہ سے دب کر رہ چکے تھے۔ اور جب مہجور نے ان دبے جذبات کو ظاہر کیا تو پوری قوم نے اسے اپنی ترجمانی محسوس کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس قسم کی تخلیقی بغاوتوں کو یہاں کے عوام نے گلے لگایا کیونکہ بقول شاعر ؎

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

غور سے دیکھا جائے تو مہجور کا شاعرانہ آہنگ حبہ خاتون اور رسول میر کی غزل اور مقبول شاہ کرالہ واری کی ''گلریز'' کے تین الگ منفرد شاعرانہ رنگوں کی ترتیب سے ایک منفرد رنگ اور آہنگ ہے۔ کہ جو حبہ خاتون کے نسوانی لہجہ معصوم احساسات، سہل اور آسان انداز بیان، مقبول شاہ کرالہ واری کے لطیف جذبات اور منظر نگاری اور رُسل میر کے البیلے پن سے ٹکرا کر اسکے ذاتی اور جمالیاتی شعور کو ترتیب دیتا ہے۔ چنانچہ حبہ خاتون کا اظہار تخاطب اگرچہ فطری ہے۔ لیکن مہجور نے دیگر کشمیری شعراء کی طرح جذ بات کو عورت کی طرف سے بیان کیا ہے اور اکثر کشمیری مثنویوں میں بھی موقعہ محل کو زیر نظر رکھتے ہوئے شعرا نے یہ انداز اپنایا لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ مہجور نسوانی لہجے کو کردار کی تمام خصائل اور نزاکتوں سمیت فن کے سانچے میں ڈھالتے ہوئے مکمل طور پر کامیاب ہوئے ہیں۔ یہی وہ خصائل ہیں جنکی بدولت ایک پژمردہ نسوانی کردار کسی ہم جنس کردار کی بربادی کو دیکھ کر یوں لوٹ پوٹ جاتی ہے۔

لوٕ ہٕژ تہٕ چھٔندریمٕژ مسول ونان چھےٚ واوس
دامانہٕ میون ییمی چھوٚل تس زانٛہہ قرار آسیا

(بھیگی بھیگی پژمردہ چنبیلی ہوا سے کہتی ہے کہ جس نے میری عیب جوئی کی کیا اسے کبھی سکون مل سکتا ہے)

یہ ایک نفسیاتی رجحان ہے کہ مقابل کے جنس اور کردار میں ہی حسن اور جمال کی تابنا کیوں کا بھرپور نظارہ کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ مہجور کا معصوم احساسِ محبت غیر شعوری اور غیر اندازی طور پر خلوص جذبات اور البیلے عشق کے ساتھ محبوب کی راہوں میں یوں بازی لگانے پر آمادہ ہے۔

کامہٕ دو کرِ سائل ڈل بوزُم شبس گژھ تیل بل
درشُنس آبس اندرِ ریمپوش لاٗگتھ پژارٕ ہا

(سنا ہے کہ کامہ دیو (محبوب) ڈل کی سیر کریگا اور رات کو تیل بل جائے گا۔ میں اسکے درشن کیلئے پانی میں پمپوش (کنول) بن کر انتظار کرنا چاہوں)

نسیمہٕ بوزُم ژٕ بالہٕ دامٕنۍ کمند ہتھ چھُکھ شکار ژھاران
بہٕ شوقہٕ چانے شکارِ اندر پٕنٕن یہ سر ہتھ ترنے ہا لالو

(نسیم (باغ) میں سنا کہ پہاڑ کے دامن میں کمند لیکر شکار ڈھونڈ رہا ہے۔
(میرے محبوب) میں تمہارے شوق کی خاطر کشتی میں اپنا سر لے کر آؤں گا)

تجربے کے حصول کیلئے مشاہدہ کی وسعت ایک اہم ضرورت ہے۔ مہجور کی شاعری کو عوامی مقبولیت اور جمالیات کے قومی اور مجموعی شعور سے ہم کنار کرنے میں

انکے گہرے مشاہدے کو کافی دخل ہے۔ چنانچہ کشمیراور کشمیر کی خوبصورتی کا انکی شاعری میں اکثر اور برملا اظہار ہے۔ اس حسن کے اظہار میں مہجور کا مشاہدہ انہیں تخیل کی موشگافیوں کے ساتھ اپنی نیرنگیوں کی طرف ہی مرکوز کرتا ہے۔ جس سے کہ مہجور کی شاعری میں ایک منفرد خاصیت پیدا ہوئی ہے۔ منظر نگاری کا منفرد انداز مہجور کو اسی خارجی مشاہدے اور ذاتی داخلی کیفیات کی وجہ سے نصیب ہوا ہے۔ میں یہاں پر مقبول شاہ جیسے کامیاب منظر نگار اور جذبات نگار کشمیری شاعر کی اس کوتاہی کا بھی ذکر کرنا چاہوں گا کہ کس طرح مشاہدے کی کمی کہ وجہ سے انہوں نے ''بہارنامہ'' میں بہار کا ذکر کرتے ہوئے خزان میں کھلنے والے پھولوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ لیکن مہجور کے ہاں اس قسم کی کوئی کوتاہی شاید ہی نظر آتی ہے۔ تبھی تو وہ باغ نسیم سے گزر کر ڈل جھیل کے پرے محبوب کو کمند لئے ہوئے کشتی میں سر لے کر اسکے پاس جانے کی آرزو کرتے ہیں۔ ایک طرف اگر چہ تخیل کی بلند پروازی ایک مبالغہ یا قول محال کو جنم دیتی ہے تو دوسری طرف اسے عشق کے البیلے پن اور جذبہ محبت سے تعبیر کر کے ایک تخلیقی یا فنی حقیقت کا جواز پیدا کیا جا سکتا ہے۔

ہر فنکار کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اپنے گہرے احساس اور قوتوں کی بنا پر زندگی کی نیرنگیوں، المناکیوں اور بوالعجمیوں کا بھرپور سامان کر کے تخلیقی تحریک حاصل کر پائے جو اسکی داخلی زندگی جذباتی ردعمل کے سلسلے میں وقوع پذیر ہوئی ہے۔ تحریک اور ردعمل کا نتیجہ تخیل ہوتا ہے۔ اور تخیل ابھر کر علامتوں، تشبیہات اور استعارات کی صورت میں ہی اظہار پاتا ہے۔ چونکہ ردعمل ذاتی ہوتا ہے اسلئے فن میں علامت تشبیہات اور استعارات جیسے صنائع کسی بھی فنکار کی ذات اور شخصیت کے داخلی جذباتی رویے کے

ترجمان ہوتے ہیں۔ اس طرح دیکھا جائے تو مہجور بحیثیت فطری عاشق، حسن پسند اور رومانی شاعر کے ایسی موجودات کو ہی اپنی شاعری میں ان صنایع کے طور استعمال کرتے ہیں کہ جو عام حالات میں بھی پُر کشش ہیں مثلاً۔ شبنم پھول، چمن، بلبل، موتی، بہار وغیرہ

جیسا کہ پہلے ہی اشارہ کیا گیا ہے۔ کہ مہجور کی شاعری میں موسیقیت کا باقاعدہ اہتمام ملتا ہے چنانچہ اس ضمن میں مہجور نے کشمیری لوگ گیتوں کی طرز استفادہ کیا ہے۔ علاوہ ازیں آسان الفاظ کا استعمال و تکرار ان کی شاعری میں داخلی موسیقیت کو جنم دیتا ہے۔

دل میون تھوٚوِ تون منز پھولدانن　　　　یہ میلیوو سنبلستانن منز
أمِ کٔر بندٕگی غونچہِ دہانن　　　　جائے تمِ رٔٹ پٔرستانن منز
اے میرے دل کو پھولدانوں میں رکھدو　　　　اسنے سنبل کے چمن میں پروش پائی ہے
اسنے غنچہ دہنوں کی بندگی کی　　　　اسنے (محبوب نے) پرستانوں میں قیام کیا

اس بند میں ''ن'' کا سولہ بار بہ تکرار استعمال اور باتوں کے علاوہ شعر میں موسیقیت اور آہنگ کا ایک ایسا جادو جگا دیتا ہے کہ ایسا شخص بھی اس سے محفوظ ہو پاتا ہے جو اس کے معنی بھی سمجھ نہ سکے۔ اسکے علاوہ موضوع ہیئت اور تجربہ بجایہ خود شعر کی داخلی فضا کو ایک حسین تصور کی صورت میں ابھارتے ہیں۔ یہاں پر میں ایک اہم نکتے کی طرف بھی اشارہ کرنا چاہوں گا کہ وژن کی صنف میں اکثر کشمیری شعرا کے ہاں ایک عام قسم کی کوتاہی نظر آتی ہے۔ کہ ہر بند کا آخری مصرعہ جو پورے وژن میں دہرایا جاتا ہے عام طور پر پہلے تین مصرعوں سے معنی کے اعتبار سے ربط نہیں رکھتا۔ لیکن مہجور

کے ہاں نہ صرف ان مصرعوں میں داخلی ربط ہے بلکہ اکثر صورتوں میں پہلے تین مصرعے بھی آخری مصرعے کے معنی سے ترتیب وتہذیب پاتے ہیں۔ جیسا کہ اوپر کی مثال سے واضح ہے کہ دل کی بے قراری کو شدت سے بیان کیا گیا ہے لیکن بے قراری کا سبب صرف اسی تکرار کے مصرعے سے ہی واضح ہو جاتا ہے۔

موضوعی اعتبار سے مہجور کی شاعری کو بہ آسانی دو ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلے دور میں مہجور محض ایک رومانی شاعر کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں۔ جسمیں حبہ خاتون رسول میر، اور مقبول شاہ کرالہ واری کے تین منفرد رنگوں کی آمیزش نظر آتی ہے۔ لیکن دوسرے دور میں مہجور ترقی پسند خیالات کے ترجمان کی حیثیت سے ابھرتے ہیں۔ حالانکہ اس قسم کی شاعری میں پہلے پہل مہجور کا علامہ اقبالؔ کی طرف کافی حد تک جھکاؤ ہے۔ اولاً تو مہجور نے اردو میں بھی شعر کہنے کی کوشش کی تھی اور اس دور کی اولین کوششوں میں بھی انکا میلان کشمیری تمدن اور قومیت کی طرف تھا۔ چنانچہ بقول محمد یوسف ٹینگ ''مہجور کی اردو نظم'' خطاب بہ مسلم کشمیر'' کشمیری تاریخ کا محاکات سے پُر ہے۔

ترے اسلاف وہ تھے جن کے علم وفضل کے آگے
ادب کے جھکے تھے دانشورانِ ہندو ایرانی
شہنشاہ معظم شاہ زین لعابدین بڈشاہ کیا
اکبر نے جس سے کسبِ آئین جہان بانی
بخوبی یاد ہے اب تک سخن سنجان عالم کو
غنی کی خوش بیانی اورصرفی کی سخندانی

جیسا کہ پہلے ہی بتایا گیا ہے کہ موضوعی تقاضوں کے پیش نظر مہجورؔ نے اس دور میں زیادہ تر نظم جیسی صنف میں طبع آزمائی کی ہے۔ لیکن شعوری یا غیر شعوری طور انہوں نے اس منفرد شاعرانہ آہنگ کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے۔ جسکی بنا پر کشمیری ادب کی تاریخ میں مہجور کی ایک مسلمہ انفرادی حیثیت ہے حالانکہ اس منفرد آہنگ کو کئی تنگ نظر ناقدین نے انکی فنی کوتاہی قرار دیا ہے۔ چنانچہ روایتی (وژن نما) آہنگ جو کہ مہجور کی شاعری کا ایک ہم عنصر ہے، اسے بھی مہجور کی کوتاہیوں میں شمار کیا گیا ہے اسی ضمن میں مہجور کی حقیقت پسندی کو یہ دلیل دیکر چلینج کیا گیا ہے کہ ''گریس کوٗر'' جیسی نظم میں مہجور (گریس کوٗر) کے متعلق اپنی رائے دیتے ہیں اور کردار اپنے عمل سے اپنی انفرادیت کو روشن نہیں کر پاتے۔ اسپر ستم ظریفی یہ کہ بلا سوچے سمجھے اس نظم کی فنی صورت کو یہ دلیل دیکر کم پایہ ثابت کرنے کی کوشش بھی کی گئی ہے۔ کہ جدید شاعری میں ذاتی تجربہ کو الگ کر کے صداقت بیان کی جاتی ہے۔ اور اس طرح اسمیں حقیقت نگاری اور کردار کی انفرادیت عیاں ہوتی ہے۔ حالانکہ یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے۔ کہ انسان کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ وہ حقیقت بیان کر سکے لیکن آج تک کوئی بھی کامیابی حاصل نہ ہوئی ہے۔ اور شاید ہو بھی نہیں سکتی۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اس قسم کی تنقیدی کوتاہیوں میں تخلیقی عمل کی بھی نفی ہو جاتی ہے۔ ایسے ناقدین جدیدیت کے ناداں دوستوں کی حیثیت سے ایک طرف اس بات سے متفق ہیں کہ جدید نہج حقیقت بیان کرنے میں اپنی نظیر نہیں رکھتی تو دوسری طرف یہ دعوا کرتے ہیں کہ اس قسم کی شاعری میں معنی کے مختلف امکانات صرف اس لئے روشن ہو جاتے ہیں کہ شاعر اپنے رسمی جذبات کو الگ کر کے حقیقت بیان کرتا ہے۔ اس بحث سے قطع نظر کر کے صرف اتنا کہنا چاہوں گا کہ

مہجور کی دوسرے دور کی شاعری میں اگرچہ قومیت اور وطن پرستی کا زبردست احساس ملتا ہے۔ لیکن اس قسم کی شاعری میں بھی انہوں نے فنی قدروں کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا ہے اور اپنی شاعری کو محض نعرہ بازی نہیں بننے دیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ انکے زبردست قومی شعور نے انہیں گلیوں، بازاروں، کھیتوں یہاں تک کہ ''ولو ہا باغوانو'' کہہ کر سیاسی سٹیجوں تک کی شہرت دلائی۔ غور سے دیکھا جائے تو مہجور کی شاعری میں علامتی پیکریت کا نمایاں، عنصر اس دور کی شاعری میں زیادہ تر ملتا ہے:

چمن وٲران روانِ شبنم ژٕٹتھ جامہٕ پریشان گُل
گُلن تے بُلبلن اندر دُبارٕ جان پیدا کر
زمینس شاٮ۪ری ہندس کٔرتھ مہجور گل پیدا
ووں اتھ رنگین باغس بلبل نالاں پیدا کر

(چمن ویراں ہے شبنم زار زار رو رہی ہے گل پیراہن چاک کر کے پریشان ہیں۔

گلوں اور بلبلوں میں دوبارہ جان ڈال دے
شاعری کی زمین میں مہجور تو نے نئے گل پیدا کئے
اب اس رنگین باغ کیلئے بلبل نالان پیدا کر)

مہجور کی قومی شاعری میں اس سلامتی پیکریت اور داخلی موسیقیت کی وجہ انکا ذاتی جمالیاتی شعور ہے جسکی بنا پر وہ مختلف تصورات کو اپنی ذاتی سوجھ بوجھ سے پرکھ کر اپنی احساساتی قوتوں اور صلاحیتوں سے رنگ کر یوں پیش کرتے ہیں کہ پیچیدہ اور کھردرے تجربات بھی مانوس اور شریں لگتے ہیں۔ گونا گوں تجربوں اور مشاہدے کی

گہرائی کسی بھی فنکار کا مختلف موجودات یا تصورات کے متعلق اپروچ متعین کرنے میں اہم رول ادا کرتے ہیں چنانچہ کسی بھی تصور کے متعلق مثبت یا منفی رویہ ایک ذاتی اور شخصی پسند یا ناپسندیدگی پر انحصار رکھتا ہے لیکن ایسے تصورات جب غیر متوقع طور بدلتے ہیں تو انسان کی شخصیت تضاد (Contradiction) کا شکار ہوتی ہے۔ تاہم مہجور کی ندرت بیانی اس قسم کی تضاد کی شدت کو اپنے طنزیہ لہجے سے زائل کر دیتی ہے۔ چنانچہ ''گُلالس کُن'' عنوان کی نظم میں مہجور نے گلِ لالہ کی وساطت سے بلواسطہ طور ان سماجی پسماندگیوں کا اظہار کیا ہے۔ جو مہجور کے زمانے میں اپنے عروج پر تھیں۔

نوزُک وأنجہِ کُمی وأری داتن واتہٕ نوۄے ژٔے آزار
تتہٕ تہٕ چھاییٚتہٕ چی ہِش بے رأہی تتہٕ تہٕ چھا ییتھُے گٹہٕ کار
تتہٕ تہٕ چھا گونماتھ صبحس ونان راتھ ارگُھلس ونان دیودار
تتہٕ تہٕ چھا مہجور تنہا ہتھ کوکرن چھکان موختہٕ ہار

(تمہارے نازک دل کو کس واردات نے اذیت پہنچائی کیا وہاں
بھی ایسی ہی بے راہ روی اور ایسی ہی اندھیر نگری کا عالم ہے؟ کیا وہاں
بھی شعراء صبح کو رات اور 'ارکھل' (ایک جھاڑی) کو دیودار کہتے ہیں؟
کیا وہاں بھی مہجور تنہا رہ کر نا اہلوں کو بات سمجھانے کی کوشش کرتا ہے)

مہجور کی اس دور کی شاعری کا بنیادی محرک قومی اور وطنی شعور ہے جسکی بنا پر ان کی شاعری میں بلواسطہ یا بلا واسطہ کشمیر کا بار بار ذکر آیا ہے۔ اگر چہ انہوں نے اس سلسلے میں مختلف علامات کا استعمال کیا ہے۔ تاہم ان کی علامات جانی پہچانی ہیں اور ان سے

ہمارے حسین تصورات وابستہ ہیں ۔ عام طور پر مختلف علامات کو انکی ضد کے ساتھ استعمال کرتے ہوئے انہوں نے اپنے مثالی وطن کے تصور کو واضح کر دینے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ مہجور کے پہلے دور کی شاعری میں بھی محبت کے حسین تصورات کو بیان کرنے کیلئے فطرت سے مختلف مناظر مستعار لینے کی قابل تحسین کوششیں ملتی ہیں۔ ایک طرف مہجور نے مختلف مقامات کو بحیثیت مجموعی انکے تمام حسن اور آرائش سمیت اپنی شاعری میں جگہ دی ہے تو دوسری طرف قدرت کو ایک منفرد انداز میں ترتیب دیکر مجرد اور مابعد الطبعیاتی تاثرات قائم کرنے کی کوشش کی ہے جسمیں وہ کامیاب بھی رہے ہیں۔

پڑاران چمن چھُ گل ہتھ — کرِیہ سُہ لالہٕ مس چیتھ

ینبرٕ زلن اتھن کیتھ — برٕی برٕی چھِ جام ییہ کر

(چمن پھولوں کو لئے انتظار میں ہیں کہ کب وہ لاڈلا (محبوب) نے نوش کر کے آگے نرگس (کے پھول) ہاتھوں میں بھرے بھرے جام لئے ہیں۔ کہ کب وہ آپائے)

یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر فنکار اپنے جذبات بیان کرنے کیلئے مختلف وسائل سے کام لیتا ہے زبان انہی اہم وسائل میں سے ایک ہے لیکن مہجور کی منفرد خصوصیت یہ ہے کہ جن معروضات کو انہوں نے اپنی شاعری میں استعمال کیا ہے یا جو الفاظ انہوں نے شاعری میں برتے ہیں، وہ اُن معروضات کی ''ترجمانی کرتے ہیں جنکے متعلق ہمارے حسین تصورات وابستہ ہیں اور جسے مہجور کی جمال پسندی سے ہی تعبیر کیا جا سکتا ہے.

☆

ٹی ،این ،کول

مہجوراور اُن کا فن

مہجور کأشرِ کأنسہِ ژِ زونٛگھ نہٕ وِنستام
یِم زانہٕ نے تَم وُنہِ چھِ یِنے بوز کأنٛہہ کأنٛہہ زاو

مہجور کا کلام اُن کے ایک عظیم شاعر، محبِ وطن اور انسان دوست ہونے کا ضامن ہے۔ غیر ضروری الجھاؤ پیدا کرنے سے اجتناب اور اسلوب کی سادگی کے موجب ایک عام آدمی بھی اُن کے فن سے لطف اندوز ہوسکتا ہے۔ لیکن اس سادگی میں رچی بسی فنی نزاکتوں اور باریکیوں کو سمجھنے کیلئے اور ان کے فن سے پوری طرح فیض یاب ہونے کیلئے اُن کے فن وفلسفہ اور اس کے محرکات کی تہہ تک جانا ناگزیر ہے۔ وہ کشمیر کے واحد شاعر ہیں جنہوں نے انگریزی کے نامور شعراء ورڈس ورتھ، شیلے اور کیٹس (Keats) کی طرح عشق ومحبت، فطرت اور انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے اسرار ورموز کو نہایت ہنر مندی اور خوبصورتی سے اُجاگر کیا ہے۔ ان کی مشہور نظم ''گریس کوٚر'' کا انگریزی ترجمہ پڑھ کر رابندر ناتھ ٹیگور اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے مہجور کو کشمیر کا ورڈس ورتھ قرار دیا۔ (اس نظم کا انگریزی ترجمہ ٹیگور کو ان کے شاگرد اور نامور ہندوستانی ادیب دیویندر ستیارتھی نے پیش کیا تھا) ٹیگو نے مہجور کی

گریس کوُر اور ورڈس ورتھ کی سولٹری ریپر'' (Solitary Reaper) میں بہت زیادہ یکسان محسوس کی۔ دو نظموں میں تخیل کی جامعیت اور انداز بیان کی خوبصورتی و چابکدستی دیکھ کر کچھ دیر کیلئے لگتا ہے۔ کہ ان کا تخلیق کار ایک ہی ہے۔

اس سے پہلے کہ مہجور کے فن کا تفصیلی تجزیہ کیا جائے، یہ مناسب ہوگا کہ ہم اُن سے پہلے کہ حالات اور کشمیر کے ادبی وتمدنی پس منظر کا ادراک حاصل کریں تا کہ ہم واضح طور جان لیں کہ انہوں نے کن روایات کو اپنایا اور انفرادی طور پر کشمیری ادب کو کیا دیا۔

کشمیر کے نامور نظم گو جیسے لل دید (۱۴ صدی) حبہ خاتون أرکِ نہِ مال (۱۷ ر۱۸ صدی) محمود گامی اور پر مانند (۱۹ صدی) اپنے اپنے عہد کے روحِ رواں تھے۔ ایک دوسرے سے مختلف ہونے کے باوجود ان کے کلام سے انفرادی اور اجتماعی طور پر ایک ہم آہنگی کا احساس ملتا ہے۔ انسان کی ازلی بے چارگی اور بے بسی کی کیفیت کے تاثر کے علاوہ ان کی شاعری میں اس بے چارگی اور بے بسی کا ازالہ کرنے کیلئے خدا کی ذات پر کابل بھروسہ اور قانونِ قدرت کی لامحدود وسعتوں میں ضم ہونے کے خواہش بھی ان کی شاعری کا ایک اہم اور مرکزی جُز ہے۔ یہاں ہمیں جوش، ولولہ اور خوشی ومسرت کے تیز رنگ نہیں ملتے ہیں۔ اس کی وجہ شاید اُس وقت کے غیر مستحکم سماجی وسیاسی حالات ہیں۔ حالانکہ موضوع اور اسلوب کے لحاظ سے انیسویں صدی تک کشمیری شاعری میں کوئی خاص تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔ پھر بھی مشاہدے سے پتہ چلتا ہے کہ اٹھارویں صدی ہی میں یہاں کی شاعری میں کچھ نیا پن ظہور پذیر ہو رہا تھا۔ شعراء کی سوچ دنیاوی طور زیادہ حقیقت پسند ہوگئی تھی اور شاعری تصوف کے دائرے سے نکل کر انسانی زندگی

کے روزمرہ کے مسائل اور پیچیدگیوں کو اپنے اندر سمونے کی سعی میں مصروف نظر آنے لگی تھی۔ اس دور کے شعراء نے ایسے گیت اور نظمیں مرتب کرنا شروع کیں جن میں عام لوگوں کو اپنے دل کی دھڑکنوں کی بازگشت سنائی دینے لگی۔ اس شاعری میں انہیں ایک خوشگوار اور درخشان مستقبل کی کرنیں پھوٹتی ہوئی دکھائی دیں۔

جب مہجور کشمیری ادب کے اُفق پر نمودار ہوئے اس وقت کشمیری شاعری دو حصوں میں بٹ کر رہ گئی تھی۔ ایک مسلم شعراء کی فارسی آمیز صوفی شاعری، دوم ہندو شعراء کی بھکتی بھاونا پر مشتمل سنسکرت آمیز شاعری۔ اس وقت کی یہ شاعری موضوع اور اسلوب دونوں کے لحاظ سے اتنی مبہم تھی کہ اس تک عام قاری کی رسائی ناممکن تھی۔ ان دنوں کشمیری ادب کے ساتھ یہاں کے لوگوں کا لگاؤ نفی کے برابر تھا۔ کشمیری زبان بھی کسی اہمیت کی حامل تھی۔ سکولوں اور کالجوں میں بھی اس زبان کی درس و تدریس نہیں ہوتی تھی پڑھے لکھے کشمیریوں کو اپنی مادری زبان کو روزمرہ کی بول چال میں بھی استعمال کرنا ناگوار گذرتا تھا۔ کشمیری عوام بہت ابتری کی حالت میں گذر بسر کر رہے تھے۔ اور لوگ اپنی ریاست سے باہر رہنے کو ترجیح دیتے تھے، جہاں وہ مقابلتاً بہتر محسوس کرتے تھے۔ ناسازگار حالات کے اسی ماحول میں مہجور کشمیری زبان میں نظمیں لکھ کر فضا میں ایک خوشبو سی بکھیرنے لگے۔ انہوں نے ایک عام فہم اور سلیس زبان اپنا کر کشمیر کے فطری حسن کو لفظی پیکر عطا کئے۔ اسکے ساتھ ہی انہوں نے یہاں کے صابر اور حلیم لوگوں کے درد و غم کی بھی عکاسی کی۔ انہوں نے اپنی شاعری میں عام لوگوں کی زبان اور کشمیری تہذیب و تمدن کی جس شاندار روایات کا ایک حسین امتزاج پیدا کیا وہ قابلِ ستائش بھی ہے اور قابل تحسین بھی۔ انہوں نے اپنے کلام میں لوگوں کے نازک، سے

نازک جذبات واحساس کی ایک عام فہم زبان میں ترجمانی کر کے کشمیری شاعری کو ایک نئی جہت، جدت اور رعنائی بخشی۔

شروع میں مہجور نے عشق ومحبت کے موضوع پر بہت ساری نظمیں لکھیں۔ ایسی نظمیں اُن سے پہلے کے شعراء نے بھی لکھی تھیں۔ لیکن جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے۔ کہ مہجور کے اسلوب کی جیسی سادگی، طرز بیان کی شگفتگی اور عاشق کے جذبات کی پُر خلوص ترجمانی اُن شعراء کے یہاں نہیں ملتی ہے۔ (کشمیری شاعری میں ''عاشق'' عموماً عورت ہوتی ہے) اپنے محبوب کے حسن پر فریفتہ ہوکر ایک دوشیزہ کہتی ہے۔

یێلہِ چانہِ حسنُک شوہرٕ پیۆ بۄ زِتھ یہ دل دیوانہٕ گو
لاران بہٕ آسے درحۆضور
دُردانہٕ موہسم دۄر دۄر

اوراس کے بعد دُکھ سُکھ کی کیفیت سے بے نیاز ہوکر اپنے محبوب پر نچھاور ہو جاتی ہے۔

أسس نێندرے ہٕژیے وأژِس چانہِ خُدمٕژے
لولہٕ چانہِ راوہم رأژیے
پوشے متہِ جانانو

اپنی ایک نظم ''اژولولہٕ باغس'' میں مہجور کہتے ہیں کہ عشق دنیا کی ساری نقل و حرکت اور رونق کا محرک ہے۔ اس نظم سے یہ بات بھی عیاں ہوتی ہے۔ کہ انہیں فطرت کے مناظر اور دیگر پہلوؤں کا بھرپور اور گہرا مشاہدہ تھا:

لولچہِ پوشہِ تھرِ لولہٕ چہٕ رنگہٕ ژرِ لوٕلکو ونان اسرار
لولک واو ووت نِش لولہٕ پوشن لولس کران وبہار

وہ اس بات کا بھی اظہار کرتے ہیں کہ عشق ومحبت کے مقدس جذبے کی آبیاری صرف قربانی اور تیاگ سے ہوسکتی ہے۔

گُل مولہٕ ناوان پان تھر پیٹھ دِل چھُ پردس تل
گُلِ ژھارِ بلبل لولہٕ ہوٚت دل ژھارِ محبت
تتہِ پادشاہن تان پنُن بخش فقیرس
بڑِ کھوتہٕ واراہ بوٚڈ وچھُم دربارِ محبت

(محبوب کے بے مثال حسن کی پیکر تراشی کتنے لطیف اور شاندار انداز میں کی گئی ہے)۔

چون خطٕ وخال شوٗبہٕ وُن چال تے ڈھال
حورٕ سورگچہٕ وچھ وچھ گیہٕ بے حال
سورِسے عالم لوِ چانٛی ژھاے مدنو
ولو کرٕ یو لولہٕ متہٕ لائے مدنو

(محبوب کے ناز وانداز اور عاشق کی ناز برداری اور یاس وامید کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں)۔

شامن انیوم سالے کوٗرمس مےٛ حوالے
پھیرِتھ سُہ دراوکالے بیٛیہ لول آم ییہ کر

گاہ چھُم سورگس سأر کرناوان   حۄرن دۄرِکن یہ ہاوان چھس
گاہ چھُم خاکس ستۍ ملہٕ نادان   پوشن مالہٕ کرناوان چھس

قندتے نابد ألہٕ سُپأری   تھاوس چنہٕ برٕی بأری یے
ییہ نابہٕ کرس بنہٕ یزأری
لگہٕ یو بال پأرٕ پأری یے

مہجور کی عشقیہ شاعری میں فراق کی حالت کا بیان بہت دلگداز اور موثر انداز میں کیا گیا ہے۔ اپنے محبوب کی جدائی میں عاشق کے دل و دماغ میں جو خیالات و جذبات موجزن ہوتے ہیں اور اسے جن جن کیفیات سے دوچار ہونا پڑتا ہے شاعرِ کا قصور ان خیالات و جذبات اور کیفیات کی تہہ تک جا کر قاری کے سامنے ایک جامع تاثر وتصویر پیش کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے معشوق کے سامنے آہ وزاری کرتے ہوئے انہوں نے کہا ہے

موروش متے مو روش یہ نو ژالہٕ جُدأیی
کرٕ جان فدا پان پننۍ مارٕ أتی روز

بالہٕ پیٹھ لایے نادو   پتھ پھیر ہا شاہ زادو
موژل گوڈٕ پال وادو
پوشے متہٕ جانانو

فرقت کی راتوں میں عاشق کو کن کرب ناک لمحات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اُس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں ۔

یکھنا حالِ دل باوے دۄ دمُت سینہٕ ہا ہاوے
تیٚلہٕ یکھا ییٚلہٕ بوراوے
پوشے متہٕ جانانو

مےٚ چُونہٕ سومبراوِ خۄنہٕ دلہ چے رچھان روزس بہٕ رأتی راتس
تھوٕہم سمبأیتھ نشانہٕ باپتھ تمے ژیہٕ نالس جرے ہا لالو

خون گوم جأری اۄش ہأری ہأری
پھلہٕ پھلہٕ گوم موختہٕ ہار مدنو

(عاشق کے دل میں یہ خدشہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کا محبوب کسی اور کی زُلفِ خمدار کا اسیر ہو چکا ہے) ۔

یہ پرٕمس یارٕ کُمی چھوُکھ ژٕ غأرن ہٕتی مِلہٕ نوُکھ
کرِتھ تعویز برمہٕ روُکھ کمیٚو آرٕ ولے بوٚمبرو

(اتنا کچھ ہوتے ہوئے بھی عاشق چاہتا ہے کہ اس کا محبوب اس کے پاس بیٹھے تو وہ اس کیلئے اپنا سب کچھ قربان کر کے اپنے وجود کی تشکیل کرے) ۔

یہ ہمنا حالِ دل باوے گچھِ کُٹھِ توسہٕ وتھراوے
پٹھن زُو پیشکش تھاوے مےٚ پانس شرژ لے بوٚمبرو

جدائی کی غم انگیز کیفیت سے دو چار ہونے پر عاشق کے جذبہ عشق میں زیادہ

وسعت اور پختگی آجاتی ہے مہجور کی عشقیہ شاعری میں اس کا اشارہ بار بار ملتا ہے۔

مہجور کی شاعری کا ایک اور پہلو فطرت نگاری ہے۔ فطرت کے گونا گوں پہلوؤں کی دلفریب تصویر کشی اور انسانی جذبات سے ان کی ازلی وابستگی کا موثر اور پُر لطف بیان مہجور کی فطرت نگاری کا جوہر ہے۔ اپنی ایک نظم 'سونت' میں شاعر نے فطرت کی رعنائیوں اور انسان کے جذبہ عشق کا کتنا حسین امتزاج پیدا کیا ہے

بخشتھ ژےٚ آرن آبشارن دردِ سوزُک ساز
افسانہٕ لوٕلکی ونہٕ ناوان آکھا بہارو

اپنی ایک اور نظم "لوکہٕ چار" میں مہجور نے بچپن کے چین اور بے فکری کے بیتے دنوں کی یاد کی پیکر تراشی کیلئے فطرت کو نہ صرف ایک پسِ منظر بلکہ ایک دلکش استعارے کے طور پر بھی استعمال کیا ہے

میون لوکچار ونہٕ ئے اوس دیودار لبہِ ڈری یا چھاوان تازٕ سبزار
متو ژٹتم ہا تبردارو ہو نو بہارو میانہِ لوکہٕ چارو ہو
میون لوکہ چار ژلہٕ وُن آبہٕ رٔنیٖ آر گو نیرِتھ پھیرتھ یُن چھُ دُشوار
کولہٕ رادن دوٕر سبزار ہو نو بہارو میانہِ لوکہٕ چارو ہو

مہجور کو فطرت کے متعدد پہلوؤں کے اسرار و رموز کا کس قدر تیز مشاہدہ تھا اور انہیں الفاظ کے قالب میں ڈھالنے اور استعاروں کے طور پر استعمال کرنے کی کتنی مہارت تھی اس کا اندازہ مندرجہ ذیل اشعار سے ہوتا ہے

صبحکہِ واوو چھُکھ ژ تھدِ شانے	رازِ گُل کرمے نش بیانے بوز
پوش اسہِ نآوی تھکھ کمہِ بہانے	بُلبلہ ہندی افسانے بوز
پوشک مرتبہ کُنڈی کیا زانن	دانا زِن چھُ نا دانن منز
اَکی سے زاے کیا اکھ اَکس مانن	جائے تمی رٹ پرستانن منز

فطرت کی دلکش پیکر تراشی اور حسن و عشق کی پُر کیف نغمگی کے علاوہ مہجور کی شاعری میں ہمیں فلسفیانہ گہرائی بھی ملتی ہے۔مہجور کو دنیاوی زندگی کی عارضی خوشیوں و مسرتوں اور اس کی ہنگامہ خیزی کی بے ثباتی کا بھرپور احساس تھا ۔

یُس راجہِ چمنگ باجہِ وایان تس چھِ جاناوار
سُہ تہِ کیا زِ ژٹتھ جامہِ پریشان چھُنتھ گو

اُن کی نظر خارجیت کے پردوں کو چاک کر کے باطن کی اصلی اور دائمی حقیقت کی متلاشی تھی ۔

پوش پھوٗلی ہتی دارِ کیتھن رنگ، کیتھن رنگ و بو
روز وُن یُس گُل چھُ باغس سُے گلومنز ژارِ ہا

اُن کو موت کے بعد عمل اور دائمی زندگی پر یقین کامل تھا ۔

گُل ہردِ ہران، سونتہِ بیہِ دبارِ کران دور
مرِ مرِ چھِٹے پھیران زندگی وسواس مرنک ترٚاو

وہ مذہب کی تنگ حدود سے نکل کر انسانی سطح پر تمام رشتوں کو سمجھنے کے قائل تھے۔ انسان کو اپنے اندر دن میں ڈوب کر اپنی حقیقت اور اپنے خالق کائنات تک پہنچنے کا راستہ خود تلاش کرنا ہوتا ہے۔

کس کران چھُکھ پوشہٕ پۆزا کور گُن لاگ جتھ نِماز

بنٛدگی کرپأنی پانس کعبہٕ ژٕے بُت خانہٕ ژٕے

مہجوؔر کی زندگی اور شاعری میں ایک ایسا بھی دور آتا ہے جب انہیں اس بات کا شِدت سے احساس ہو جاتا ہے کہ ان کے فن کی پوری طرح قدر نہیں ہوتی ہے۔

ژ یتہٕ مہجور س دا رٕ آ زمأ وِ تھ   دِ زِ وِز سمکھان چھ ہوی گژ اکھ

توٚ ہہ دون چھُنہٕ کانٛہہ ہٮ۪کان پڑ زنأوِتھ   ژٕ کٔتیو ژھوگ راورأ وِتھ آکھ

کہیں تو صاف اِشارہ ملتا ہے کہ وہ جو کچھ کہنا چاہتے تھے کچھ بندِشوں کی بِناء پر وہ سب کچھ نہیں کہہ پائے ہیں ۔

نہ چھم کیٛنہہ زیرٕ کی ہاوِنی نہ چھم ناماوٗری پاوِنی

رٕفیقن دردِلن پنٕنٮ۪ن دِلک اوَحال باوُن چھُم

وَتہٕ چانہِ وچھ ہادارِنظرن رأچھ چھم کَم تام

ہۆزم ووٚنی کرنم رأچھ دِلہٕ چے رایہِ وَنے کیٛاہ

اس کی ایک وجہ یقیناً اُس وقت کے ناموافِق سیاسی حالات بھی رہے ہوں گے اُن کی ایک نظم ‘‘صبح’’ سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔

یِم گُلی حدٕ کھوتہٕ زیادِ شاخ کھالن   تِمہ نٕے چھُ باغوان ہٮ۪وان ترٛاش

دَمہٕ دمہٕ رأچھی کرِ پنٕنٮ۪ن خیالن

سنگر مالن پھوٚ پرٛاگاش

مانہِ ژارمہجوؔرِ سٔخن مِثالن   مُنز رِتھ وَنہ ہے رسر گژھِ فاش

دانا بوزَن تہٕ نادان ٹالن

سگر مالن پھو پرا گاش

آزادی کے بعد حالات میں بہتری آئی تو مہجورؔ خوشی سے چلا اُٹھے۔

مہجورؔ مۄژ راوِ بندٕ گی ہُنٛد کمر   ییٚتہ یورووٕنی چھُکھ ژٕ خود موختار

دِل چھُے حأ کم زبوچھَن نوکر

پوشن کراو کر چھا وگلزار

مہجورؔ کی شاعری کا ایک اور نمایاں دور اُس وقت شروع ہوتا ہے جب انہوں نے سماجی وسیاسی معاملات میں بھرپور دِلچسپی لینا شروع کی۔تو ہم پرستی ،غربت۔معاشی اور سیاسی استحصال کی وجہ سے کشمیری عوام بہت اذیت ناک حالات سے دوچار تھے مہجورؔ نے محسوس کیا کہ عوام کو اس حالت غیر سے نجات کا کوئی راستہ دکھانا ہے۔انہیں اس بات کا احساس دِلانا ہے کہ آیا وہ آزادی سے سوچنے سمجھنے اور زندہ رہنے کا مکمل حق رکھتے ہیں؟ ان دِنون ہندوستان میں تحریک آزادی نے جڑ پکڑلی تھی اور کشمیر میں بھی اس کا پرتو پڑ چکا تھا،نیشنل کانفرنس کے جھنڈے تلے مہاراجہ کے ظلم وجبر کے خلاف ایک تحریک شروع ہوچکی تھی مہجور نے اپنے طور پر اس کا بھرپور اثر قبول کر کے کشمیری عوام کے تئیں اپنا حصہ اُدا کیا

کسانوں کی ابتر حالت کا ذکر یوں کرتے ہیں

کیٚاوَنے وٕری یَس جِکھتھ زِینتھ بہ رۄدُس فاقہ مس

بیٚا زرَ رووانہ تہٕ   سونروغأب   گٕری   انبار میأنی

دِوہس زُوجان ژٕتھ شامَس اَژٕرے ژٕوٹ چھُم دِوان ماےٚلِک
کُمس راضی بہٕ سُتہٕ میانِس غمس تن دار آسُن گوٚژھ

پھر ساتھ ہی وہ لوگوں کو اس پستی کی حالت سے نِکلنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ وہ اُن کے دِلوں میں جوش وولولہ پیدا کر کے اُنہیں مشکل حالات سے مردانہ وار لڑ کر اپنی تقدیر بدلنے پر آمادہ کرتے ہیں

کری کُس بُلبلاہ آزاد پنجرس منز ژٕ نالان چھُکھ
ژٕ پَنہ نے دستہٕ پَنہٕ نن مُشکلن آسان پیدا کر
اگروٗ زناوٕہن بُستی گُلن منز تڑاو زیرو بم
بُنیلکر واوکر، گگرایکر، طوفان پیدا کر

مہجور ہمیشہ سماجی ومذہبی بھائی چارہ کے روادار تھے۔ جب آزادی کے وقت سارا بھارت فرقہ وارانہ آگ میں جل رہا تھا تو انہوں نے کِس پرخلوص لہجے میں لوگوں کو آپسی محبت اور اتحاد کی تلقین کی:

دوٗد چھُ مسلم ہیوٚند چھُ شکر صاف صاف
دوٗدتہٕ شکر ملہٕ ناوو پانہٕ وأنی
ہیٚندی رٹن نم، کھوٗری واین اہلِ دین
ناو یٚیمہٕ مُلکچ چلاوو پانہٕ وأنی

مہجور ایک تابناک مستقبل کا یقین دیئے ہوئے ایک عام آدمی کے دل کو ہمت و حوصلہ اور اُمید کی روشنی سے پُر نور کر دیتے ہیں۔

ڈلہٕ منزٕ ڈنگل کھالن جوٗاہر ووٕلرِ کہ سۆ درٕنشہٕ موٚختہٕ گرٛٹھ ظاہر
ژھارنہٕ ییہٕ اکھ جہانا تھاوتو کن ہامتہٕ لالولولُک ونے افسانا

یہاں اس بات کا ذکر نامناسب نہیں ہوگا۔ کہ سماجی وسیاسی نابرابری اور استحصال کے متعدد زاویوں اور پہلوؤں کی نشاندہی کرتے ہوئے بھی مہجور کی شاعری میں پراپگنڈہ کی کوئی علامت نظر نہیں آتی ہے۔ اس کے برعکس مہجور نے اپنی شاعرانہ انفرادیت اور عظمت کو برقرار رکھا ہے۔

بھارت کا بٹوارہ ہونے پر ہندوپاک کے عوام کو جن المناک حالات کا سامنا کرنا پڑا، اُس سے مہجور بہت زیادہ پریشان اور بے چین ہوگئے۔ چنانچہ اپنے دُکھ کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

یہ آزاٗدی گوڈٕنی ییلہٕ دژایہٕ تٔژ ہندوستانس منزٕ
لچھو پاٹھۍ آیہ انسانن تلان تِلہٕ کرایہ آزاٗدی
غریبی مفلسی بے بوج ستی ہتھ خانہٕ واٗراٗنی
اٗمی رٕژِ ترایہٕ اسہٕ پٔٹھ آیہ تراوان سایہ آزاٗدی

کشمیر پر قبائلی حملہ ہونے پر مہجور نے ''شیروانی'' نام کی نظم لکھی جس میں انہوں نے بارہمولہ کے نوجوانِ شیروانی کو اپنے وطن کیلئے جان کی قربانی دینے پر خراجِ عقیدت پیش کیا۔

آزادی کے بعد مہجور کو حکومت کے ساتھ بہت امیدیں وابستہ تھیں۔ انہیں خیال تھا کہ اب عام لوگوں کو راحت و آرام میسر ہوگا۔ لیکن انہیں یہ دیکھ کر بہت دُکھ ہوا کہ اصل میں آزادی کا ثمر کچھ گنے چُنے طبقوں کے لوگوں میں آیا ہے۔ اور صرف وہ لوگ

زندگی کی آسائشوں کا مزہ لے رہے ہیں۔ اس ناانصافی پر طنز کرتے ہوئے کہتے ہیں

یہ آزٲدی چھےٚ کوکراہ جان سونہٕ سٕندی ٹھوٗل کیہنہٕ تراوان
تمے کیہنہٕ ٹھوٗل ہتھ ووٚنی پٹھ مژ ہیٚیہٕ پرایہٕ آزٲدی
یہ آزٲدی چھےٚ سورچ حۄر پھیریا خانہٕ پتہٕ خانے
فقط کیٚنژن گرن اندر چھِ ماران گرٛایہٕ آزٲدی

عوام کے تئیں حکومت کی سرد مہری اور افسر شاہی کے غرض مندانہ روئے پر یوں طنز کرتے ہیں۔

غریبن وارسی کرٕہن مگر چھنہٕ حأکٕمن فرصتھ
تموٚلب موٹرن اندر دوان تھدِ پایہٕ آزٲدی

مہجور سماج میں غیر ضروری طبقاتی نظام اور ناانصافی سے بالکل ناخوش تھے اس کے لئے ذمہ دار افراد کو تنبیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

موٚت گوکھتھزِہ زأژیٚیہٕ خاندانس لرِہ چھِی بام آسمانس ستۍ
انسان نظرِ وُچھی غریب انسانس
پٔے بوز لے تھاو زمانس ستۍ
دوہ تارٕ ژھوہ مار سازوسامانس بُتھِ چھےٚ کأم طوٗفانس ستۍ
لگھ بسن چأنس اتھ دیوان خانس
پٔے بوزلے تھاو زمانس ستۍ

مہجور نے بلاشبہ طرز فکر اور انداز بیان کے لحاظ سے کشمیری شاعری کو ایک نئی سمت

دی۔اس کا ذکر اپنی نظم بہ عنوان ''نوو دنیا'' میں اس طرح کرتے ہیں۔

وُچِتھ مہجور نۆرِس کُن نۆوُے رنگا ہوان ہاوُن

نۆوِس سمیس نۆوِس دورس نۆوُے گُفتار آسُن گوٚژھ

اس نظم میں مہجور نے ایک ایسے پاک وصاف نظام وسماج کو تصور پیش کیا ہے۔جو تمام تر گندگیوں اور آلائشوں سے مُبرا ہو، جہاں ہر آدمی ایک دوسرے کے دُکھ سُکھ میں برابر کا شریک ہو۔

اپنی ایک اور شاہ کار نظم میں مہجور نے ایک بُلبُل کی کربناک حالت کو ایک استعارے کے طور پر استعمال کر کے ایک کمزور اور لاچار انسان کی بے بسی کی المناک تصویر کھینچی ہے۔ایک طویل نظم ''زون'' میں وہ اپنے ملک وقوم کی قدیم اور شاندار روایات کو یاد کرتے ہوئے ماضی کے دھندلکوں میں کھوئے جاتے ہیں۔چاند کی بے قراری اور دائمی سفر کو وہ ایک عاشق کے اپنے محبوب کی تلاش میں سرگرداں ہونے سے تعبیر کرتے ہیں۔نظم انتہائی جاذب اور برمحل تشبیہات واستعارات سے معمور ہے نظم ''وزملہ'' میں مہجور ایک بار پھر ایک ماہر پیکر تراش ہونے کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔اس نظم سے اُن کے تخیل کی جامعیت جاذبیت کی بھی بھرپور مثال ملتی ہے۔برق کو ایک نئی نویلی دلہن سے یوں تشبیہ دیتے ہیں۔

شامہٕ ژھایہٕ اوبر دار جامہٕ ؤلی ؤلی یے وأریو۔تھ چھکھ پھیرتھ گرژھان

بیٚیہٕ چھکھ مالِہن گرژھان ژٕلی ژٕلی یے

نۆر وُزمٕلی یے پۆر ہاوپان

درشُن ہوٚوُتھ پردٕے تٕلی یے نظرِ اکہٕ وُچھتھن سوٚرے جہان

پان ژہایہِ تھوُتھ بیٚہ ؤلی ؤلی یے
نوٗرٕ وُزملٕی یے پوٗر ہاو پان

کیا ورڈس ورتھ یا ٹینیسن (Tennyson) اس سے زیادہ خوبصورت اور موثر انداز میں برق کو انسانی پیکر میں تراش سکتا تھا؟ یہ بات اکثر قیاس آرائی کا موجب ہو سکتی ہے۔

کشمیری ادب میں مہجور کی انفرادیت وعظمت کا اعتراف ہمیشہ ہوتا رہے گا۔ وہ عوام کی دل کی دھڑکنوں میں بسنے والے شاعر تھے۔ اُن کی معطر اور پُر بہار شاعری سُن کر اور پڑھ کر آدمی، اپنے آپ کو ایک پُر کیف فضا میں سانس لیتا ہوا محسوس کرتا ہے۔ اُن کی پر جوش اور ولولہ خیز انقلابی شاعری آدمی کو درد و غم اور مایوسی کی حالت میں بے بس پڑے ہوئے ایک نیا حوصلہ اور ہمت بخشتی ہے۔

انگریزی سے ترجمہ
مترجم پرویز احمد نقاش

☆

شاہد بڈگامی

فلم مہجورؔ۔ چند یادیں

کشمیری زبان کے عوامی شاعر غلام احمد مہجورؔ کی زندگی سے متعلق ''شاعر کشمیر'' مہجورؔ نام سے کشمیری اور اردو زبانوں میں ایک Full Length فیچر فلم کی تیاری جموں و کشمیر کے مرحوم وزیر اعلیٰ خواجہ غلام محمد صادق اور فلم سٹار و ادیب بلراج ساہنی کا ایک ایسا کارنامہ ہے جسے کشمیری زبان، اَدب اور تمدن کے پرستار ہمیشہ فخر سے یاد کریں گے۔

برصغیر ہندوپاک میں مرزا غالبؔ پر ایک (تجارتی) فلم کے بغیر کسی بھی بڑے شاعر کی زندگی کو اس اہتمام سے رنگین فیچر فلم کا موضوع نہ بنایا جاسکا جس طرح مہجورؔ کی ولولہ انگیز زندگی پر ریاستی حکومت کی مالی معاونت اور سرپرستی سے ایک فلم بنائی گئی۔

کشمیری زبان کی اس اولین رنگین فلم کو سری نگر میں مرحوم صادق نے ۱۱ ستمبر ۱۹۷۰ء کو نمائش کے لئے ریلیز کیا تھا۔

میں فلم شاعر کشمیر مہجورؔ میں بلراج ساہنی اور اس کے ہدایت کار پربھات مکرجی کے خصوصی معاون کی حیثیت سے وابستہ رہا۔ اس کے علاوہ فلم کے ہیرو پریکشت ساہنی اور آنجہانی سوم ناتھ سادھو کے ساتھ میں نے فلم میں ایک چھوٹا سا رول بھی ادا کیا تھا۔ فلم شاعر کشمیر مہجورؔ کی تیاری میں معاونت اور اداکاری کے تعلق سے مجھے اس فلم کے

پروڈکشن Production سے وابستہ کاروں، تکنیکی عملے اور بمبئی اور کشمیر کے سرکردہ اداکاروں سے کم وبیش پانچ سال تک قریب رہنے کا موقعہ ملا تھا۔ اس لئے فلم کی تیاری سے لاتعداد خوبصورت یادیں وابستہ ہیں جن کا تذکرہ یہاں طوالت کا باعث ہوگا، فلم شاعر کشمیر مہجورؔ کی خوبیوں کو اُجاگر کرنا بھی اپنے مُنہ میاں مِٹھو بننے کے مترادِف ہوگا۔ کیوں کہ میں اس پروجیکٹ سے خود بھی وابستہ تھا۔ فلم کی اُن خامیوں سے متعلق بھی جن پر اس کے ریلز ہوتے وقت نِشاندہی کی گئی تھی اور جنہیں ہمارے کئی قدردانوں نے اجازت کے لاتعداد کالموں میں بڑھا چڑھا کر پیش کیا تھا۔ میں صرف اتنا کہوں گا کہ وہ محض تنقید برائے تنقید تھی اور کچھ بھی نہیں۔ البتہ میں یہ ضرور کہوں گا کہ اگر آج یعنی اُس فلم کی شروعات سے ۱۹ سال بعد اسے دوبارہ بنانا ہوتا تو آج کے فلمی معیار کے مطابق یہ فلم واقعی اُس سے کہیں زیادہ شاندار بنائی جاسکتی تھی کیوں کہ آج کل اسے زیادہ شاندار بنانے کے امکانات روشن ہیں۔

میں فِلم شاعر مہجورؔ کے بارے میں یہ بات بھی وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس فلم میں بلراج ساہنی اور اُن کے بیٹے پریکشت ساہنی اور کشمیری فن کاروں اور اداکاروں نے کسی مالی فائدے کے بغیر کشمیری کلچر اور مہجورؔ سے بے پناہ محبت کے جذبات کے زیراثر بیحد محنت کی۔ تجارتی فِلموں کے برعکس کشمیری اداکاروں کو فلم میں کام کرنے کے عوض بہت کم معاوضہ دیا گیا۔ میرے ساتھی کشمیری اداکاروں میں سے اکثر نے پہلی بار کیمرے کا سامنا کیا تھا۔ انکی خداداد صلاحیتوں سے کلکتہ اور بمبئی کے فلم اسٹوڈیوز میں اِنڈور شوٹنگ کے دوران وہاں آنے والے سرکردہ فلم شار اور اداکار بےحد متاثر ہوئے تھے۔

سورگیہ جگن ناتھ ساقی کو فِلم میں ایک بہت ہی قلیل مدتی رول Bit role دیا گیا تھا

جو نصف منٹ سے بھی کم کا تھا لیکن اس نے ایسا تاثر چھوڑا کہ بمبئی کی فلم لیبارٹری میں ڈبنگ کرتے وقت وہاں پر موجود ٹکنشنز اور کئی فلم ساز اس بوڑھے کشمیری اداکار کا شاندار کام دیکھ کر دنگ رہ گئے تھے اور بعد میں کئی فلم سازوں کی طرف سے اسے offers بھی ملے تھے۔ بلراج ساہنی پریکشت ساہنی کلپنا، گیتا نجلی، سبیتا چٹرجی، رجنی گپتا وغیرہ کے ساتھ جن بیسیوں کشمیری اداکاروں نے اس فلم میں اہم رول ادا کئے ان میں پران کشور، امکار ایمہ، (آنجہانی) سوم ناتھ سادھو، پشکر بھان، ساجدہ ضمیر احمد، کشوری کول، کشن کمار، امکار خزانچی، راجا حمید، پشکر رینہ، محمد سلطان، عبدالمجید وغیرہ کے نام سرفہرست ہیں۔ ان سب اداکاروں نے اپنی قابلیت اور صلاحیت کا لوہا منوالیا تھا۔ پران کشور فلم کی تیاری میں منتظم اعلیٰ کے طور پر سرگرم عمل رہے تھے۔

فلم کا کام ۱۹۶۵ء میں شروع کیا گیا اور کم وبیش پانچ سال میں مکمل ہوا۔ اس کے اُردو روپ کے لئے مہجورؔ کے گیتوں کو کیفی اعظمی نے اُردو کا جامہ پہنایا اور ان کی موسقی پریم دھون نے ترتیب دی تھی۔ اوشا منگیشکر، سُمن کلیان پور اور منا ڈے وغیرہ نے ان گیتوں کو اپنی آوازوں میں لافانی بنا دیا تھا۔ اردو رُوپ کے کئی گانے کافی HIT ہوئے کشمیری فلم کی موسیقی موہن لال ایمہ نے ترتیب دی تھی اور اسے سری نگر کے علاوہ وادی کشمیر کے قصبات میں کافی مدت تک دِکھایا گیا اور عوام نے اسے بے حد اشتیاق سے دیکھا اور پسند کیا تھا۔

کشمیری زبان میں رنگین فلموں کی تاریخ فلم شاعر کشمیر مہجورؔ سے ہی شروع ہوئی ہے وہ بھی ایک ایسے شاعر کی زندگی سے جو خود ہمارے دور سے وابستہ ہے۔ اس لحاظ

سے مہجورؔ کی زندگی پر ایک آرٹ فلم بنانا کافی مشکل کام تھا اس لئے کہ اس فلم کے ہر زاویہ پر عوام الناس کی نظریں لگی ہوئی تھیں۔ اور وہ لوگ بھی بقیدِ حیات تھے حقیقت میں یہ ایک جراتمندانہ اور باوِقار RISK تھا۔ اس جراتمندانہ قدم کی پیچد گیوں اور خطرات کا احساس صرف ان لوگوں کو ہوگا جو فلمی صنعت کی مُبادیات سے واقف ہیں۔

یہاں یہ بات قابل ذِکر ہے کہ ۱۹۷۰ سے آج تک فلم مہجورؔ کے بعد کشمیری زبان میں کوئی رنگین یا سیاہ وسفید فیچر فِلم نہیں بنائی جاسکتی ہے۔ ٹیلی وِژیرن کے لئے حبہ خاتونؔ اور رسول میرؔ جیسی چھوٹی T.V فلمیں بنا کر بشیر بڈ گامی نے یہ ثابت کر دِکھایا ہے کہ کشمیری نوجوانوں میں عمدہ فلمیں بنانے کی بھر پور صلاحتیں موجود ہیں لیکن یہ اور بات ہے کہ اس خطہ ارض میں فلم آرٹ یا صنعت کا سلسلہ آگے نہ بڑھ سکا ہے۔ ہندوستان کی دیگر علاقائی زبانوں کے مقابلے میں کشمیری زبان میں فلمیں بنانے کا عمل نفی کے برابر ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ یہاں تجارتی فلموں پر سرمایہ لگانے کے لئے کوئی بھی آگے آنے کا Risk نہیں لیتا اور آرٹ فلموں کی تیاری کے لئے کوئی ادارہ موجود نہیں ہے۔ اس طرح کشمیری زبان میں رنگین یا سیاہ وسفید فیچر فلمیں بنانیکا مستقبل قریب میں بھی کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ اس عتبار سے اولین رنگین کشمیری فِلم شاعِر کشمیر مہجورؔ کی تیاری بجائے خود کشمیری زبان اور کشمیری شاعر مہجورؔ کے تیئں عقیدت کا والہنانہ اظہار ہے جس کے لئے آنجہانی بلراج ساہنی (مرحوم) صادق صاحب اور کشمیری اداکار اور فنکار سبھی لائق صد آفرین ہیں۔ ان کی اس مشترکہ کوشش کو قدر کی نِگاہ سے دیکھا جانا چاہے۔

اس فلم کے پرنٹ محکمہ اطلاعات جموں وکشمیر کے پاس پڑے ہوئے ہیں جنہیں

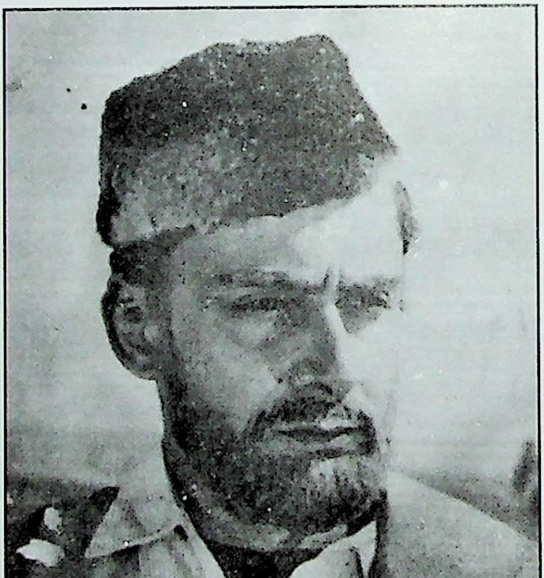
آسانی سے لوگوں کو خود محکمہ اطلاعات اپنے ذرائع سے دِکھا سکتا ہے۔ ان کی راہ میں کیا مشکلات حائل ہیں اس بارے میں وہی بہتر طور پر جانتے ہیں فلم ڈسٹری بیوشن کے طریقہ کار کی مشکلات کی وجہ سے یہ فلم ابھی تک اکثر لوگ نہیں دیکھ سکے ہیں اور یہ ڈبوں میں بند پڑی ہوئی ہے۔

سورگیہ بلراج ساہنی نے فلم کا کشمیری رُوپ ریلیز ہونے کے ساتھ ہی اس فلم سے متعلق سرکردہ لوگوں کی رائے جاننے کے لئے سینکڑوں خطوط لکھے تھے اور اہل نظر کی آراء کی روشنی میں ضروری ترامیم واضافے کے لئے وہ اُردو رُوپ کو ہر لحاظ سے عظیم الشان بنا کر پُورے ملک میں ریلیز کرنے کے علاوہ اسے انگریزی اور جرمن زبان میں ڈب کرانے کا منصوبہ بنا چکے تھے جس سے کشمیری کلچر اور کشمیری شاعر مہجورؔ عالمی سطح پر متعارف ہوتا لیکن صادق صاحب کے انتقال اور پھر خود داعی اجل کو لبیک کہنے کی وجہ سے ان کی آرزُو پوری نہ ہو سکی۔ مختصر یہ کہ فلم شاعر کشمیر مہجورؔ کی تیاری سے کشمیر میں فلم آرٹ کی جو بنیاد ڈالی جا چکی ہے اس پر مستقبل میں ہمارے نوجوان ایک عظیم الشان عمارت تعمیر کر کے اس قوم کو چار چاند لگا سکتے ہیں۔

☆



کاپیا — فلم "شاعر کشمیر مہجورؔ" کی ہیروئن۔





(۲) "شاعر کشمیر مہجور" فلم کی افتتاحی تقریب کے موقعہ پر لی گئی ایک یادگار تصویر۔ جناب غلام محمد صادق اور بیگم مہجور فلم کے اداکاروں کے ساتھ۔



بلراج ساہنی فلم مہجور کی شوٹنگ کے سلسلے میں بڈگام میں۔

محمد یوسف ٹینگ

مہجورؔ کا پُشت پناہ......ابنِ مہجورؔ

علامہ اقبال کے مکالمۂ جبرئیل ابلیس کی زبان سے یہ مشہور منظوم مکالمہ ادا ہوتا ہے۔

آہ اے جبرئیل تو واقف نہیں اس راز سے
قصۂ آدم کو رنگین کر گیا کِس کا لہو

غلام احمد مہجورؔ کی کہانی کا یہ راز بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ اس کی ہنگامہ خیز مقبولیت اور شہرت کے پس پردہ کسی شخص کی ذہانت اور صلاحتیں خاموشی مگر پُر کاری سے کارفرما تھیں۔ محمد امین مہجورؔ صاحب کی اکلوتی اولاد تھے۔ نہ کوئی بھائی اور نہ کوئی بہن۔ لیکن ادب اور تحقیق میں مہجورؔ اور ابن مہجورؔ کا رشتہ صرف باپ اور بیٹے کی حیثیت سے موجود نہیں رہیگا۔ جن لوگوں کو حالات کا پتہ ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ ابن مہجورؔ اپنے نامور باپ کے معیار بھی تھے اور اُن کے وزیر خارجہ بھی جسے ادبی مینجر کی اصطلاح سے بھی یاد کیا جاسکتا ہے مہجورؔ کے قصۂ شہرت میں اسکی اکلوتی اولاد کی رنگینی کس قدر جوموود ہے۔ اسکا علم اگر چہ اس وقت بھی بہت سے معاصرین کو ہے لیکن ابنِ مہجورؔ کی فروری ۱۹۸۰ء میں اچانک موت سے اسپر جو دبیز پردہ پڑ گیا۔ شاید اس کے نیچے اصل ماجرا ہمیشہ کے لئے چھپ گیا ہے اور اب اسکی کتنی ہی پرتیں کبھی نہ کھولی

جا سکینگی ۔لیکن یہ معاملے کا صرف ایک پہلو ہے۔ محمد امین ابنِ مہجورؔ کی شخصیت اُن کے قد آور والد کی نسبت کے علاوہ بھی اپنا جوہر اور جولانی رکھتی ہے۔اس نے والد کی زندگی میں ہی اپنی امتیازی شخصیات کے نقوش کی اچھی خاصی جھلک دِکھادی تھی لیکن والد کے بعد اٹھائیس سال کی زندگی میں اُسنے اپنی انفرادیت کے ایسے مظاہرے دکھائے کہ کشمیر کی تمدنی زندگی میں اس کے کسی مبسوط تحریری کارنامے کی عدم موجودگی کے باوجود اسے ایک شاندار جوہرشناس اور چلتے پھرتے قاموس کی حیثیت سے بہت دیر تک یاد کیا جائیگا۔شاید ان ہی خصوصیات کا ثمر یہ تھا کہ اسکو جموں و کشمیر ادبی سنگمؔ کے علاوہ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی نے بھی خلعت فاخرہ سے نوازا۔لیکن ابنِ مہجورؔ کے اصل امتیاز کا ثبوت یہ خلعت نہیں ہیں۔اسکا سب سے بڑا ثبوت اور شہادت اُسکی اپنی ذات تھی اور ع

اک شمع تھی دلیلِ سحر سو خموش ہے

محمد امین ایک بڑی ہی پیچیدہ اور تہہ دار شخصیت کا مالک تھا۔اس میں علم و عمل کے خیرہ کرنے والے شاداب نخلستان تو بہت زیادہ تھے لیکن اس میں کجی اور ٹیڑھ کے پہلو بھی شانہ بہ شانہ تھے اور اُسے ایک مکمل ''بشر'' بناتے تھے جب وہ زندہ تھا اور ملازمت سے وظیفہ حُسنِ خدمت بھی حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا تو اس وقت ہمیں یہ معلوم تھا کہ وہ ۱۹۲۱ء میں پیدا ہوا ہے۔اسکو سنن اور تاریخوں کا جو شمار از بر تھا۔اُس کے زیر نظر کس کا جگر تھا کہ اسے چیلنج کراتا۔مگر اُس کے اس دروغ مصلحت آمیز پر قدرت نے بھی گویا خاموشی سے آمنا کہہ کر توثیق کی مُہر ثبت کی تھی۔وہ آخری دنوں میں زیادہ ترننگے سر نظر آتا تھا۔اور اُس کے سر کے گنتی کے چند بال ہی چٹے نظر آتے تھے۔اُسکا

چہرہ جھریوں سے قطعاً عاری تھا۔ وہ اپنے لمبے وجود کے ساتھ الف کی مانند سیدھا کھڑا ہوتا تھا اور اسکی چال میں کسی مست شباب نوجوان کی اُستواری موجود تھی اس لئے جب اُسکی وفات کے بعد میں اس کے گھر متری گام گیا۔ اور وہاں اس کے نجی کاغذات پر نظر ڈالی تو یہ دیکھ کر میں اچھنبے میں پڑ گیا اس نے ایک نہ دو پورے دس سال اپنی عمر میں سے نِکال دیئے تھے اور کسی کو شک کرنے کو موقع بھی دیا نہ تھا محمد امین ۱۹۱۱ء میں پیدا ہوا تھا اور اس نے دس سال چھُپا کر اسی لحاظ سے سرکار کی آنکھوں میں خاک جھونکی تھی اور پورے پینسٹھ برس کی عمر مین ریٹائیر ہوا تھا۔

محمد امین کی تعلیم کا بھی کسی کو ٹھیک سے معلوم نہیں۔ میرا خیال ہے کہ اس نے میٹرک کی رُکاوٹ بھی پار نہیں کی۔ لیکن یہ خیال رکھنا میری سخت جانی اور کسی حد تک حماقت کی پیداوار ہوسکتا ہے۔ کیونکہ محمد امین کے پاس بہت سے طالب علم آتے تھے۔ جو پی ایچ ڈی کی آزمایش میں مُبتلا ہو کر کراہتے رہتے تھے۔ محمد امین اتنی آسانی سے ان کی علمی گرہیں اور گانٹھیں کھولتا تھا۔ جیسے کوئی کنڈر گارٹن کے بچے کو گنتی سکھاتا ہے۔ اس کے پاس جاپان سے لے کر جرمنی اور فرانس کے بڑے بڑے سُکالر آتے تھے اور اسکے تجر علمی میں غوطہ لگا کر اپنی مشکل تو حل کرتے تھے لیکن اس عجیب آدمی کی گہرائی کا اندازہ کر کے محوِ حیرت ہو جاتے تھے۔ جین ناڈو سے لے کر محی الدین صوفی تک کتنے ہی سکالر اُسکی علمی رسائی کا اعتراف تحریری طور کر چکے ہیں۔

محمد امین جب عالم بلوغ کو پہونچا تو غلام احمد مہجور فارسی اور اردو کے خاردار صحراؤں میں اپنی آواز کے قدم مجروح کر کے نڈھال ہو چکا تھا اور اب مادری زبان کے بنفشہ زار میں آکر اپنے لہجے پر پھاہا رکھ رہا تھا۔ ابتداء کی بات تو نہیں معلوم

لیکن ۳۲-۱۹۳۳ء کے بعد محمد امین نے اپنی نکتہ دانی اور اپنی عملی فراست سے اپنے والد کو متاثر ہی نہیں بلکہ مرعوب بھی کر دیا تھا۔ یہ بات مجھے خود ابنِ مہجور نے بتائی ہے کہ جب مہجور کوئی نئی غزل یا وژن'' کہتا تو ابن مہجور اسکا معیار (sound screen) بنتا تھا۔ یعنی وہ اس ''وژن'' یا غزل کے ہر لفظ کو الٹ پلٹ کے دیکھتا اور اسکے صوتی اور معنوی امکانات کو پرکھتا رہتا تھا۔ اگر کوئی لفظ اسکی سمفنی کے اندازے میں زرا نا ہموار یا خربہ لگتا تھا تو ابن مہجور فوراً شاعر کی توجہ اس طرف دلاتا تھا۔ شاعر پر اسکا ایسا جادو چل گیا تھا کہ فوراً اس لفظ والے مصرعے یا بند کو واپس لے کر اسکی تراش خراش کا عمل شروع کر دیتا تھا۔ کبھی کبھی یہ عمل بہت تکلیف دہ ہوتا کہ یہ شاعر کی طبیعت کے بہاؤ کے خلاف ہوتا لیکن وہ اپنی اولاد کے سامنے ایک سعادت مند بچے کی طرح زانوئے ادب تہہ کرتا، جب تک محمد امین کی گردن اثبات میں نہ ہلتی۔ شاعر کے مشق سخن کی چکی کنکروں کو سپلٹ کر کے زندہ لفظ کی نرمی اور گرمی عطا کرنے کے لئے گھومتی رہتی۔ کلام مہجور کے ابتدائی نسخے مہجور کے اپنے دستخط میں موجود ہیں اور ان کا گہرائی سے مطالعہ کر کے اس موضوع پر بڑی دلچسپ روشنی ڈالی جاسکتی ہے ابن مہجور کی سب سے بڑی مصلحت اُس وقت شاعرانہ نہ تھی۔ وہ کشمیر میں اپنے والد کو سب سے مقبول شاعر بنتے دیکھنا چاہتا تھا۔ جو اسکی شہرت کے ساتھ ساتھ اسکی دولت کا ذریعہ بھی ہے۔ محمد امین کو نئے زمانے کی ٹکنالوجی پر بے حد اعتبار تھا۔ عقائید کے اعتبار سے میں نے اسے ہمیشہ ایک AGNOSTIG پایا۔ جب کبھی میں چرار شریف جاتا اور ابن مہجور ہمارے ساتھ ہوتا ہم پہلے زیارت میں جاتے اور اسکے کتبوں اور دوسرے تواریخی معاملات پر غور کرتے۔ میں گنہگار اس درگاہِ عالیہ میں نماز کے وقت سر سجود ہونے میں سعادت

سمجھتا۔لیکن جب میں اپنے اردگرد نظر ڈالنا تو ابن مہجور کو غائب پاتا۔پھر اُسکی تلاش شروع ہوجاتی تو اکثر اُسے گاڑی میں پناہ گزین پایا جاتا تاکہ کوئی اس سے نماز کے بارے میں استفسار نہ کرے۔ خیر یہ بات تو بیچ میں آگئی۔ابن مہجور کو جدید تکنیک کی سحرکاریوں کا اندازہ تھا۔اس نے مہجور کی غزلوں کے ریکارڈ تیار کروانے کے لئے پشاور کا سفر اختیار کیا اور بانگافون کمپنی کے ذریعے مہجور کے ترانے ''باغ نشاط کے گلو'' اور دوسرے گیت گراموفون ریکاڈروں میں بھر کر اسے کشمیر کے طول وعرض میں پھیلا دیا۔نتیجہ یہ ہوا کہ ایک تو مہجور کی غزل ساری وادی میں گرجنے لگی دوسری طرف کشمیری زبان کے نام لیواؤں کا احساسِ کمتری کسی حد تک کم ہونے میں مدد ملی۔یہ بات بہت سے لوگوں کو معلوم ہے کہ مہجور تازہ اور کامیاب فِلموں اور گراموفوں ریکارڈوں کی مقبول عوام دھنوں پر غزل اور ''وژن'' لکھتا تھا۔لیکن بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ یہ دُھنیں ابنِ مہجور چُنتا تھا اور جب مہجور اپنی غزل مکمل کرلیتا تو ابن مہجور اس کو ہاکروں کے ذریعہ یا گراموفون ریکارڈوں پر چڑھا کے انکی نشرواشاعت کا اس وقت وسیع انتظام کرتا جب کہ ابھی کشمیر میں نہ ریڈیو آیا تھا اور نہ اخبارات ورسایل شاعری کے پھیلاؤ کا ذریعہ بن سکتے تھے۔ابن مہجور نے مہجور کا ایک اور ناپسندیدہ سلسلہ اپنے ذمے کیا تھا۔یعنی مقدمہ بازی جب بانگافون کمپنی کے ساتھ معاوضے رائلٹی وغیرہ پر جھگڑے اٹھے تو ابن مہجور نے میدان میں ڈٹ کو انکا احاطہ عدالت میں ایسا قافیہ تنگ کیا کہ وہ بریت کے لئے اُسکی منتیں کرنے لگے......ابن مہجور مقدمہ بازی کے فن میں ایسا مشتاق ہوگیا کہ اس نے اپنی عمر کے آخری برسوں میں مرحوم شمیم احمد شمیم جیسے جگادری سے معافی نامہ حاصل کیا شمیم نے اپنے اخبار آئینہ میں بس یہ لکھا تھا کہ

ابن مہجور اب اپنے والد کے مزار کا مجاور بن کے اُسکی ہڈیاں بیچ رہا ہے ابن مہجور کی رگِ حمیت پھڑکی۔ اس نے عدالت میں شمیم کے خلاف ازالہ، حیثیت عرفی کا مقدمہ دایر کردیا۔ شمیم کے خلاف عدالتی کیس کرنا کوئی آسان کھیل نہ تھا وہ خود وکیل اور بڑا زبردست جرح باز اور قانونیا تھا۔ وہ ان دنوں پارلیمنٹ کا ممبر تھا اور اسکا طوطی چاروں طرف بولتا تھا۔ اسے بھی جھگڑا مول لینے میں خواہمخواہ لطف آتا تھا ار مقدموں کو ایک Sport سمجھتا تھا۔ اسکی ''انا'' اتنی پھولی ہوئی تھی کہ وہ بڑے بڑوں کو خاطر میں نہ لاتا تھا۔ پھر ہتک عزت کا مقدمہ جو معشوق کی کمر ثابت کرنے کے برابر مشکل مرحلہ ہے اور جسمیں خود مقدمہ باز کی دھجیاں اڑانے کا امکان رہتا ہے۔ خیال یہ تھا کہ اب ابنِ مہجور کے پُرزے اُڑینگے۔ لیکن ایک چیز امین صاحب کے پاس ایسی تھی جس سے شمیم عاری تھا۔ یعنی صبر وتحمل اور استقلال Tenacity امین مہجور نے تقریباً عدالت میں ہی دھونی رما دہی۔ جب سمن کی تعمیل کا وقت آتا تو وہ ہرکارے کیساتھ خود شمیم کے سامنے اُٹھ کھڑا ہو جاتا اور اس سے تعمیل کرواتا۔ سال دو سال کے عرصے میں شمیم اتنا زچ ہو گیا کہ اس نے محمد امین سے مفاہمت کی درخواست کردی۔ شرط صرف یہ تھی کہ ہتھیار ڈالنے کی یہ خبر اخباروں میں نہ آئے۔ ابن مہجور نے ایک فیاض حریف کی طرح اس شرط کو قبول کیا۔ اور اس طرح شمیم نے معذرت کر کے اپنا دامن چھڑا لیا۔ ابن مہجور نے ریڈیو کشمیر کے ساتھ بھی ایک بڑا ایدھ لڑا۔ گرچہ تکنیکی طور پر فتح اسکی ہوئی۔ لیکن یہ فتح حاصل کرتے ہوئے خود مہجور اور اسکی امیج کو کتنا خسارہ اٹھانا پڑا وہ ایک الگ داستان ہے ابن مہجور کا مطالبہ یہ تھا کہ ریڈیو کشمیر سے مہجور کے گیت نشر کرنے کے لئے وہی فیس ادا کی جائے جو ملک کے سب سے بڑے شاعر اور ادبی کالوسس ٹیگور کے وارثوں کو ملتی

ہے۔ ابن مہجور کا استدلال مُسکِت تھا۔ یعنی کہ ٹیگور نے خود مہجور کے کلام کو سراہا اور کہا تھا کہ ''میرے اور مہجور کے نغموں میں بڑی مشابہت اور مماثلت موجود ہے'' اس لئے مہجور کی فیس کم کرنا خود ٹیگور کے معیارِ ادب کو مسترد کرنا ہے۔ اس کے علاوہ اگر ٹیگور کا رتبہ ہندوستان کی تحریک آزادی اور اس کے لیڈروں سے تعلق کی وجہ سے بڑا تسلیم کیا جاتا ہے۔ تو مہجور اس معاملے میں بھی پیچھے نہیں۔ اس کے نغمے تحریک حریت کشمیر کے ترانے بنے اور اسکا تحریک آزادی کشمیر کے لیڈروں سے بہت گہرا تعلق رہا۔ ریڈیو کشمیر کے روایت پسند حکام کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ کسی مقامی زبان کے شاعر کا کیسے مہا کوی سے موازنہ کیا جائے۔ یہ معاملہ دس پندرہ سال چلتا رہا اور اس دوران ریڈیو کشمیر سے مہجور کا ایک شعر بھی براڈ کاسٹ نہ ہو سکا۔ وہی مہجور جو گراموفون کے لانچنگ پیڈ پر چڑھ کر کشمیریوں کے اعصاب پر سوار ہو گیا تھا۔ آہستہ آہستہ بھلایا جانے لگا۔ لیکن ہار آخر کار ابن مہجور کو نہیں بلکہ ریڈیو کو ہار ماننی پڑی۔ مہجور کشمیر کا سب سے زیادہ معاوضہ حاصل کرنے والا شاعر بن گیا اور اسطرح پھر ہوا کے دوش پر اُس کے نغمے سوار ہونے لگے۔ ورنہ اس سے پہلے تو صرف ''آزاد کشمیر'' ریڈیو نے ہی اسکی اجارہ داری حاصل کر لی تھی۔ اسلئے کہ بیچ میں جنگ بندی لائن حائل تھی اور ابن مہجور کے قانونی داوٴ پیچ وہاں اپنے چمتکار نہ دکھا سکتے تھے۔ ابن مہجور نے ساہیتہ اکادمی کے کشمیری انتخاب کے لئے بھی مہجور کا کلام شائع کرنے کیلئے ایسی ہی شرائط رکھیں اور منوالیں۔

ابن مہجور ایک زبردست عملی اور اشتہاری ذہن کا ایک مالک تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ کبھی کبھی اس کی تدبیریں الٹی اور داوٴ غلط ہو جاتے تھے۔ جب حضرت مہجور کا انتقال ہوا۔ تو ابن مہجور خاصی دیر تک سرینگر سے کسی قاصد کے آنے کا انتظار کرتا رہا۔

قاصد نہ آیا تو مہجور صاحب کے جسد کو وہیں پر آسودہ کیا گیا۔ دسرے روز نائب وزیر اعظم بخشی غلام محمد متری گام آئے انہوں نے مہجور کے جسد کو سرینگر لے جا کر مہجور کے ہی دکھائے ہوئے مزار شعراء میں دفن کرنے پر اصرار کیا۔ محمد امین نے اس تجویز کے امکانات کو فوراً بھانپ لیا۔ سرینگر میں مہجور کا جسد توجہ کا باعث بن سکتا تھا۔ اس نے فوراً ہاں کر لی۔ اس طرح مہجور کے جسد کو ۱۰/اپریل ۵۲ء کی رات کو قبر سے جہاں وہ بہ حیثیت امانت دفن نہ کیا گیا تھا، نکالا گیا۔ خانقاہ معلیٰ لایا گیا۔ جہاں اسے تقریباً IN STATE رکھا گیا اور پھر سرکاری اعزاز کے ساتھ اتھواجن میں دوسری بار دفن کر دیا گیا۔ خلاف توقع چند سال کے اندر مہجور کے مزار کو بھلا دیا گیا۔ جس بخشی صاحب نے اُسے متری گام سے لایا تھا وہ اپنے عروج واقبال کے دنوں میں اسکو بھول گئے۔ یہ مزار سڑک کے بیچوں بیچ واقع ہے۔ اور ابن مہجور کی دوربین نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ نہ صرف یہ کہ مہجور اپنے گاؤں سے ہٹ کر گمنامی کے مزار میں ڈوب رہا تھا.......... متری گام میں تو اسکی زیارت بن گئی ہوتی۔ اسکے ایک رات اور ایک دن کے مدفن پر بھی وہاں ۹/اپریل کو ابھی سے عرس لگنا شروع ہو گیا ہے۔ جس میں پندرہ سے بیس ہزار تک عقیدت مند شامل ہوتے ہیں۔.......... بلکہ کسی وقت وتستا کے جلال یا سڑک کی کشادگی کے نتیجے میں یہ قبر بہہ جانے کا بھی امکان پیدا ہو گیا ہے چنانچہ اپنے آخری دنوں میں وہ ایک دلیرانہ مہم منظّم کرنے کی طرف لگا ہوا تھا یعنی کہ مہجور کے جسد کا اس کی دوسری آرام گاہ سے برآمد کر کے راتوں رات پھر متریگام پہنچا کر آسودہ کر دیا جائے اور پھر کئی دنوں کے بعد کشمیریوں کو یہ خبر دی جائے۔ ابن مہجور اپنے بہت سے ارمانوں کی طرح یہ خواہش بھی اپنے ساتھ لے گیا۔ اسمیں شک نہیں کہ اب مہجور اپنی دوسری

آرام گاہ میں حفاظت کے احساس کیساتھ خوابیدہ رہ سکتا ہے۔

ابن مہجورؔ میں عجب ملکہ تھا کہ وہ جس میدان کی طرف اپنی طبیعت کی بھاگ دوڑ دیتا۔ اسمیں جھنڈے گاڑ دیتا۔ وہ ایک زبردست ماہر آثار قدیمہ تھا اور اسکو فوٹو گرافی کا بہت شوق تھا۔ مہجورؔ کی وفات کے کئی سال بعد اس نے اُسکی ایک خوبصورت تصویر نکالی۔ اسکی اپنی نگرانی میں رنگ آمیزی کرائی۔ اس کو نہایت نفیس فریم میں جوڑ دیا۔ اور پھر صادق صاحب سے ایک سرکلر نکالا جس میں سرکاری اداروں سے کہا گیا تھا کہ وہ مہجورؔ کی یہ تصویریں خرید لیں۔ اس لئے آج بہت سے تعلیمی اور تمدنی اداروں میں مہجور کی نہایت خوبصورت تصویریں ملتی ہیں۔ ابھی تک کسی اور کشمیری ادیب یا شاعر کی ایسی تصویر نہ بنائی گئی اور نہ بیچی گئی۔ ابن مہجورؔ نے اس طرح اپنی منفعت کا ذریعہ نکالا۔ مہجورؔ کی پبلک ریلیشنز بھی کیں اور کم از کم ایک کشمیری شاعر کو بیرون کے دو عظمائے رجال کے ساتھ نگارخانوں میں سجانے میں کامیابی حاصل کرلی۔

اوپر جو اشارے کئے گئے ہیں۔ وہ ابن مہجورؔ کی شخصیت کی ضمنی لکیریں ہیں۔ وہ تواریخ کشمیر کا ایسا شناور تھا کہ اس کے جیتے جی اس موضوع پر کسی کو اُس کے سامنے دم مارنے کی مجال نہ تھی۔ رام چند کاک محمد الدین فوق۔ پی این کے بامزئی۔ آ کے، پارمو۔ محبّ الحسن وغیرہ سبھی اُس کی گہری علمیت اور نکتہ آفرینی کے قائل تھے۔ محمد الدین فوق اور جی ایم۔ ڈی صوفی کو تو وہ باقاعدہ معلومات فراہم کرتا رہتا تھا۔ جی ایم ڈی صوفی جب ''کشمیر'' کے لئے مواد جمع کر رہا تھا۔ تو ابن مہجورؔ اس کے گائیڈ کی صورت میں سرگرم تھا اور صوفی اسکو اسکی محنت کے لئے باقاعدہ مشاہرہ ادا کرتا تھا۔ اس نے

صوفی کے ساتھ گھوڑے کی پیٹھ پر لداخ اور کشمیر کا سفر کیا صوفی کے اس کے نام بہت سے خطوط اس کے کاغذات میں موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ صوفی کی کشمیر میں اسکا حصہ کتنا ہے۔ مہجورؔ خود کشمیر کی تواریخ اور اسکے تمدن کا بڑا عاشق اور محقق تھا معلوم نہیں کہ ابن مہجورؔ کو یہ چاٹ اپنے والد سے پڑی یا اس کے دوستوں محمد الدین فوق، جی ایم، ڈی صوفی اور آنند کول بامزئی کی صحبت سے لیکن سچی بات یہ ہے کہ اس کو کم عمری میں ہی تواریخ کشمیر میں ایسا ملکہ ہو گیا تھا کہ مہجورؔ اُس کی رائے اور توجیہ کو ہمیشہ اپنی تاویل پر ترجیح دیتا تھا۔ مہجورؔ کا گھرانا اس کی والدہ اور والد دونوں کی جانب سے ایک علمی گھرانا تھا اور اس میں کچھ نادر کتابیں موجود رہتی تھیں۔ خود مہجورؔ نے اس میں اچھے اِضافے کئے اور کچھ سکے وغیرہ بھی جمع کئے۔ لیکن ابن مہجورؔ نے اسکو ایک باقاعدہ میوزیم اور ادارہ بنایا۔ اس نے کشمیر سے متعلق کتابوں۔ مخطوطات۔ سکوں۔ مورتیوں۔ مشاہیر کے دستخطوں شاہی فرمانوں سے دوسری دستاویزات کا ایسا گنجینہ تیار کیا تھا کہ منتشر ہونے سے پہلے وہ اس موضوع پر سب سے مُستند اور معتبر گنج بے بہا بن گیا تھا۔ ابن مہجورؔ ایک جوہری کی نظر رکھتا تھا۔ اُسے اپنی اکھٹا کی ہوئی نوادرات کی قیمت کا بخوبی اندازہ تھا۔ اس کے پاس اسکی زندگی میں اندرون او بیرن ملک سے بڑے بڑے لوگ آئے اور انہوں نے اپنی دلچسپی اور مطلب کے چیزوں کے حصول کے لئے اسے بڑی بڑی قیمتیں پیش کیں۔ لیکن وہاں اسکی علمی شان اور درویشانہ استغناء کا مظاہرہ ہوا اور اس نے ان پیش کشوں کو حقارت سے ٹھکرا دیا۔ دراصل وہ چاہتا تھا کہ مہجورؔ کے ٹنکی کدل والے مکان کو مہجورؔ کے نام پر ایک میوزیم میں تبدیل کیا جائے اور یہ ساری چیزیں وہاں ''مہجورؔ کلکشن'' کے نام سے رہیں۔ خواجہ غلام محمد صادق کے وقت یہ بیل

منڈھے بھی چڑھنے لگی تھی۔لیکن صادق صاحب کے انتقال نے معاملے کو تقریباً دفن کر ڈالا۔ابن مہجورؔ کوئی آسودہ حال شخص نہیں تھا۔لیکن وہ اس گنجینے کے انتشار کو کسی بھی قیمت پر قربان کرنے کو تیار نہ تھا۔افسوس کہ اس کے انتقال کے بعد یہ جواہر پارے جن میں کشمیرت'' کا شیرازہ ایک وحدت پیدا کرتا تھا۔کئی اداروں نے آپس میں بانٹ لیا اور اب اُسکی اپنی الگ حیثیت قائم نہیں۔ابن مہجورؔ کے خواب کی کرچیاں بکھر کر اپنا حسن تناسب کھو چکی ہیں۔

دل کے آئینے کو بغل بیچ لئے پھرتا ہوں
کچھ علاج ان کا بھی اے چارہ گران ہے کہ نہیں

ان کتابوں پر ابن مہجورؔ کے اپنے ہاتھ سے لکھے ہوئے نوٹ اور حاشیے ایسا قیمتی مواد ہیں کہ ان کے بغیر ان کتابوں کی اہمیت آدھی رہ جاتی ہے۔اگر صرف یہ حاشیے مرتب ہو کر شائع کئے جاتے تو ابن مہجورؔ کی فکر ونظر کی دھاک بیٹھ جاتی۔

ابن مہجورؔ نے یہ جواب گنج دولت سے نہیں بلکہ شوق سے حاصل کیا تھا اور دکھا دیا تھا کہ شوق ہے ساماں طرازِ نازِش ارباب عجز۔اُسنے مجھے بتایا کہ کتشک کے زمانے کی ایک TERRACOTA مورتی حاصِل کرنے کے لئے اُسے ایک سادھو کا بھیس بدلنا پڑا تھا۔اسی طرح اُسے نویں صدی عیسوی کے مشہور کشمیری مفکر اُپتل دیو کی ایک نادر تصنیف کے اوراق حاصِل کرنے کے لئے گھر کی ان پڑھ گرہستن سے رابطہ قائم کرنا پڑا ۔وہ اس وقت اس گھر میں جاتا۔جب وہاں کوئی خواندہ شخص موجود نہ ہوتا۔اسنے مکی کے بھٹوں سے سُتو تک کی سوغات اس نیک سیرت اور سادہ منش کشمیری پنڈتانی تک پہونچا کر اُسکا اعتماد حاصِل کر لیا اور اُس سے دس دس بیس کر کے پرانے کاغذ کے یہ

ورقے حاصِل کر لئے۔ جب پنڈتانی اُس سے کہتی کہ یہ زدی کاغذ تمہارے کس کام آتے ہیں۔تو وہ معصوم صورت بنا کر جواب دیتا کہ مجھ سے پیر نے کہا ہے کہ ان کاغذوں میں رکھا گیا پانی تمہارے روگ کا علاج ہے۔سادہ منش پنڈتانی خوش ہو کر اُسے یہ اوراق دیتی یہ سلسلہ کئی ماہ جاری رہا۔ یہاتک کہ وہ ساری کتاب لانے میں کامیاب ہوگیا۔ یہ اتپل دیو کی اس خاص تصنیف کا دنیا بھر میں واحد معلوم شُدہ نسخہ بنا۔

ابن مہجور کشمیر کے نباتات۔ پھولوں۔ جانوروں۔تصویروں وغیرہ کا ایسا ماہر تھا کہ اس کے ساتھ چند منٹ رہ کر آدمی کو اپنی بے بضاعتی کا احساس کاٹنے لگتا تھا۔وہ بندوقوں کی ساخت اوران کی تاریخ گھوڑوں کی اصل اور اُن کے کوئف وغیرہ وغیرہ کے بارے میں ایسی معلومات رکھتا تھا کہ اس کے سامنے ان کی بات کیجئے تو جانکاری کا دبستان کُھل جاتا تھا۔دوائیوں کے بارے میں اسکی معلومات کا حال یہ تھا کہ ایک وقت جب میں ہاضمے کی دوا کھا رہا تھا تو وہ آیا اور اس نے مجھے بتایا کہ ESPIN جو اس دوائی کا ایک جزو ہے دراصل سور کے معدے سے نکالا جاتا ہے۔ میں دوا کیا کھاتا۔ میں نے اس بوتل کو اسی کے سامنے چور چور کر ڈالا۔ یہ مضمون ابن مہجور کے توسط اور نسبت سے لکھا جارہا ہے۔لیکن اسپر الگ اور آزاد مضمون لکھنے کی مجھ میں اس وقت ہمت نہیں۔ مجھے اس وقت کشمیر کی تاریخ کے ایک نامور جوہر شناس صاجزادہ حسن شاہ کا اسکے ACR پر لکھا ہوا جملہ یاد آرہا ہے۔

''ابن مہجور کشمیر کی تواریخ کا انسائیکلو پیڈیا ہے۔ کشمیر سے متعلق جو چیزیں وہ جانتا ہے وہی جاننے کے قابل ہیں، جو چیزیں وہ نہیں جانتا۔ وہ اس قابل نہیں کہ انکی طرف توجہ کی جائے''۔

اس کے امتیاز کی طرف ایک بات کہہ کر میں اس مشکل موضوع کو پھر کسی وقت کیلئے اٹھا رکھتا ہوں اور وہ یہ کہ وہ کشمیری زبان کے اولین اخبار'' گاش'' کا پرنٹر پبلشر اور ایڈیٹر تھا۔ ابن مہجور کی دلچسپیوں کا دائرہ اتنا وسیع تھا کہ اس کے سامنے بیٹھ کر ایک محدود نقطہ نظر کا آدمی چکرا جاتا تھا۔ وہ لکھتا بہت کم تھا۔ اور اسی لئے اسکا علم زیادہ تر اس کے جسم کی فصیل کے اندر ہی مُقید رہا۔ لیکن اس کی کامرانیوں کی داستان اس کے نہ لکھنے کے باوجود ہر ایک کو معلوم تھی وہ دن بہ خوبی یاد ہیں کہ جب تاریخ کشمیر کا کوئی نازک مقام آتا تھا تو کس طرح بڑے بڑے جگاوری تواریخ دان اس کے دروازے پر دستک دیتے تھے۔ ریڈیو پر کوئی ٹاک لکھنی ہو یا سیمنار پر کوئی مضمون۔ لوگ اس کے پاس چلے جاتے اور ابن مہجور کسی کتاب کو کھولے بغیر حسبِ مطلب عبارت DICTATE کرا دیتا...... اسکا حیران کن حافظ اسکی بہت بڑی متاع تھا۔

ابن مہجور نے رسمی تعلیم تقریباً پائی ہی نہیں تھی۔ لیکن وہ کشمیری اُردو فارسی اور عربی کی ایسی جانکاری رکھتا تھا جو اس کے کام کے لئے ضروری تھی۔ کسی قبر کا کتبہ دیکھنا ہو یا کسی پرانے مخطوطے کا خاتمہ COLOPHON اسکی نظر فوراً عقدوں کو حل کر دیتی تھیں۔ اس نے شاردا اور ناگری رسم الخط میں بھی اتنی شُدھ بُدھ حاصل کر لی تھی کہ متعلقہ حوالے دیکھ اور نقل کر سکتا تھا۔

ابن مہجور کا دعویٰ تھا کہ اس نے کنشک کی چوتھی عالمی بودھی کانفرنس کی کاروائی پر مبنی تامر پتروں کا سراغ لگا لیا ہے۔ اُسکا کہنا تھا کہ اس نے ہیون سانگ اور تارا ناتھ وغیرہ کے نشانات اشارات سے ''کنڈل ون وہار'' کا پتہ چلا لیا ہے۔ اس کانفرنس کی سربراہی شہرہ آفاق بودھ فلسفی اور شارح ناگ ارجن نے کی تھی اور چھ مہینے کے غور

وخوص کے نتیجے میں ''ترپتیکا'' کا وہ نسخہ ترتیب دیا گیا تھا جو بعد میں مہایان فرقے کی سند بنا۔ کنشک اعظم نے اس کاروائی کو تانبے کی تختیوں (COPPER PLATES) پر کندہ کروا کے کنڈل ون دھارا میں آنے والی نسلوں کے لئے مدفون کرادیا تھا اور وصیت کی تھی کہ ان تختیوں کو کبھی کشمیر سے باہر نہ لیا جانا چاہیئے۔ بلکہ ان کا فیض کشمیر میں رہ کر ہی عام ہونا چاہے۔ ابن مہجور نے کنشک کے زمانے کی مورتیاں۔ سکہ جات وغیرہ اس ''خفیہ'' جگہ سے حاصل کر لئے تھے۔ لیکن اسکا اصرار تھا کہ وہ اس وقت تک یہ راز کسی کو نہ بتائیگا جب تک کہ اسے یہ ضمانت نہ دی جائے کہ اسکی دریافت کا سہرا اس کے سر باندھا جائیگا اور علامتی طور اسے ایک لاکھ روپے کی ادائیگی کی جائیگی...... سابق وزیر اعلیٰ خواجہ غلام محمد صادق نے یہ شرط سنی تو ان کا ذوق جستجو بیدار ہو گیا۔ انہوں نے محمد امین سے کہا کہ میں یہ شرایط اس صورت میں منظور کرونگا۔ اگر آپ کم از کم مجھے وہ جگہ پہلے دکھاویں ۔ ابن مہجور کا ردعمل بڑا دلچسپ تھا۔ اس نے صادق صاحب کو کہا کہ اس صورت میں آپ کے ساتھ وہی سلوک کرونگا۔ جو الف لیلےٰ کی مرجانہ نے علی بابا والے درزی کے ساتھ کیا تھا۔ صادق صاحب نے پوچھا کیا؟ ابن مہجور نے بتایا کہ میں آپ کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر آپ کو موقعے پر پہنچا دونگا۔ وہاں آپ کی پٹی کھولدونگا۔ پھر آپ کی پٹی دوبارہ باندھ دی جائیگی اور جب آپ گھر پہنچیں تو پھر کھولی جائیگی۔ صادق صاحب قہقہہ لگا کر خاموش ہو گئے ہیں میں اس معاملے کے ساتھ وابستہ اور راز کا محرم بن گیا تھا۔ اور اپنی وفات کے چند ماہ پہلے صادق صاحب نے میرے ہاتھ ابنِ مہجور کو عندیہ بھیجا تھا کہ انہوں نے وزیر اعظم اندرا گاندھی کے ساتھ اس معاملے کا ذکر کیا ہے اور جلدی ہی کاروائی

ہوگی۔لیکن اس کے بعد صادق صاحب کی علالت اور وفات نے دو ہزار برس پرانے اس سربستہ راز پر ایک اور پردہ چڑھادیا۔

ابن مہجور شاید کشمیر میں وہ آخری تقویم دان تھا۔جسکی کشمیر کے مقامی سن لوککہ کیلنڈر کی نزاکتوں پر نظر تھی۔وہ یہ کیلنڈر کی ترتیب دینا جانتا تھا۔اور میں نے بیجہاڑہ کے بڑے ودھوانوں کو اس کے پاس آکر کشمیری "جنتری" کی گرہیں کھلواتے دیکھا ہے۔ابن مہجور کے ساتھ آخری ملاقات کی یاد میرے ذہن میں نقش ہے۔دفاتر جموں مستقل ہونے والے تھے۔ابن مہجور نے مجھ سے کہا کہ آپ ایک ایسی تقریب کا اہتمام کیجئے جس میں عالم اور طالب علم مجھ سے تواریخ کشمیر کے کسی بھی گوشے سے متعلق سوالات پوچھیں۔میں اپنی علمی گہرائی کا اندازہ کرنا چاہتا ہوں۔اس وقت ابن مہجور کا چہرہ ایک باطنی اعتماد سے تمتمارہا تھا میں نے کہا کہ سردی شروع ہوگئی ہے۔انشااللہ دفاتر سرینگر آنے پر یہ محفل منعقد کریں گے۔جب مجھے حیدرآباد میں اس کے انتقال کی خبر ملی تو میں سرپٹپتارہ گیا۔

کون ہوتا ہے حریفِ مئے مردافگنِ عشق

میں یہاں پر صرف ایک خط کا اقتباس دے رہا ہوں جو مرحوم مہجور نے ابن مہجور کے نام لکھا اور جس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ علمی اور ادبی معاملات میں وہ اپنے بیٹے پر کس قدر انحصار کرتے تھے۔

نیو دہلی

۲۱/فروری ۵۱ء یوم بدھوار

۱۰ اپھاگن ۲۰۰۷

عزیز ارجمند سلمہ اللہ تعالےٰ

کل ایک مفصل خط روانہ کر چکا ہوں۔ یہ لسٹ ڈاکٹر پنڈت رادھا کشن پارمو کی مرتب کردہ ہے اس نے ایک کتاب بنام ''کشمیر فرام شاہ میر ٹو شاہ جہاں'' انگریزی میں لکھی ہے ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ شیخ صاحب کا خیال ہے اسکو سرکاری طور پر شائع کرینگے۔ اور ترجمہ بھی ہوگا۔ یہ لسٹ اسی کتاب سے لی گئی ہے چونکہ یہ کتاب صرف مسلم عہد حکومت کیلئے ہے۔ تاہم مصنف کی محنت قابل داد ہے اب یہاں مشورہ ہوا کہ اس لسٹ میں جو کتاب ہماری نظر سے نہیں گزری ہے اسکی نقل یا اصل حاصل کرنے کی کوشش کی جائیگی۔ لہٰذا اقلمی ہے کہ آپ فوراً بواپسی ڈاک مطلع کر دیویں کہ اس فہرست میں سے کس کس کتاب کی ہمیں ضرورت ہے اصلی لسٹ آپ اپنے پاس رکھیں۔ جو جو کتاب آپ کو مطلوب ہو ان کی فہرست ایک ہی دن میں مرتب کر کے بذریعہ رجسٹری میرے پاس بھیج دیویں۔ بالکل درنگی یا غفلت نہ کریں اور اگر انڈکس تاریخ کشمیر آپ نے جدید طیار کر لیا ہوگا۔ تو وہ بھی ساتھی ہی بھیجدیویں۔ تاریخ کشمیر کے لیے آپ نے جس قدر مواد جمع کیا ہے۔ اس سے میں لاعلم ہوں۔ خصوصاً انگریزی ریکارڈ کی مجھ کو کچھ علمیت نہیں۔ اس لئے یہ لسٹ آپ کے پاس بھیج دی گئی۔ ڈاکٹر پارمو نے بہارستان شاہی لنڈن سے منگوایا تھا۔ اسکی نامکمل نقل بھی اس کے پاس موجود ہے۔ اس

نے وعدہ کیا ہے کہ وہ اوراق آپ کو دکھاؤں گا شیخ صاحب کل روانہ جموں ہو گئے۔ میں نے یہاں ہی ٹھہرنا ہے اب آپ کے جواب کا انتظار ہے جواب آنے پر ان کتابوں کی تلاش شروع ہو گی اس لئے جسقدر ممکن ہو لسٹ بھیج دیویں۔

مہجور کاشمیری معرفت ٹریڈ کمشنر صاحب
ریاست جموں و کشمیر
۵ پرتھوی راج روڑ۔ نیو دھلی

ابن مہجور کی آخری ملاقات کا ذکر آیا ہے تو اس کے ساتھ میری پہلی ملاقات کا ماجرا بھی میرے صفحہ ذہین پر ابھر آیا ہے۔ یہ ۵۳ء کی بات ہے میں شوپیان سے چند ہی ماہ پہلے سرینگر آیا تھا اور میں نے کچھ لکھنے پڑھنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارنا شروع کردیئے تھے۔ سرینگر کے وضع دار لوگ مجھے کیا خاطر میں لاتے۔ ہاں اپنے دوست شمیم احمد شمیم کی سُفارش سے مجھے ریڈیو کشمیر سے ایک بات چیت کا کنٹریکٹ مل گیا۔ شومئی قسمت سے موضوع ارنی مال تھا۔ ارنی مال پر ویسے بھی کم مواد ملتا ہے (کشمیری ڈیپارٹمنٹ کشمیر یونیورسٹی نے تو وژن کے اپنے مجموے سنگلاب۔ میں اسکا نام ہی حذف کردیا ہے جہاں اسمیں عبدالاحد آزاد کے دریاؤ جیسی نظم کو وژن کے عنوان کے تحت شامل کیا گیا ہے۔ وہاں ارنی مال کا کوئی وژن اسمیں درج نہیں۔ جب میں نے کتاب کے مرتبین سے اسکی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا کہ مرتبین کا خیال ہے کہ ارنی مال کے نام سے جو کلام منسوب کیا گیا ہے۔ وہ دراصل دوسرے شاعروں خاص طور حبہ خاتون کا ہے) بہر کیف۔ ان دنوں عبدالاحد آزاد کی کشمیری زبان اور شاعری

بھی شائع نہ ہوئی تھی ۔ مجھے ریڈیو میں ہی مشورہ دیا گیا کہ ابن مہجورؔ سے ملو۔ وہ ایسی بیماریوں کی دواء بیچتے ہیں۔ میں نے بڑی مشکل سے ان کے ٹنکی کدل والے دکان کا سراغ نکالا، کئی بار گیا۔ لیکن مجھے باہر سے ہی ٹرخادیا گیا۔ آخر جب میں پیچھا نہ چھوڑا۔ تو مجھے ابن مہجورؔ کے کمرے تک باریابی مل گئی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک آدمی سر کے اوپر چادر کا پلو پہنے ہوئے بیٹھا ہے بڑی بے رُخی سے میرے آنے کا مقصد پوچھا۔ میں نے عرضِ مدّعا کیا۔ تو تقریباً حقارت سے مجھے چند معلومات عطا کیں۔ لیکن یہ تمہید ہمارے ایسے تعلق کی بنیاد ثابت ہوئی جو اُس کی وفات تک قائم رہا۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ میں ان کا سب سے قریبی اور سب سے بے تکلف دوست بن گیا۔ وہ اپنے کُنبے کے حالات اور اپنی پریشانیوں کے متعلق تک مجھے اعتماد میں لیتا تھا اور مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی تامُل نہیں کہ کشمیریات سے شغف کا شوق میرے دل میں اس نے ہی اُبھارا۔ میں نے شہنشاہ کنشک[۱] کے تامر پتروں سے متعلق اسکی تحقیق کے اشتہار کے لئے اسے تیار کیا اور میری ہی وساطت سے یو این آئی خبرایجنسی نے اسکا وہ انٹرویو شایع کیا۔ جس نے اس وقت سارے ملک میں تہلکہ پیدا کیا تھا۔ اور اس نے مجھے اپنے اندازے کے ”کنڈل ون“ دھار کا راز بھی بتایا۔ ہوا یوں کہ اس معاملے کے متعلق وہ بار بار مجھ سے تذکرہ کرتا رہا۔ اور اس سلسلے میں اپنے تحقیقی دوروں کی حکایت مزے لے لے کر بیان کرتا رہا۔ لیکن وہ مجھ سے کبھی براہ راست جائے وقوع کا ذکر نہ کرتا۔ مگر اس کے بیانات کے دھاگے جوڑ کر میں نے اپنے ذہن میں اس جگہ کا نقشہ تیار کرلیا۔ ابن مہجورؔ کہا کرتا تھا کہ وہاں آج بھی ایسے آثار موجود ہیں کہ صاف لگتا ہے اگر کھدائی کی جائے تو ایک نیا ٹیکسلا منظر عام پر آئیگا۔ اس نے مجھے گفتگو کی روانی میں

اس نواح کے چند مضافات کا نام لیا۔شاید اسے اعتماد تھا کہ مجھ میں اس جگہ کی تلاس کی لیاقت اور ہمت نہیں ۔ میں ان دنوں اس قسم کے تحقیقی دوروں میں ہمیشہ سرکاری گاڑی میں ابن مہجور کو ساتھ لیا کرتا تھا۔ایک دن میں اس کے بغیر چل دیا۔اُن دنوں ہماری تقریباً ہر روز شام کو ملاقات ہوا کرتی تھی ۔اس دن ملے تو اس نے کہا کہ آپ آج کہاں چلے گئے تھے"میں نے جواب دیا کنڈل ون دہار دیکھنے"۔

جب میں نے جگہ کا نام لیا۔تو وہ عالم دیدنی تھا۔ابن مہجور کی انکھیں پھٹی رہ گئیں۔اس کے چہرے کا رنگ فق ہوگیا۔اس نے ایک ہارے ہوئے جواری کی طرح تھکن آمیز لہجے میں پوچھا"تمہیں یہ سُراغ کیسے ملا"۔میں اسکی اس حالتِ زار کا تماشا بڑے لطف کے ساتھ کر رہا تھا۔کیونکہ میری بیسار کوششوں اور عرض داشتوں کے باوجود اس نے مجھے اپنے راز میں شیرک نہیں کیا تھا۔چنانچہ اب اسکے سپر ڈالنے کے موقع پر میں نے ایک فاتحانہ قہقے کے ساتھ کہا"تم نے......تم نے"۔

وہ پھر بولا"کب؟ میں نے تو نہیں بتایا۔"

میں نے اسکے بیان کے ان ٹکڑوں کو دُہرایا جن کو جوڑ کر میں منزل مراد تک پہنچا تھا۔ابن مہجور نے ایک سچے کھلاڑی کی طرح ہار تسلیم کر لی اور کہا۔"میں تمہیں بہت UNDER ESTIMATE کر بیٹھا تھا۔تم تو چھُپے رستم نکلے ۔اب مجھے باور ہو گیا کہ میرے بعد اس معاملے کو آگے لیجانے والا پیدا ہو گیا ہے۔" مجھے اُس وقت تو اُس جیسے لفظوں کے کنجوس کی زبانی یہ شائشی الفاظ سُن کر بڑا لطف آیا۔لیکن دراصل وہ اپنی پہلی غلطی کو معکوس کر رہا تھا ۔یعنی اب مجھے UNDER ESTIMATE کرنے کی بجائے OVER ETIMATE کر رہا تھا۔خیر بات آئی گئی لیکن ابن مہجور کا اندر کا

شاطر کچھ دنوں کے بعد پھر بیدار ہوگا اور وہ مجھے CONFUSE کرنے کے لئے کہنے لگا کہ میں اب دوبارہ غور کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ کنڈل ون کے بارے میں پہلا تاثر غلط تھا۔ یہ دراصل دوسری جگہ پر ہے اور اس نے کئی جگہوں کے نام SELL کرنے کی کوشش کی پورے استدلال کے ساتھ لیکن میں اسکی گھاتیں جان گیا تھا۔ اس لئے اس جال میں نہ پھنسا۔ آخر اس نے مجھ سے رازداری کا حلف لے لیا اور کہا کہ یہ راز اسی وقت فاش کرنا جب میری عاید کی ہوئی شرایط پوری کی جائیں ۔ مجھے اسکا خیال آتا ہے تو حالی کے مرثیہ غالبؔ کا یہ شعر بھی یاد آتا ہے

تھا بساطِ سخن میں شاطر ایک

ہم کو چالیں بتائیگا اب کون

یہاں شاید یہ ذکر بے محل نہ ہوگا کی ابن مہجورؔ میں ایک سیاستدان کی سی فراست جو مود تھی۔ انہوں نے اس صدی کی چوتھی دہائی میں نمائندہ تنظیم مسلم کانفرس کے امیدوار کے خلاف بڈگام سے الیکشن بھی لڑا تھا جس میں وہ ہار گیا تھا۔

ابن مہجور کو اپنی صلاحیتوں پر ایسا اعتماد تھا کہ وہ مجھے بتاتا کہ جاپان میں دستور ہے کہ جس طرح کسی کتب خانے یا آثار قدیمہ کو قومی ملکیت میں لیا جاتا ہے اسی طرح بے مِثال علم رکھنے والے انسانوں کو بھی قومی اثاثہ قرار دیا جاتا ہے۔ جنہیں NATIONAL TRESURE کہہ کہ پُکارا جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کی تمام ضروریات سٹیٹ پورا کرتی ہے اور یہ آرام سے اپنے علم ونظر سے قوم کو بہرہ ور کرتے ہیں۔ جب میں اس سے سوال کرتا کہ اس تذکرے کی اس وقت تک کیا ہے؟ تو اس کے جواب سے پہلے مجھے معلوم ہوتا کہ وہ دراصل اپنی بات کر رہا ہے۔ بالکل

برنارڈ شا کی طرح جس سے کسی نے پوچھا تھا کہ اس وقت دنیا کا سب سے بڑا آدمی کون ہے؟ شا نے پلک جھپکائے بغیر جواب دیا تھا۔ ''آئن سٹائین دوسرے درجے پر آتا ہے''۔ ابن مہجور کو آخری عمر میں RECOGINTION کی بڑی پیاس تھی اور یہ امر بالکل فطری تھا۔ میر سر اس بات کو یاد کرتے ہوئے فخر سے تن جاتا ہے کہ ۱۹۷۴ء میں نے اپنی حقیر کوششوں سے جموں و کشمیر کلچرل سنگم کی طرف سے اسے خلعت کا اعزاز دلوایا تھا۔ جب ۱۹۷۴ء میں اُسے اکادمی کی طرف سے خلعت اعزازی عطا کیا گیا۔ تو مجھ پر چند حلقوں نے کھسُر پسُر کے انداز میں یہ الزام عاید کیا کہ میں نے ابن مہجور کا FETISH بنالیا ہے اور میں دراصل احباب نوازی میں مُلوث ہوں ، بعد میں جب اسکی ریٹائرمنٹ کے بعد اسے اکادمی کے انسائیکلوپیڈیا شعبے میں ملازم مقرر کیا گیا۔ تو یہ کھسُر پسُر کھلے الزامات کی شکل میں سامنے آئی ۔ اس سلسلے میں اس وقت بڑا محظوظ ہوتا ہوں جب کچھ وہ لوگ میرے سامنے ابن مہجور کی شان میں مداح سرا ہوتے ہیں۔ جو اس کے جیتے جی میری جانب سے اسکی قدردانی کو ناپاک گٹھ جوڑ کہتے تھے۔ بہر حال اس معاملے میں اخری فیصلہ وقت پر ہی چھوڑا جانا چاہئے۔ لیکن اِس جگہ اس توصیف نامے کی عبارت نقل کرنا بے محل نہ ہوگا۔ ۱۹۷۶ء میں جو اکادمی کی طرف سے خلعت فاخرہ عطا کرتے ہوئے جناب شیخ محمد عبداللہ کی موجودگی میں ابنِ مہجور کی شان میں پڑھا گیا۔

''جناب محمد امین مہجور صرف اپنی ذاتی حیثیت کی وجہ سے ہی نہیں بلکہ اپنے حسب ونسب کی بناء پر بھی ممتاز ہیں۔ آپ شاعر کشمیر حضرت مہجور کے اکلوتے فرزند ہیں۔ ۱۹۲۱ء میں متری گام (پلوامہ) میں پیدا ہوئے اپنے فاضل والد کی نگرانی میں

انکی صلاحیتوں کی مناسب آبیاری ہوئی۔ ۱۹۴۰ء میں انہوں نے پہلا کشمیری اخبار ''گاش'' نکالا۔ ابن مہجور کشمیری زبان وادب اور آثارِ قدیمہ سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ کشمیر کے نادِر سکوں، کتبوں، اور مخطوطات کے بارے میں ان کی معلومات سند کی حیثیت رکھتی ہیں۔ انہیں منشی محمد الدین فوق، رام چندر کاک اور غلام محی الدین صوفی جیسے مورخوں اور محققوں کے ساتھ کام کرنے کا شرف حاصل ہے اور ان شخصیات نے کشمیری تاریخ وثقافت کے لئے انکی خدمات کو سراہا ہے۔ کشمیری تقویم کی ہیت پر انہوں نے گہری اور بامقصد تحقیق کی ہے۔ ۱۹۵۶ء میں حکومت جموں وکشمیر کی طرف سے انہیں کشمیری رسم الخط اِصلاح کمیٹی کا ممبر بھی نامزد کیا گیا تھا۔ ابن مہجور نے کشمیریات کے مختلف شعبوں کی ترتیب اپنا کاروبارِ شوق بنایا ہے اور اس وقت ان کے پاس کشمیر کے قدیم سنسکرت فارسی اور کشمیری مخطوطات سکوں شاہی فرمانوں وغیرہ کا ایسا نادر ذخیرہ ہے۔ جسکی علمی اہمیت کا اعتراف جاپان سے لے کر جرمنی فرانس اور انگلستان کے خادر شناسوں نے بھی کیا ہے۔

ابن مہجور کی زندگی کا سب سے بڑا اشغلل شہنشاہ کنشک کے وقت دفن کی ہوئی ان تابنے کی تختیوں کی تلاش ہے۔ جو آج تقریباً دو ہزار سال سے ناپید ہیں۔ ابن مہجور نے اس عظیم تہذیبی خزانے کی تلاش کے سلسلے میں جو کاوش کی ہے اس نے ایک بار پھر علمی حلقوں کی نگاہیں۔ اس علمی خزانے کی دریافت پر مرکوز کردی ہیں۔''

ابن مہجور کی میری ساتھ ایسی گاڑی چھنتی تھی کہ جب مجھے سال بھر کے لئے محکمہ اطلاعات کا ناظم بنالیا گیا۔ تو اس نے اپنا صدر مقام میرے دفتر میں ہی منتقل کردیا۔ میں ریذیڈنسی روڑ پر واقع اپنے دفتر پہنچتا تو کچھ ہی دیر بعد وہ بھی وہاں آکر براجمان

ہوتا۔ یہ منظر ان دوستوں کو یاد ہوگا جو اُن دِنوں محکمہ اطلاعات میں آنے کی زحمت گوارا کرتے تھے۔ یہیں ابن مہجور نے بیٹھے بیٹھے اُس ساری لائبریری کو چاٹ لیا۔ جو محکمہ اطلاعات کے پاس ہے۔ اور جس میں کشمیر پر کچھ نادر کتابیں بھی شامل تھیں۔ دن بھر میں اُسکی تواضع میں مصروف رہتا۔ لیکن جب اُسے موقع ملتا تو وہ میرے گھر جاکر وہاں انہیں میری رنگین۔ مصروفیات کی ایسی کہانیاں سُناتا کہ دوسرے روز میرے گھر میں گھمسان کا رن پڑتا۔ حالانکہ ان میں سے اکثر کہانیاں اس کے خلاق ذہن کی پیداوار ہوتیں۔ لیکن مجھ غریب کی کوئی نہیں سُنتا۔ لطف یہ ہے کہ آخر میں ان جھگڑوں کا ثالث بھی وہی بنتا اور میں اپنی جگہ گنگنانے لگتا

انصاف ہے کہ حکم عقوبت سے پیش تر
اِکبار سوئے دامن یوسف تو دیکھئے

اس تعلق میں ایک واقع کا ذکر بے محل نہ ہوگا۔ ایک دن امین صاحب اور میں امیرا کدل پار کر کے اپنے اپنے گھروں کو جا رہے تھے کہ امین صاحب کی نظر پھل بیچنے والے کی دکان پر پڑی۔ جہاں تازہ گچھیاں آگئی تھیں۔ امین صاحب نے کہا کہ یہ موسم کی نئی سوغات ہے۔ چلو خریدتے چلیں ہم نے ایک ایک سیر گچھیاں خریدیں اور ایکدوسرے سے جدا ہوگئے۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ مجھ سے راستے میں ایک شناسا کی ملاقات ہوگئی اور اس نے لفافے کو مجھ سے چھین لیا۔ میں گھر خالی ہاتھ پہنچا۔ بات آئی اور گئی لیکن چند دن کے بعد میرے گھر میں ہنگامہ مچ گیا اور مجھ سے گچھیوں کے بارے میں اِستفار ہونے لگے پہلے میری سمجھ میں بات نہ آئی لیکن بعد میں پتہ چلا کہ امین صاحب کو میرے چھینا جھپٹی کرنے والے شناسا نے بتادیا تھا کہ ٹینگ کا لفافہ اس کے

گھر نہیں پہنچا۔ چنانچہ امین صاحب نے آو دیکھا نہ تاو وہ میری غیر موجودگی میں میرے گھر چلے گئے وہاں اپنا مخصوص قہوہ نوش کرنے کے دوران انہوں نے بڑے پیرایے سے دریافت کیا ’’ کچھیاں پسند آئی تھیں یا نہیں‘‘ جب میری گھر والی نے لاعلمی کا اظہار کیا تو امین صاحب نے ایسا افسانہ تراشا کہ میں کئی مہینوں گھر میں مُجرم کی صورت میں جاتا رہا۔ میں نے اس مضمون میں امین صاحب کی شخصیت کو جو بڑی پیچ دار تھی روشنی اور سائے کے امتزاج سے ابھارنے کو کوشش کی ہے وہ خط مستقیم کی شخصیت نہ تھا اور اسکی تعمیر میں اقبال کے اس شعر کی سی کیفیت تھی۔

سلسلہ روز و شب تارحریر دو رنگ
جس سے بناتی ہے ذات اپنی قبائے صِفات

جب تک دورنگوں کی اس کارفرمائی کو اُجاگر نہ کیا جائے۔ اس بہت ہی دلچسپ اور بہت ہی شاندار آدمی کی تصویر اُبھر نہیں سکے گی۔ اُس نے اپنے کارناموں کی صورت میں بہت کم چھوڑا ہے اور اس کے متعلق بہت کم لکھا گیا ہے۔ لہذا میں نے یہ اپنا فرض جانا کہ آیندہ کے لئے اسکی قریب بہ حقیقت تصویر پیش کروں۔

مجھے یہ مضمون ۱۹۸۰ء کے اوائیل میں لکھنا چاہے تھا۔ جب اسکی موت واقع ہوئی۔ لیکن میں اُسپر قلم اٹھانے کے خیال سے ہی سہمتا رہا۔ یہ میری گردن پر ایک بڑا قرض تھا اور مجھے یوں لگتا ہے کہ آج میں نے اس قرضے کی پہلی قسط دیر سے ہی سہی ۔مگر ضرور ادا کی ہے۔

محمد امین ابنِ مہجور کی مقبولیت پسندی اور تواریخی ادراک کا ایک واقعہ بیان کر کے میں اس مضمون کو ختم کرونگا۔ جب ۷۷ء میں کلچرل اکادمی ایک وفد لے کر میں بسوک

یوسف شاہ چک کی قبر پر لوح نصب کرنے کیلئے بسوک (بہار) لئے پہنچا تو وہاں اچانک یہ پتہ بھی چلا کہ حبہ خاتون بھی یوسف شاہ کی جلاوطنی کے بعد بسوک آگئی تھی اور وہیں پر دفن ہے چنانچہ گاؤں کے معمر لوگوں نے اسکی قبر کی نشان دہی بھی کی۔ جب ہم واپس پہنچے تو مسلہ یہ درپیش ہوا کہ حضرت مہجورؔ نے اپنی زندگی میں اتھواجن کے نزدیک ایک قبر کو حبہ خاتون کا مزار قرار دیا تھا۔ یہ دراصل امین صاحب کے ہی ذرخیز ذہن کی پیداوار تھی، چنانچہ بعد میں اسکا نام مزار شعراء رکھ دیا گیا اور مہجورؔ کو وہیں دوبارہ دفن کر دیا گیا۔ میں نے امین صاحب کو اپنی دریافت کا ماجرا سُنایا اور بسوک کے لوگوں کی صدا بند آواز میں بھی سنائیں۔ جنہوں نے حبہ خاتون کے وہاں دفن ہونے کی تصدیق کی تھی۔ امین صاحب نے یہ سارا کچھ سُنا۔ مجھ سے کچھ استفار کئے اور پھر بلا جھجک کہا کہ ''تحقیق میں درستی کی ہر وقت گنجائش ہوتی ہے۔ حبہ خاتون اتھواجن میں نہیں بسوک میں ہی دفن ہے''۔ میں امین صاحب خوب کو پہچانتا تھا۔ میں نے کاغذ اور قلم نکال کر ان کے سامنے رکھ دیا اور ان سے کہا کہ وہ یہ لکھ کر دیں۔ امینؔ صاحب نے میرے چہرے کو تاکا۔ ہلکا سا تبسم کیا اور لکھ دیا۔ جسے بعد میں ہم نے ان ہی کی زندگی میں شایع کر دیا۔

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ
افسوس تم کو میرے محبت نہیں رہی

☆

موتی لال ساقی

امینؔ صاحب

امین صاحب چلے گئے اور ان کے ساتھ وابستہ یادوں کا کاروان بھی ٹھٹھک کے رہ گیا۔ ان کی ذات ایک انجمن سے کم نہیں تھی۔ وہ جہاں بھی بیٹھتے تو ایک سماں بندھ جاتا تھا۔ انسان کہنے سے زیادہ ان کی گفتگو کا لطف اٹھانے میں محو ہو جاتا تھا۔ وہ چلے گئے اور انجمن سونی سی لگتی ہے۔ وہ چلے گئے حالانکہ ہمیں ابھی ان کی ضرورت تھی موت کے بے رحم ہاتھوں نے ایک پیش بہار خزانہ ہم سے چھین لیا۔ ایک ایسا خزانہ جو بار بار ہاتھ نہیں آتا۔ امین صاحب جو محفلوں میں ابن مہجورؔ کے نام سے زیادہ متعارف رہے ایک کھلی کتاب تھے۔ ایک ایسی کتاب جس کا ایک ایک لفظ ان کی کشمیر شناسی کی داستان سناتا تھا۔ صوفی غلام محی الدین سے لے کر محمد اسحاق خان تک کشمیر کی تاریخ اور تمدن کے ساتھ شفقت رکھنے والے ہر شخص نے اس کتاب سے استفادہ کیا، جھولی بھر لی اور اپنی راہ لی۔

یار لوگ سوچتے ہوں گے کہ مہجور نمبر میں امین صاحب کا گزر کیسا۔ مگر امین صاحب نے مہجور صاحب کے لئے جو کچھ کیا ہر ادیب یا شاعر کا بیٹا ~~ابن کا~~ اہل نہیں ہوسکتا

کلامِ مہجورؔ سے لے کر کلیاتِ مہجورؔ کی اشاعت تک جو کام شاعرِ کشمیر کی شاعری اور شخصیت کے بارے میں ہوا وہ سب کام امین صاحب کی وساطت سے ہوا۔ امین صاحب کی اپنی انفرادایت تھی۔ کام کرنے کا اپنا مخصوص ڈھنگ تھا انھوں نے مانگے کے اجالے سے اپنی شخصیت سنواری نہیں تھی۔ انھوں نے اپنے والد بزرگوار کے لئے وہ کام کیا۔ جو مہجورؔ صاحب خود نہیں کر سکتے تھے۔ گراموفون ریکارڈ بھروانے کا کام ہو یا کتاب کی اشاعت کا معاملہ۔ مہجور صاحب یہ سب کام امین صاحب پر چھوڑ دیتے ۔کیوں کہ انہیں یقین تھا کہ جو کام امین صاحب کے سپرد کیا گیا اُسے وہ بدرجہ احسن انجام دیں گے۔ مگر یہ سب کام امین صاحب کی شخصیت کا ایک مختصر سا پہلو ہے۔ یہ کام تو اُن کی انتظامی قابلیت کی نِشاندہی کرتا ہے۔ امین صاحب اور بھی بہت کچھ تھے۔ ماہر ضربیات۔ ماہر کتبہ جات ومسودہ جات۔ نسب نامے مرتب کرنے میں مہارت رکھنے کے علاوہ وہ تاریخ شناس تھے۔ ان کے پاس نوادرات کا نادِر یاب گنجینہ تھا اس کا بدل مشکل سے ہی مل سکتا ہے تاریخ شناسی اور نوادرات کو جمع کرنے کا شوق اگر چہ انہیں اپنے والد سے وراثت میں ملا تھا مگر ان دونوں شعبوں میں امین صاحب نے وہ دسترس حاصل کی تھی کہ سب لوگوں سے اپنا لُوہا منوالیا تھا۔ ان کے سکوں کے خزینے میں یونانی بادشاہوں سے لے کر ڈوگرہ دور تک کے تقریباً ان تمام حکمرانوں کے سکے موجود تھے جنہوں نے کشمیر پر حکومت کی یا جن کی سلطنت میں کشمیر شامل تھا۔ ان کے سکوں کے مجموعے میں پہلا سکہ ہند سیتھی بادشاہ زیرس کا تھا جو ۵۰ ق،م میں شمال مغربی ہندوستان کا حکمران تھا، جن دوسرے بادشاہوں کے سکے ان کے پاس موجود تھے اُن میں زینوسِس (ہند پارتھی بادشاہ ۵۰ء) کدپھیس (کشن

حکمران) کنشک واسدیو، تورمان، اتپل پیڈ، اونتی ورمن، شنکرورمن، سوگندا، گوپال ورمن، پارتھ اندمن، چکرورمن، شرورمن کھیم گپت، دیدا، انت راج، کلش راج، اُچل راج، سُسل راج، جے سمہا، جگدیو، سلطان سکندر سلطان زین العابدین۔ سلطان حسن شاہ، سلطان محمد شاہ، سلطان فتح شاہ، سلطان ابراہیم شاہ، نازک شاہ، اسماعیل شاہ، حسن شاہ، علی شاہ چک، ہمایوں، اکبر شاہ عالم، تیمور شاہ دُرانی، زمان شاہ دُرانی، محمد شاہ دُرانی، شجاع الملک وغیرہ کے سکے قابل ذکر ہیں ان سکوں میں اکثر سکے تابنے کے تھے اور چند ایک سکے چاندی کے ڈھالے تھے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ سکوں کا یہ قابل قدر ذخیرہ اب کشمیر سے باہر نیشنل میوزیم کی تحویل میں ہے کیوں کہ کچھ لوگوں نے ان سکوں کے حصول میں روڑے اٹکائے اور اس طرح یہ قیمتی ذخیرہ ریاست سے باہر چلا گیا۔

سِکوں کے علاوہ ان کے ذخیرے میں سلطان فتح شاہ (۱۴۹۰ء) کے زمانے کا ایک کتبہ بھی تھا جس پر سلطان فتح شاہ کا نام بطور بادشاہ کندہ ہے۔ نوادرات میں بھگوان بُدھ کے دھیان مُدا رمیں دو خوبصورت مجسمے بھی شامل تھے ان مجسموں کا تعلق کشن دور سے تھا۔ ان سبھی چیزوں کو نیشنل میوزیم نے امین صاحب کے وارِثوں سے خرید لیا۔

اُن کا ذاتی کتب خانہ بھی ایک نگار خانے سے کم نہیں تھا۔ ان کے جمع کئے ہوئے مخطوطات موجود تھے ان میں بھگوت گیتا ترجمہ (فارسی نشر) فتوح الحرمین، گلشن عندلیب، گلزار بلبل، دیوان رفیق خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ ان مخطوطات کے علاوہ خود دوسرے اہم مخطوطے ان کے کتب خانے کی زینت تھے ان میں ذخیرہ

الملوک، تاریخ نامہ کشمیر رسالہ سلطانیہ، کتاب البقراط مع تفسیر جالینوس، روضی الاحباب، قصیدہ غسلیہ یوسف شاہی شامل ہیں۔اس کے علاوہ انہوں نے کچھ سنسکرت مخطوطات بھی حاصل کئے تھے۔ سنسکرت مخطوطوں میں سب سے اہم اتپل دیو کی کتاب ''ایشور پرتبگینا وِدرتی لومرشنی کا وہ نسخہ ہے جس کی شرح مشہور عالم شیوی فلسفی ابھنوگپت نے لکھی ہے۔ابنِ مہجور کے پاس جو نسخہ محفوظ تھا وہ سولہویں صدی میں کسی شالی راز دان نے بھوج پتر پر شاردا میں لکھا ہے۔ یہ مخطوطہ ۱۲۶ اصفحات پر مشتمل ہے مخطوطات کے علاوہ امین صاحب نے مختلف اَدوار کی قلمی دستاویزیں جمع کی تھیں جو تاریخ اور تحقیقی نقطہ نظر سے کافی اہم ہیں اُنکے ذخیرہ نشادِرات میں کل ملا کر اس قسم کی ۲۸ دستاویزات موجود تھیں۔

اب امین صاحب کی تاریخی بصیرت اور فہم وفراست پر ایک نظر ڈالیئے اور فیصلہ کیجئے کہ انہوں نے کتنے اختصار کے ساتھ اپنی بات کو واضح کیا ''تحفۃ الاحباب'' اور ''بہارستان شاہی'' کا تقابلی مطالعہ انہیں مندرجہ ذیل نتائج اَخذ کرواتا ہے:۔

یکسانِیت

(ا) دونوں کتابوں کے مصنفین نے اپنے نام کو چھُپایا ہے۔

(ب) اندرکوٹ کو دونوں نے اندرکول لِکھا ہے۔

(ج) سید مبارک خان بیہقی کے مرشد میر بذل اللہ کا تذکرہ دونوں نے کیا ہے

(د) مجالس عزا کا حال دونوں میں نہیں ہے

(ہ) ملا جعفر بدخشی کی تصنیف خلاصۃ المناقب کا دونوں نے تذکرہ کیا ہے۔

(و) میر شمس الدین عراقی کے وُرود کشمیر کی تاریخ تقریباً دونوں میں یکسان ہے

(ز) دونوں نے لِکھا ہے کہ میر شمس الدین عراقی سید محمد بیہقی کی موت کی خبر سن کر غمگین ہوگیا۔

(ح) میر شمس الدین عراقی کے مذہبی کارناموں کو دونوں نے سراہا ہے۔

تضاد

(ا) سلطان محمد شاہ فتح شاہ کے درمیان وہ معرکہ کہ جس میں سید محمد مارا گیا۔ مطابق بہارستان شاہی میدان زٔنیۃ کجی اور مطابق تحفۃ الاحباب متصل موضع چاڈورہ لڑا گیا۔

(ب) تحفۃ الاحباب نے سجالئے بتاں پر سلطان زین العابدین کو خوب کوسا ہے لیکن بہارستان شاہی میں اس واقعہ کے متعلق نرم زبان استعمال کی گئی ہے۔

''انسائیکلوپیڈیا کشمیریانا'' ترتیب دینے کا خیال امین صاحب کے دِل میں بہت دیر سے موجود تھا۔ چنانچہ ۱۵ جون ۱۹۷۱ء کو ایک عرضداشت میں آپ نے مرحوم غلام محمد صادق چیف مِنسٹر کے نام لکھا ہے:۔

''غرض خدمت یہ ہے کہ کشمیر چند معلوماتی اور تحقیقی کتابیں لکھنے کے بارے میں جناب والا کے ساتھ جو بات چیت آج سے کچھ عرصہ قبل ہوئی تھی اُس میں ''گزیٹیئر'' اور ''ببلوگرافی آف کشمیر'' لکھنے کا خصوصی طور پر تذکرہ ہوا تھا۔ لیکن نیازمند اپنی جگہ کِتاب ''انسائیکلوپیڈیا'' کے طرز پر مرتب کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ جس میں دیگر مضامین کے علاوہ مذکورہ گزٹیر اور ببلوگرافی کے مضامین بھی اپنی اپنی جگہ پر مدغم ہوجائیں گے۔

اس مجوزہ کِتاب کا نام ''انسائیکلوپیڈیا آف کشمیر'' ہوگا اور یہ کتاب حروف تہجی کی

ترتیب سے اس قسم کی ایک مشہور عالم اور عظیم کتاب یعنی انسائیکلو پیڈیا برٹانکا" کے طرز پر لکھی جائے گی۔ اس میں دس ہزار کے قریب معلوماتی عنوانات ہوں گے یعنی کشمیر کے ساتھ کسی نہ کسی صورت میں تعلق رکھنے والی تمام شخصیات، کشمیری اور کشمیر سے تعلق رکھنے والے غیر کمشیری مُصنفین کی مشہور تصانیف، تاریخی مقامات، مشہور ذاتیں، حیوانات، نباتات، جمادات، امراض، عادات، فنون، قومی، تمدن، مذہبی، سماجی رِوایات رواج، رسوم، اقوال وغیرہ وغیرہ کا علیحدہ مختصر لیکن کارآمد اور معلوماتی تذکرہ ہوگا۔

امین صاحب کو سوچ کے گھوڑے دوڑانے میں یدطولیٰ حاصل تھا۔ مگر لکھنے سے وہ اکثر کتراتے تھے۔ ایسا نہیں تھا کہ انہیں لکھنا آتا نہیں تھا۔ وہ بہت ہی شستہ اور رَوان اُردو نثر لکھتے تھے مگر کاہلی آڑے آکر انہیں ہمیشہ کام کرنے سے روکتی تھی۔ مجھے امین صاحب کے ساتھ بہت کم وقت گزارنے کا موقعہ ملا۔ مگر اس مختصر سے وقت ہی میں نے محسوس کیا کہ اُن کے علم اور مشاہدے کی جھولی بھری پڑی ہے مگر کوئی ایسا نہیں جو اس جھولی سے دامن بھر لے۔ میں نے انہیں اس بات کے لئے آمادہ کرلیا تھا کہ اُن کے مشاہدات۔ تجربات اور مطالعے سے اخذ کئے گئے نتائج کو قلمبند کرلیا جائے، اور میں آس لگائے بیٹھا تھا کہ امین صاحب مجھے سندیشہ بھیج دیں گے اور کام شروع ہو جائے گا۔ مگر ایسا ہوا نہیں، میں دہلی سرکاری دورے پر گیا اور امین صاحب سری نگر سے مِتری گام چلے گئے۔ میں جب واپس آیا تو امین صاحب سدھار چکے تھے اور میرے تمام خواب چکنا چور ہو کے رہ گئے۔

امین صاحب غلط ملک میں پیدا ہوئے تھے جس ملک میں ہر چیز کو روپے کے

ترازو میں تولا جاتا ہو اس ملک میں امین صاحب کی کیا قدر ہوتی۔ یہاں تو ایسے لوگوں کو سنکی کہا جاتا ہے ان پر آوازے کسے جاتے ہیں مگر احمقوں کی دنیا میں عقل اور علم کے دیئے روشن کرنا کارے دارد والا معاملہ ہے۔ انہوں نے بہت سارے دیئے روشن کئے۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کی ضوفشانی سے امین صاحب کو کچھ نصیب نہیں ہوسکا۔ وہ محرومیوں اور قدر ناشناسی کے شکار ہوئے مگر انہوں نے کبھی اُف تک نہیں کی۔ ہم نے ان کو کچھ دیا تو نہیں مگر ان سے بہت کچھ پایا۔

اپنے دور کے مورخین اور قلم کاروں کے ساتھ امین صاحب کی مراسلت بھی رہی ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر جی۔ ایم۔ ڈی صوفی اور محمد الدین فوق کے ساتھ اُن کے ذاتی مراسم تھے۔ مراسلت سے پر چلتا ہے۔ کہ تاریخ اقوام کشمیر کے لکھنے میں مہجور صاحب کے علاوہ امین صاحب ابھی اس کے مددگاروں میں شامل رہے ہیں۔ امین صاحب کے تاریخ کے ساتھ لگاؤ کا اعتراف محمد الدین فوق نے بھی کیا ہے۔ اپنے ایک طویل خط (مورخہ ۱۹ اپریل ۱۹۴۳ء میں فوق صاحب رقمطراز ہیں:۔

آپ کو اپنا عزیز سمجھتا ہوں خصوصاً تاریخی ذوق کے لحاظ سے مجھے آپ کے ساتھ وابستگی ہے۔

آگے چل کر اسی خط میں فوق صاحب لکھتے ہیں۔

''ایک شخص کے حالات دو صفحے کے ہیں لیکن اس کی ذات گوت کی اصلیت پر دس صفحے کا مضمون ہے۔ ان تین صفحوں سمیت یہ کل مضمون آپ نے ۱۶ صفحوں پر لکھا ہے۔ آپ کو خوب معلوم ہے کہ اقوام کشمیر کا صفحہ ۳۰+۳۰/ ۱۶ صفحہ میں ۲۱ سطر اور سطر میں ۱۳/۱۴ الفاظ کا اندازہ ہے اس لحاظ سے آپ کا یہ مضمون بیس ۲۰ صفحوں میں

آئے گا۔ شجرہ کا خلاصہ اپنے مضمون میں ارسال کیا ہے۔ اب ضرورت نہیں۔''

اس اقتباس سے واضح ہے کہ تاریخ اقوام کشمیر'' کی تحریر میں امین صاحب کا حصہ خاصا اہم رہا ہے اور اس میں جو شجرہ ہائے نسب درج ہیں ان کی ترتیب وتدوین ان کی مرہونِ منت رہی ہے۔

امین صاحب کس طرح دوسروں کی مدد فرماتے تھے اس ضمن میں ''کشیر'' کے مُصنف جی ایم ڈی صوفی کا یہ خط قابل غور ہے:۔

محمد بلڈنگ کٹرج روڈ

کولابہ۔ بمبئی ۵

سہ شنبہ ۱۹ر جنوری ۱۹۴۳ء

جناب امین صاحب اسلام علیکم ۔کیوں حضرت پھر ''خسکیت'' کا دور آپ پر آسوار ہوا؟ آخر کیا وجہ ہے کہ آپ نے تصاویر روانہ نہ فرمائیں؟ آپ نے جواب نہ دیا مکتوبات کا۔ آپ نے دھرم ارتھ کے بارے میں کچھ نہ لکھا؟ اب تو آپ ''ابن مہجور'' سے محقق الملک ہو گئے۔ جب کسی مُصنف کا حوالہ دو ہمیشہ صفحی، جلد سنہ طباعت بھی ضروری ہے۔ اکبر کے بارے میں مثلاً لاہور کی لائبریری کا نسخہ Bewaridge کا اور تھا اور یہاں بمبئی میں اور بمبئی والے نسخے سے جوسری نگر جیسا ہے خلاف اکبر اشارے ہیں۔ لاہور والے میں ملنے سے مجھے تردد تھا۔ خیر (۲) مرزا کمال الدین سے ملاقات ہوئی؟ میں نے ان کو ایک کارڈ لکھا تھا لیکن جواب ندارد، فون کر کے پُوچھئے تو؟ (۳) آثار قدیمہ والے تصویریں روانہ نہیں کرتے حالانکہ میں نے روپیہ پشیگی دے رکھا ہے۔ معلوم کر کے لِکھو بات کیا ہے؟ (۴) پنڈت جگموہن کول کو کٹھ

کا مال دِلایا تھا؟ (۵) آج ڈاکٹر ورما کا خط جموں سے آیا فرماتے ہیں کہ پراج بھٹ نے فتح شاہ کی تاریخ لکھی ۹۹ برس تک حکومت کا ذکر ہے حالانکہ جونراج کے ہمراہ شری ور نے ۲۶ برس تک کی تاریخ (لکھی) ہے ۶۲۔۹۹ یعنی ۳۷ برس کا فرق ہوتا ہے پراج بھٹ اور شری ور میں اور تاریخ انتقال ندارو ہے۔ اب آپ بتلائے کہ آپ نے کیا پتہ لگایا تھا تا کہ حقیقت معلوم ہو (۶) آپ ڈاک سے جو (جواب) (روانہ کریں اس کے خرچ کا میں ذمہ دار سری نگر حاضر ہو کر ادا کروں گا ((۷) برف کا کیا حال ہے ؟ (۸) پنڈت پرتھی ناتھ بامزئی صاحب نے ایک گالی نامہ مجھے لکھا اور لکھا کہ قلمی تاریخ حسن اس لئے نہیں دی کہ امین نے منع کیا تھا۔ کہ میں دبا بیٹھوں گا حالانکہ ان مہاراج کو معلوم نہیں کہ امین کی وادی صاحبہ کا قلمی نسخہ کئی ہفتہ تک میرے پاس رہا ہو خیر (۹) آپ لاہور جانے والے ہیں یا نہیں (۱۰) آپ کو جو کتابیں درکار ہوں ان کی فہرست مجھے مارچ میں روانہ کریں تا کہ اپریل میں ہمراہ لاؤں اور ستمبر اکتوبر میں واپسی لے آؤں تا کہ ڈاک کا خرچہ بچ جائے (۱۱) خواجہ غلام محی الدین لیکچرر عربی جموں سے اور کشمیری شاعروں کے حالات ملے۔ (۱۲) پنڈت پریم ناتھ بزاز یکم فروری تک سرینگر واپس ہوں گے (۱۳) آپ کے جواب کی اُمید رکھوں یا پھر فوق صاحب کا قول یاد آئے گا،

والسلام

غلام محی الدین صوفی

یہ تھی امین صاحب کی شخصیت کی ایک جھلک ۔مگر ہم اُن کی قدر نہیں کر سکے ۔ ایسے افراد کی قدر زندہ قومیں ہی کرتی ہیں۔

امین صاحب کو اس بات کا دعویٰ بھی تھا انہیں اس مقام کا پتہ ہے جہاں پر کنشک کے زمانے میں ہوئی بودھ کانفرس کے فیصلہ جات تابنے کے تختوں پر کندہ کر کے دفن ہیں مورخین نے اس جگہ کا نام کنڈل ون دھارا بتایا ہے۔ تاراناتھ کے اس کنڈل ون کا محل وقوع کیا ہے۔ امین صاحب نے اپنی زندگی میں اس راز کو افشا نہیں کیا۔

امین صاحب نہیں رہے انہوں نے اچھا ہی کیا کہ چلے گئے کیونکہ وہ لوگ جن کو انہوں نے کشمیریات کی ابجد خوانی سے آگاہ کیا بعد میں مُنہ پھیر گئے مگر ان کی یاد میرے دِل میں ہمیشہ فروزاں رہے گی۔

حواشی

۱۔ یہ بات اس لئے ادھورا سچ ہے کیوں کہ ابن مہجور کو لکھنے پر آمادہ کرنے کیلیۓ ہم نے بہت سی کوششیں کیں۔ انہیں ریٹائرمنٹ کے بعد اکاومی کی ملازمت میں لے لیا گیا۔ ''انسائیکلوپیڈیا کشمیریانا'' کے ساتھ منسلک کردیا گیا اور وہ اسی کے سٹاف پر تھے جب انہیں اجل کا پیغام آگیا۔ لیکن ان کی اُفتادِ طبع ایسی تھی کہ وہ پڑھتے تو بہت لیکن لکھتے بہت ہی کم تھے۔ (ادارہ)

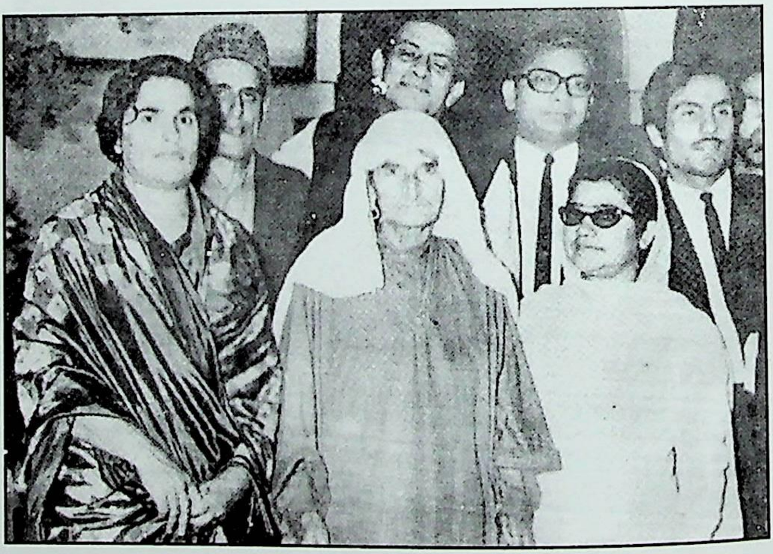
۲۔ ساقی صاحب کا یہ کہنا بڑی حد تک صحیح ہے لیکن کلچرل اکیڈیمی کو اس الزام سے بری کرنا چاہے کہ اس نے اپنی بساط کے مطابق تھوڑا بہت کرنے سے گریز نہیں کیا۔ اکیڈیمی نے نہ صرف انہیں ریٹائرمنٹ کے بعد اپنے کنبے کا فرد بنایا اور وہ اپنی وفات تک اکیڈیمی کے سٹاف پر رہے بلکہ انہیں خلعتِ فاخرہ سے بھی نواز حالانکہ اس

وقت بعض حلقوں نے اکیڈیمی کے اس اقدام کو پسند نہیں کیا اور اسے جانبداری پر محمول کیا گیا۔ اس کے علاوہ اکیڈیمی نے ان کی وفات کے بعد ان کے قسمتی کُتب خانے کو حاصل کرنیکی سعی کی جو کچھ ایسی وجوہات کے سبب جن کے یہاں کہنے کا محل نہیں ہے کامیاب نہیں ہوئی لیکن اس کے باوجود اس کتب خانے کی بہت سی چیزیں اکیڈیمی کے پاس آگئیں۔

ابھی وہ لوگ موجود ہیں جن کے سامنے اور تو اور ساقی صاحب نے بھی ابن مہجورؔ کے سلسلے میں اکیڈیمی کے نرم گوشے پر سرگوشیوں مین باتیں کی تھیں۔ ادارہ)

☆

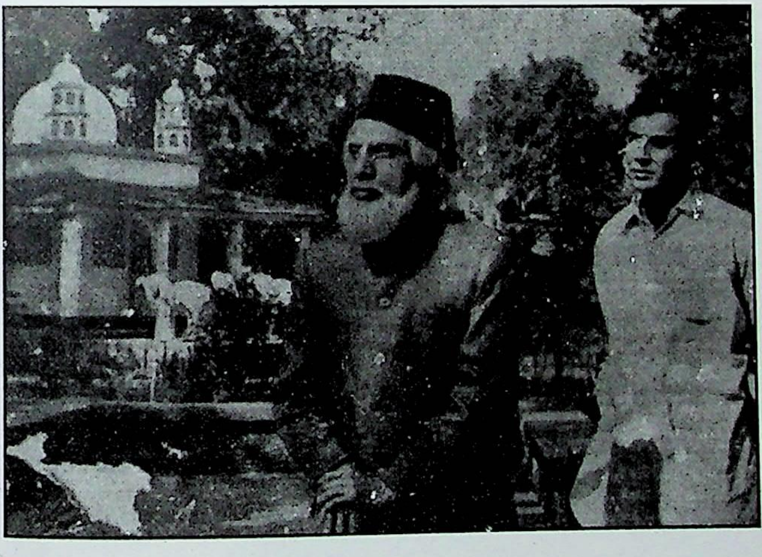




بیگم مہجورؔ اور ابنِ مہجورؔ نے بھی فلم مہجورؔ کی افتتاحی تقریب میں شرکت کی۔



پریکشت ساہنی، بشیر بٹ اور سدا ماجی کول ــــــــــ فلم میں مشاعرے کا ایک منظر



پریکشت ساہنی اور پران کشور، مہجور اور بسمل امرتسری کے رول میں

مہجورؔ کی سرکاری ملازمت

ایک معنی خیز اورعبرت انگیز روئداد

یہ روئداد مہجورؔ کے کاغذات میں ان کے اپنے دستخط میں موجود ہے اس میں مہجورؔ نے ۱۶ ستمبر ۱۹۳۱ء کو اُن الزامات کا جواب دیا ہے۔ جو اُن پر شورش] میں ملوث ہونے کے سلسلے میں عاید کئے گئے تھے لیکن اس میں انکی ملازمت کی ساری تلخیاں اور محرومیاں بیان ہوئی ہیں اس سے اہم بات یہ ہے کہ اس میں وقت کے کشمیر اور خاص طور اس کے دیہات (جو مہجورؔ کی کارگاہ تھے) کی زندگی انتظامیہ اور عوام کی مظلومیت کے کتنے ہی پہلو محفوظ ہو گئے ہیں۔ اس میں ان تعصّبات وتوہمات کی گھناونی تصویر بھی موجود ہے جو اُس وقت کے حکمران طبقہ میں بیماری کی طرح سرائیت کر گئے تھے۔ اسی دباؤ اور نئے اعتدالی کالا وا ۱۹۳۱ء میں پھٹ پڑا اور خود مہجورؔ کا یہ بیان اس سربستہ نُطق کی برف پگھلنے کا سراغ دیتا ہے جو غلامی کی شبِ تاریک نے کشمیریوں کے لب وذہن پر جمادی تھی۔ اس روئدا کی ایک تواریخی دستاویز کی حیثیت بھی ہے اور مہجورؔ کے ان قصیدوں کی شان نزول بھی بیان کرتی ہے جو انہوں نے وقت کے حاکموں کے حضور

میں پیش کیئے چنانچہ اس یادداشت میں اس کے بارے میں واضح اشارات موجود ہیں۔اس یادداشت کے بعض حصے اکادمی کی طرف سے شائع ہونے والی کُلیات مہجورؔ کے دیباچے میں نقل ہو چکے ہیں لیکن اسکو مکمل طور پر شائع کرنے کی نوبت اب آئی ہے۔(محمد یوسف ٹینگ)

☆

غلام احمد مہجورؔ

میں باوجود باشندہ سری نگر ہونے کے بوجہ ملازمت مفصلات میں زندگی بسر کررہا ہوں ۶ جون ۳۱ء سے تاریخ امروز تک مجھے کبھی سری نگر جانے کا موقعہ نہیں ملا۔اس لئے ۱۳ جولائی ۳۱ یا اس کے بعد کے افسوس ناک واقعات سرینگر کی نسبت کوئی چشم دید شہادت پیش نہیں کرسکوں گا۔مگر ۱۳ جولائی کو فساد کی جو آگ سرینگر میں متشل ہوئی اسکی ایک چنگاری نے ۴۲ میل کے فاصلہ پر میرے پیراہن امن میں رخنہ پیدا کردیا ہے اور اس سے مجھے حق پیدا ہوا ہے کہ میں موجودہ ایجی ٹیشن کے متعلق کچھ عرض کروں۔چونکہ میری عمر کا بیشتر حصہ زمینداران میں ہی بسر ہوا ہے اس لحاظ سے میں

پہلے ہی بیان کروں گا کہ کن وجوہات نے زمینداروں کے دلوں میں جوجودہ طرز حکومت کی بدظنی اور بیزاری پیدا کردی ہے۔اور کن اسباب نے انکو موجودہ شورش سے متاثر ہوکر ایجی ٹیٹروں کی آواز پر لبیک کہنے پر تیار کیا ہے میں اپنے بیان میں کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں کروں گا۔جسکا ناقابل تردید ثبوت اور مصدقہ ریکارڈ میرے پاس موجود نہ ہو۔

مفصلات کشمیر میں ۹۹ فیصدی مسلمان آباد ہیں جو کہ سب کے سب زراعت پیشہ اور تقریباً سب جاہل ہیں سرکاری محکمہ جات سے محکمہ مال کے ساتھ انکے زیادہ تعلقات وابستہ ہیں عرصہ دراز سے جو تظلمات زمینداروں پر چلے آتے ہیں انکا سرچشمہ یہی محکمہ ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ ایک چپراسی سے لیکر مشیر مال تک اس محکمہ پر غیر مسلموں کا قبضہ ہے جنکے دلوں میں اس جفاکش اور فلاکت زدہ طبقہ کی ہمدردی ایک ذرہ کے برابر بھی موجودہ فرماں روائے کشمیر سری مہاراجہ صاحب بہادر جب گدی نشین ہوئے تو انہوں نے سب سے پہلے بیگار" کی بندش کا خسروانہ فرمان نافذ فرمایا چوں کہ عرصہ دراز سے اس قبیح ترین طرزعمل نے زمینداروں کا کچومر نکال دیا تھا۔اس عنایت خسروانہ سے وہ بیحد مسرور ہوئے اور ان کے دلوں میں اپنے نیک دل اور رعایا پرور مہاراجہ صاحب بہادر کی بے انتہا محبت پیدا ہوگئی۔لیکن کچھ عرصہ کے بعد جب انہوں نے دیکھا کہ بیگار عملاً بند نہیں ہوا۔تو انکی تمام شادمانی یاس سے تبدیل ہوئی انکے پاس تحصیل کا ایک چپراسی آتا ہے تو خورد ونوش اور دیگر ضرویات ان سے جبراً اور مفت حاصل کرلیتا ہے پٹواری مفت خوراک کھانے کے علاوہ اپنے حلقہ کے دیہات میں اپنا ڈیرہ اور بسترہ مفت زمینداران سے اٹھواتا ہے جب اسکو کوئی سرکاری

یا پرائیویٹ ڈاک یا کوئی چیز بھیجنی ہوتی ہے تو وہ جبراً زمینداران کے ذریعہ یہ کام بلا معاوضہ کراتا ہے ایک گرداور قانگوئے کے ساتھ دو تین آدمی اور ایک گھوڑا ہوتا ہے اور وہ سال کے سارے ایام زمینداران ہی کے گھروں میں گزار دیتا ہے کسی جگہ وہ اپنی خوراک کی قیمت نہیں دیتا ڈاک رسانی کا کام بھی بذریعہ زمینداران وزارت صاحبان اپنی اپنی ذات کا زرِ خوراک اور ذاتی بستروں کی مزدوری دیتے ہیں۔ مگر انکے ساتھ محرران، چپراسیان، مہمانان وجلوداران کی جو فوج ہوتی ہے انکا ہر ایک کام (خوراک باربرداری وغیرہ) زمینداران سے بلا معاوضہ حکماً کردیا جاتا ہے۔ محکمہ مال کا جو عملہ ہیڈ کوارٹر تحصیل پر رہتا ہے انکے ضروریات کی چیزیں دیہات سے جبراً اور بلا قیمت مہیا کی جاتی ہیں اس سلسلہ میں بعض اوقات زمینداران سے قیمت اشیا کی فرضی رسیدیں بھی حاصل کی جاتی ہیں۔

رشوت ستانی کی عام شکایت ہے تمام سرکاری محکمہ مال جوڈیشل ، پولیس، جنگلات، محکمہ تعلیم۔ ملبری کلچر زمیندارہ بنک وغیرہ کے اہل کاران زمینداران سے رشوت لیتے ہیں۔ دیگر محکمہ جات کی رشوت ستانی کے طریق عمل سے میں پورا واقف نہیں ہوں۔ البتہ محکمہ مال کے متعلق کسی قدر وضاحت کے ساتھ عرض کرونگا۔ ایک زمیندار کے خلاف تحصیل میں رپورٹ پیش ہوجاتی ہے کہ اس نے درخت اخروٹ کی ایک شاخ بلا حصول اجازت ضابطہ کاٹی ہے۔ یہ درخت زمیندار مذکور کی کھیت میں واقع ہے اور اس درخت کا مالیہ وہی ادا کرتا ہے تو تحصیل سے زمیندار کی طلبی کا حکم جاری ہوتا ہے چپراسی زمیندار کو ڈراتا ہے کہ تم پر جرمانہ ہوگا اور ممکن ہے کہ تم کو قید بھی ہوجانا پڑے۔ سادہ لوح زمیندار خوف کے مارے امر سے دو روپیہ تک رشوت دیکر

سَمن پر لکھا تا ہے کہ طلبیدہ گھر پر موجود نہیں ہے'' یا چپراسی سمن ہی تلف کر دیتا ہے ادھر جب تاریخ مقررہ پر دہ مثل تحصیل دار صاحب کے پیش ہو جاتی ہے تو اُس پر حکم لکھا جاتا ہے کہ کوئی حاضر نہیں نہ اطلاعیابی شامل ہے۔ مکرر بتاریخ فلان سنہ فلان طلب کیا جائے'' بلکہ جسقدر امثلات مال روزانہ تحصیلدار صاحب کے پیش کئے جاتے ہیں ان میں سے ۹۰ فیصدی امثلات پر یہی حکم لکھا جاتا ہے۔ دوبارہ سمن جاری ہو جانے پر بھی یہی کاروائی کی جاتی ہے اور کبھی اسامی کے بار بار گھر پر موجود نہ ہونے یا سمن کے تلف ہو جانیکا سوال پیدا نہیں ہوتا اور نہ ہی اہلکار اجرا کنندہ سمن یا چپراسی سے کوئی باز پرس ہوتی ہے اسطرح سال ہا سال گزر جانیکے بعد جب اسامی رشوت دے کر تنگ آجاتی ہے تو ۲ سے ۸ تک طالبانہ دیگر سمن پر اطلاعیابی کرتی ہے بیچدرہ زمیندار لرزان وترسان تاریخ مقررہ پر صبح کے آٹھ بجے ہی احاط تحصیل میں حاضر ہو جاتا ہے شام کے وقت ایک روپیہ سے پانچ روپیہ تک نذرانہ ادا کر کے اسکو اس شرط پر لمبی تاریخ دی جاتی ہے کہ وہ دوسری تاریخ پر اہلکاران و چپراسان تحصیل کیلئے فرمایشی چیزیں ہمراہ لیکر آئے۔ اس مرحلہ پر بھی یہ مثل تحصیل میں سال ہا سال تک دائر رہتی ہے۔ بلکہ تحصیل میں اس قسم کی ہزار ہا مثالیں چار پانچ پانچ سال سے زیادہ عرصہ کی دائیر ہیں جن سے عملہ تحصیل ناجائیز مفاد اٹھا رہا ہے کچھ عرصہ ہوا کہ سری سرکار والا مدار نے حکم جاری فرمایا تھا کہ گمنام درخواست ہائے پر کوئی کاروائی نہ کی جائے مگر مفصلات میں اس حکم کی مطلق تعمیل نہ ہوئی۔ سینکڑوں گمنام درخواست ہائے پر تحصیل میں کاروائیاں ہوتی ہیں۔ باقاعدہ امثلات دائیر ہیں۔ بلکہ شریر الطبع لوگوں نے عموماً اور اکثر اہلکاران سرکار نے خصوصاً اس فن مستقل طور پر ذریعہ انتقام جوئی وجلبِ منصعت قرار دیا

ہے۔ایک سادہ کاغذ پر کسی غیر معروف شخص کے ہاتھ سے کوئی بناوٹی کہانی بصورت درخواست زید کے خلاف لکھا کر اسکے نیچے بکر کا فرضی نام درج کراتے ہیں اور رسمی لفافہ میں ڈال کر محکمہ متعلقہ کو بھیجدیتے ہیں اور بعد میں اس پر محکمانہ کاروائی شروع کر کے خوب ہاتھ گرم کراتے ہیں۔زمینداران رقبہ خالصہ سے نوتور کرتے ہیں تو رپورٹ ہونے پر ان کو سالہا سال تک تحصیل کی آستان بوسی کرنی پڑتی ہے رقبہ کا ہچراری، کول، سڑک وغیرہ سے جو نوتور ہوا ہے ایک طرف تو اس پر جمع قائم ہوئی ہے۔دوسری طرف رپورٹ پیش ہو جانے پر جرمانہ کی تجویز ہوتی ہے اور کہیں ضبطی فصل نوتور کی کاروائی کیجاتی ہے اور نوتور کنندہ کو رقبہ نوتور سے بیدخل کیا جاتا ہے زمیندار اس لئے قبضہ نہیں چھوڑتا کہ اسے رقبہ کا مالیہ دینا پڑتا ہے۔اہلکاران متعلقہ کو پھر رپورٹ کرنی پڑتی ہے۔سری سرکار والا مدار کی تاج پوشی پر اعلان ہوا تھا کہ رقبہ خالصہ بطور شاملات زمینداروں کو عطا کیا گیا۔ پانچ سال گزر گئے ابھی تک اس اعلان کا تصفیہ یا عملدرآمد نہ ہوا۔زمینداران تاریخ اعلان سے بسرعت رقبہ خالصہ کو آباد کر رہے ہیں۔پٹواریان کی رپوٹوں پر خلاف ورزی کی صدہا مثلیں انکے خلاف دایر ہو جاتی ہیں۔نتیجہ سوائے پریشانی و بربادی زمینداران اور کچھ بھی نہیں۔

انسداد شادی صغرسنی کا قانون تین سال سے جاری ہے۔سرکار والا مدار نے محض بہبودی رعایا کیلئے اس کو نافذ فرمایا۔بلکہ کہا جاتا ہے کہ اس میں مسلم آبادی کا خیال رکھا گیا ہے لیکن اس قانون نے زمینداران کی پریشانی اور مصیبت میں ایک اور باب کا اضافہ کیا جس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اس قانون سے پہلے زمیندار کو اپنی لڑکی کے نکاح پر گاؤں کے نمبردار اور چوکیدار کو بطور نذرانہ کچھ دینا پڑتا تھا، جس کی شرح علے

الترتیب ایکر وپیہ سے پانچ روپیہ تک اور ۸ سے دوروپیہ تک ہوتی تھی۔ حالانکہ وہ قانوناً بیاہ شادیوں میں دخل دینے کے مجاز نہ تھے۔ اب انکو مداخلت کے اختیارات قانوناً مل چکے ہیں۔ اس لئے زمیندار کی لڑکی ۲۰ سال کی بھی ہوگی تو وہ نمبرادار، چوکیدار، بلکہ ذیلدار کی کامل رضامندی حاصل کرنیکے بغیر اپنی لڑکی کی شادی انجام نہیں لاسکتا۔ یہ سب کچھ برداشت کر کے بھی اکثراوقات کسی معمولی شخص کی رنجیدہ گی سے ایک گمنام درخواست کی بنا پر صاحب دختر کو مع اپنی معصوم لڑکی اور داماد کے عدالت میں حاضر ہونا پڑتا ہے۔ بدقسمتی سے اگر کوئی شخص بحثیت مُخبر عدالت میں کھڑا ہوگا پھر تو تمام متعلقین کو برسوں عدالت کی خاک چھاننی پڑیگی اس طرح ایک زمیندار کیلئے لڑکی کی شادی خانہ بربادی کا باعث بن جاتی ہے۔

انسدادِ رشوت ستانی کا انتظام بھی مکمل نہیں۔ ایک چپراسی اگر رشوت لیتا ہے تو محض اس وجہ سے کہ اسکی تنخواہ قلیل اور ضروریات زندگی اسکو مجبور کرتے ہیں کہ وہ ناجایز ذرائع سے اپنے اخراجات پورے کرے۔ بخلاف اسکے ایک تحصیلدار اگر رشوت قبول کرتا ہے۔ تو صرف ہوس زرطلبی کیلئے اپنے اختیارات کوفروخت کرکے اپنی اعلےٰ پوزشن کی توہین کرتا ہے انصاف کا تقاضا ہے کہ سزا تجویز کوتے وقت دونوں راشیوں کی نیتوں کوملحوظ رکھا جائے۔ الا قانون نے دونوں کیلئے ایک ہی سزا تجویز کی ہے جب سزا دینے کی نوبت پونچتی ہے تو عملاً اس قانون اور انصاف کے برعکس کاروائی کیجاتی ہے۔ یعنی سزا صرف غریب چپراسی کودی جاتی ہے۔ تحصیلدا کے ساتھ خاص طور پر نرم سلوک کیا جاتا ہے۔ علاوہ اسکے رشوت ستانی کے مقدمات میں محکمہ مال غیر معمولی طوالت دیتا ہے جس سے جاہل اور سادہ لوح مدعی تنگ آکر پیروی مقدمہ

سے دست کش ہو جاتا ہے۔ ساتھ ہی فریق ثانی کو بھی اپنے بچاؤ کا کافی موقعہ مل جاتا ہے۔

تحصیل ہندوارہ کے زمینداران عام طور پر صرف تین مہینے (کاتک۔ مگھر، پوہ) تک پیٹ بھر کر کھانا کھاتے ہیں۔ دوسری سہ ماہی میں صرف ۶۰ فیصدی اور تیسری سہ ماہی میں ۴۰ فیصدی چوتھی اور آخری سہ ماہی میں صرف پانچ فیصدی لوگوں کو دو وقت کھانا میسر ہوتا ہے۔ باقی زمیندار وڈاور سود پر قرضہ لا لا کر پیٹ پالتے ہیں۔ جب وہ بھی نہیں ملتا۔ تو میوہ جات جنگلی، توت وغیرہ پر گزارہ کرتے ہیں۔ اسکے بعد میدان اور جنگل کے گھاس بوس پر نوبت پونچتی ہے۔ اس پر بھی وفاداری اور امن پسندی کا یہ عالم کے کہ اس حالت میں بھی مالیہ سرکار مہیا کر کے ادا کرتے ہیں۔ اگر انکو کوئی حادثہ بھی پیش آجاتا ہے تو سرکاری طور پر انکی کوئی مدد نہیں کی جاتی۔ مثلاً سال ۱۹۲۹ء میں سیلاب نے زمینداران کا بڑا نقصان کیا محکمہ مال نے ایک سپیشل وزیر وزارات کے ذریعہ دیہہ وار فہرست ہائے نقصان باضابطہ مرتب کرائے اور ستم رسیدہ زمینداران کو وعدہ دیا گیا کہ رقبہ جات آمدہ زیر سیلاب کا مالیہ معاف کر دیا جائیگا۔ آج تک دو سال کا عرصہ گزر گیا کوئی معافی انکو نہیں ملی۔

محکمہ مال میں مسلمان ملازم آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔ زمینداران کا ان میں بھی خفیف حصہ ہے۔ چنانچہ تحصیل ہذا میں پانچ چھ زمیندار لڑکے کے عرصہ سے بطور امیدواری کام کر رہے ہیں۔ کوئی آنکو پوچھتا بھی نہیں۔ خصوصاً موضع ہندوارہ صدر مقام تحصیل کے معزز نمبردار کالڑ کا عبداللہ بانڈے ایک اچھا تعلیمیافتہ نوجوان ہے۔ موجودہ محرران تحصیل سے لیاقت اور محررانہ قابلیت میں ممتاز ہے اور وہ عارضی

سلسلوں میں اپنی قابلیت دکھا چکا ہے مگر اسکو ملازمت نہیں دی جاتی۔

اگر کوئی مسلمان تعلیم یافتہ سرکاری ملازمت کی خواہش کرتا ہے تو عرصہ تک اسکو مختلف محکمہ جات کی خاک چھاننی پڑتی ہے، خوش قسمتی سے اگر اسکو کہیں جگہ مل جاتی ہے۔ تو وہ بھی کسی خاص سفارش یا کسی مسلمان افسر کی مہربانی یا کافی سے زیادہ رشوت سے۔ ملازم ہوکر اسکو کبھی ترقی نہیں دی جاتی اگر وہ کوشش کرے تو سینیارٹی اور جونیارٹی کا سوال پیدا کیا جاتا ہے۔ اگر مسلمان سینیر ہوگا تو لیاقت و تجربہ کا مثلہ پیش ہوتا ہے۔ لیاقت کی سرٹفکیٹ افسر نگران کا خیال ہے۔ مگر ایک غیر مسلم افسر کبھی کسی مسلمان کی اعلےٰ قابلیت کا قایل نہیں ہوسکتا۔ اس طرح ایک مسلمان ملازم ترقی سے محروم رکھا جاتا ہے۔ ساتھ ہی مسلمان ملازم کے موقوف ہوجانیکی ہر وقت کوشش رہتی ہے۔ پس مسلمان ملازم اپنی بے بسی و بیکسی سے مجبور ہوکر اپنے افسران کو رشوتیں دیتا ہے۔ یا اپنے مذہب اور اپنے ضمیر کے خلاف کرتوں سے اپنے غیر مسلم افسر کو خوش رکھکر ایام زندگی بسر کرتا ہے۔ بعض غیر مسلم افسران اپنے کسی مسلمان ماتحت سے اپنے حق میں مفید پروپیگنڈا کرا کر مسلمانوں کی خوب لوٹتے ہیں۔ اگر اسکی مسلم کشی کے خلاف مسلم آواز بلند ہوجائے تو اس وقت وہ اپنے ماتحت مسلمان سے سپر کا کام لیتا ہے۔ اب اگر کوئی مسلمان اپنی قوم کا ہمدرد ہوگا تو اس پر بناوٹی اور فرضی مقدمات بنا کر اسکو تھوڑے عرصہ کے اندر نکال دیتے ہیں۔ چنانچہ اس قسم کی بین مثالیں میں اپنی سرگزشت میں پیش کرونگا۔

۹۶۵ اب میں چوہدری خوشی محمد صاحب سیٹلمنٹ آفیسر صاحب نے مجھ کو چھ روپے کا پٹواری بنا دیا تھا۔ آج ۲۳ سال کے بعد بارہ روپیہ کا پٹواری ہوں۔ گویا میں

نے بحالت مجموعی ۴ آنہ سالانہ ترقی پائی ہے ۶۵ء میں میرے ساتھ جو لوگ بحیثیت پٹواری کام کرتے تھے ان میں سے بطور نمونہ چند اشخاص کے نام پیش کرونگا جو کہ ابھی تک زندہ ہیں۔

(۱) پنڈت ویشنہ بٹ (۲) پنڈت گوبند بٹ (۳) پنڈت آنند رام (۴) پنڈت دینا ناتھ (۵) پنڈت مکند اران (۶) پنڈت گواشہ کول۔

ان میں سے نمبر ا آجکل وزارات بارہمولہ کا صدر محاسب ۳۰ روپے موہوار پر۔ اور نمبر ۲ لغایت ۴ ویلی کشمیر میں ۲۵ روپے ماہوار تک تنخواہ پانیوالے گرداور قانگویان ہیں۔ نمبر ۵، ۶ نائب تحصیلداران ہیں، اہل کاران مذکور کی عملی لیاقت کسی صورت میں بھی مجھ سے زیادہ نہیں ہے۔ بلکہ بلحاظ کارکردگی۔ تجربہ و محررانہ قابلیت کے میں ان سے بدرجہا بہتر ہوں۔ میں نے بھی ترقی کے لئے ہر وقت کوشش کی تھی مگر ایک گرداور قانگوئے سے سٹیلمینٹ آفیسر غیر تک مسلم تھے اس لئے مجھے کبھی ترقی نصیب نہ ہوئی۔

۱۹۷۵ اب میں جنگ یورپ پر کشمیر میں رنگروٹنگ بھرتی کا سوال پیش ہوا مگر کشمیر کے مسلمانوں نے کسی خاص وجہ پر بھرتی ہونے سے انکار کیا۔ پنڈت انت رام صاحب بی۔اے اسٹنٹ سٹیلمنٹ آفیسر کشمیر (موجودہ کمشنر صاحب بہادر جموں وکشمیر نے مجھے کہا کہ اگر تم کشمیری زبان میں کوئی ایسی نظم بناؤ گے جس سے یہ رکاوٹ دور ہو جائے تو ہم تمکو فوراً ترقی دینگے۔ میں نے کشمیری زبان میں ایک دلاویز نظم دیہاتی لے پر زمیندار نقطہ نگاہ سے تیار کر کے پیش کی۔ اسکی اشاعت کیلئے مجھے دیہات میں پھرنے کا حکم ہوا۔ مگر پنڈت صاحب نے فرمایا کہ سرکاری طور پر جانے سے ایک تو تمہاری نظم مقبول نہو گی اور تم آن ڈیوٹی تصور نہ ہوں گے۔ تمہاری کارگذاری کا تمہیں

کوئی صلہ نہیں ملیگا۔ پس میں ایک ماہ کی بلا تنخواہ رخصت لیکر پرائیوٹ طور پر دیہات میں پھرتا رہا اور نظم سنا کر زمینداروں کو بھرتی کا شوق دلاتا رہا۔ اس نظم میں گزشتہ حکومتوں کے تظلمات انگریزی راج اور ڈوگرہ حکومت کے برکات بیان کر کے جنگ میں بہادری دکھانیکے فوائد بتلائے گئے تھے۔ تھوڑے عرصہ کے اندر وہ نظم کشمیر کے زمینداروں میں پھیل گئی اور بچہ بچہ کے زبان زد ہوئی۔ پنڈت نرنجن لعل صاحب فارسٹ اسٹنٹ سٹیلمنٹ آفیسر (موجودہ وزیر وزارت لداخ) نے اس نظم کا انگریزی ترجمہ مسٹر اے۔ ایم سٹو صاحب کمشنر بندوبست بہادر کے پیش کیا اور وہ بہت خوش ہوئے۔ آخر کشمیری مسلمان ہزاروں کی تعداد میں بھرتی ہوئے۔ رخصت گزار کر جب میں اپنی ڈیوٹی پر حاضر ہوا۔ تو میں نے ترقی کے لئے درخواست کی جواب ملا کہ تم اپنے ساتھ رنگروٹوں کی کوئی جماعت بھرتی کیلئے نہیں لائے۔ اس بات کا کیا تم چند آدمیوں کو پیش کرو جو کہ یہ کہکر بھرتی پر آمادہ ہوں کہ ہمکو اس شخص کی نظم نے متاثر کر دیا ہے چنانچہ میں نے تین آدمی پنڈت صاحب کے پیش کئے جو کہ بذریعہ مہتہ کرپا رام صاحب تحصیلدار بندوبست تحصیل خاص و خواجہ سلام شاہ صاحب، مہتہ کرپا رام صاحب خواجہ سلام شاہ صاحب کے سرٹفیکٹ ہائے میرے پاس موجود ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ مجھے کسی نے مستقل پٹواری بھی نہیں بنایا۔ ترقی سے مایوس ہو کر اب میں صرف مستقل پٹوری کی کوشش میں مصروف تھا۔ مگر عرصہ تک میری یہ آرزو بھی پوری نہ ہوئی۔ آخر جب سال ۸۰ ب میں آغا سید حسن صاحب سٹیلمنٹ آفیسر مقرر ہوئے تو میں نے انکے پاس جا کر اپنی حق تلفی کا رونا رویا۔ صاحب ممدوح نے مجھے درخواست دینے کا حکم دیا۔ مگر چونکہ مجھ سے رشوت مانگی۔ نتیجہ سوائے میری ناکامی کے اور کچھ نہ نکلا انہی ایام

میں معلوم ہوا کہ شیخ عبدالقیوم صاحب بی۔اے۔ایل۔بی (موجودہ جج ہائی کورٹ کشمیر) فارن سیکرٹری مقرر ہوئے ہیں۔میں انکے بنگلہ پر حاضر ہوا اور ایک اردو کتاب اپنی تصنیف کی اپنی محررانہ قابلیت کے ثبوت میں پیش کر کے اور اپنی حالت زار عرض کر کے ان سے امداد کا طالب ہوا شیخ صاحب میری حق تلفی سے متاسف و متاثر ہو کر بہ نفسِ نفیس دو اسپہ فٹن پر آغا صاحب کے پاس دو دفعہ تشریف لے گئے۔آغا صاحب نے مجھے خاص طور پر اپنی جگہ فرمایا کہ میں تمہاری قابلیت کا معترف ہوں۔مگر میں غیر مسلموں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنا ہوا ہوں۔اگر تمہیں ترقی دونگا تو یہ مجھے اذیت پہنچائیں گے اور تمکو بھی خراب کریں گے۔البتہ اگر تم مستقل پٹوار چاہتے ہو تو میں تمکو درجہ سیوم کا پٹواری بنا دونگا۔اسوقت میری تنخواہ ص ۱۵ /الاونس ۱۲/ ۷ کل ۲۳ تھی۔آغا صاحب نے مجھے ۱۲ روپیہ اصل للحہ الاونس کل ۱۲ روپیہ کا پٹواری بنا دیا۔گویا ۱۲ کا تنزل برداشت کر کے مجھے پٹوار کا عہدہ مستقل پندرہ سال کے بعد ملا۔آغا صاحب نے اپنے فیصلہ میں میرے دیرینہ سروس اور میری علمی قابلیت ولیاقت کا پرزور اعتراف کیا۔تاکہ غیر مسلم حضرات انکو اس خاص مسلم نوازی و قوم پروری کے لئے مہتم نہ کریں۔چنانچہ اس فیصلہ کی کاپی میرے پاس موجود ہے۔

محکمہ مال میں آکر تحصیل سری پرتاب سنگھ پورہ میں۔میں نے خاموش زندگی گزارنی شروع کی۔آئندہ ترقی سے مایوس ہو کر میں نے اپنا پرائیوٹ وقت شعر و شاعری اور تصنیف و تالیف پر لگا دیا۔تاریخ تصوف، اخلاق۔غزلیات کے مضمونوں پر کشمیری اردو زبانوں میں چھوٹے چھوٹے رسالہ جات بنا کر شائع کراتا رہا۔اس شغل سے میری مالی کمزوریاں بھی کسی حد تک دور ہوا کرتی تھیں۔سال ۸۵ء میں نے اپنی

تصنیف کی ہوئی چھوٹی سی ایک تاریخی اردو کتاب اپنے افسر مقامی پنڈت روگھناتھ متوصاحب تحصیلدار کو پیش کی اس کتاب کے دیباچہ میں میں نے ضمناً کشمیری مسلمانوں کی گزشتہ برتری اور جوموودہ پستی کا مختصر الفاظ میں نقشہ کھینچا تھا۔ پنڈت صاحب نے دیباچہ کو بغور پڑھا اور خاص انداز سے دیکھا۔ اس واقع کے چند ہی یوم بعد میرے حلقہ کے چند زمینداران خصوصیت کے ساتھ تحصیل پر بلائے گئے۔ انکی واپسی پر مجھے معلوم ہوا کہ میرے خلاف تحصیل میں ایک گمنام درخواست پہنچی ہے کہ پٹواری زمینداروں پر ظلم کرتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ، مگر زمینداران نے درخواست دینے سے انکار کیا اور مضمون درخواست کی پرزور تردید کی۔

انہی دنوں میں سیلاب عظیم آیا۔ دریائے جہلم کی طغیانی نے متصلہ دیہات میں کافی نقصان کیا۔ پنڈت بلہ کاک صاحب سپیشل وزیر وزارت نے مجھے خاص طور پر سرینگر منگایا۔ حالانکہ کہ میرا حلقہ پٹوار دریائے جہلم کے کنارے سے ۲۱ میل دور تھا۔ مجھے حکم دیا گیا کہ سرینگر سے پانپور تک ۱۵ میل ستھو کی پیمائش دو یوم کے اندر اندر کر کے بشرع ذیل نقشہ بنا کر پیش کرو۔ جدید ستھو اور سابقہ ستھو کا طول۔ ایک ایک جریب کے بعد دونوں ستھوں کا جدا جدا عرض اور بلندی۔ وہ مقامات جہاں سیلاب نے سابقہ ستھو کو کاٹا ہے۔ تھوڑے فیصلہ پر دریا کا لیول۔ سیلاب کا پانی۔ بہار کا رسمی پانی۔ موجودہ پانی۔ جدید ستھو کی بلندی سیلاب کے پانی سے۔ اس کام کے لئے مجھے کوئی سرکاری امداد نہیں ملی۔ تحریری حکم ملا کہ اگر دو یوم کے اندر اندر یہ کام ختم کر کے نہ دوگے تو بلا اخذ جواب معطل کئے جاؤ گے چنانچہ وہ اصل حکم میرے پاس موجود ہے۔ بہر حال میں نے اپنی جان جوکھوں میں ڈالکر وقت پر حسب ہدایت نقشہ مکمل

کر کے دیدیا۔ بعد اسکے دس کا پیان رنگ بستہ مجھے دستی بنانی پڑیں۔اس واقع کے دو تین ماہ کے بعد اچانک تحصیل سے ایک حکم میرے پاس پہنچا کہ فوراً اپنا چارج دوسرے پٹواری کو دیکر سٹیلمنٹ آفیسر صاحب بہادر ضلع مظفر آباد کے پاس حاضر ہو جاؤ۔ جب میں چارج دیکر تحصیل میں پہنچا اور میں نے تحصیل دار صاحب سے وجہ تبدیلی دریافت کی تو انہوں نے افسوس کرتے ہوئے حیرانی اور لاعلمی کا اظہار کیا۔ یہاں پر یہ عرض کرنا غیر موزوں نہ ہوگا کہ بوجہ غیر پنیشنل پوسٹ ہونیکے ویلی کشمیر کے پٹواریان قانوناً فرانیٹر یا پہاڑ تبدیل نہیں کئے جاسکتے ہیں۔صرف کسی سخت جرم کی پاداش میں بطور سزا آ ویلی میں بھی تبدیلی پٹواریان کا کوئی قاعدہ مقرر نہیں ہے اگر کوئی پٹواری تبدیل بھی کیا جاتا ہے تو کسی خاص مصلحت کے تحت۔ ورنہ اسوقت بھی دس دس پندرہ پندرہ سال سے بعض پٹواریان ایک ہی جگہ مقیم ہیں۔کوئی انکو تبدیل نہیں کرتا۔آخر میں نے گورنر صاحب بہادر کے اجلاس میں درخواست دی کی مجھے اس حکم کی نقل عنایت فرمائی جائے۔جسکی رو سے مجھے تبدیل کیا جاتا ہے۔وہاں جواب ملا کہ یہ کانفنڈنشل معاملہ ہے۔اسکی نقل نہیں مل سکتی ہے۔چونکہ بعض خاص مجبوریوں کی وجہ سے پہاڑ جانیکے قابل نہ تھا اسلئے میں نے کوشش شروع کی کہ کس طرح میری تبدیلی ملتوی ہو جائے۔معلوم ہوا کہ بدرالدین ٹیلر ماسٹر بازار امیر کدل پنڈت راچند صاحب دوبے گورنر کشمیر کا درزی اور خاص معتبر بلکہ دلال ہے۔ میں نے بدرالدین کو اپنی مجبوری سے آگاہ کیا۔کافی بحث ومباحثہ کے بعد ایکسودس روپیہ پر فیصلہ ہوا۔ چنانچہ میں نے بذریعہ خواجہ رحمان جو آخون ٹیلر ماسٹر کوٹھی باغ بدرالدین درزی کو ایکسو روپیہ گورنر صاحب بہادر کے لئے اور دس روپیہ انکے ریڈر پنڈت آنند کول صاحب کیلئے

دیئے اور اسکے ساتھ ایک درخواست اس مضمون کی لکھکر کہ ''سردست میرا تبادلہ پہاڑ ملتوی فرمایا جاوے اور جس شکایت پر میری تبدیلی ہوئی ہے اسکی باضابطہ تحقیقات کے بعد شرط ثبوت میں ہر ایک سنگین سزا برداشت کرنے کیلیئے تیار ہوں'' بدرالدین کے ہمراہ میں بھی گورنر صاحب بہادر کے بنگلہ پر گیا اور بدرالدین دیر تک انکے ساتھ تنہائی میں باتیں کرتا رہا۔ بعد میں مجھے بدرالدین نے اطمینان دلایا کہ دو یوم تک تمہارا کام حسب مدعا ہو جائیگا۔ اس زمانے میں میرا جائننگ ٹائم ختم ہوا اور مجھے مجبوراً سیٹلمنٹ آفیسر صاحب بہادر ضلع مظفر آباد کے پاس حاضر ہونا پڑا۔ صاحب موصوف نے مجھے تحصیل کرناہ میں تعینات فرمایا اور میں بعد حاضری چند ایام کی رخصت حاصل کر کے سرینگر آیا اور گورنر صاحب بہادر اور بدرالدین درزی کے دنبال رہا۔ ایک دن مجھے خود گورنر صاحب بہادر کے روبرو پرائیویٹ طور پر جانیکا موقع ملا۔ انہوں نے فرمایا کہ تم ایک مصنف شاعر اور مسلم قوم کے ریفامر ہو۔ تمہیں نوکری کرنیکی کیا ضرورت ہے میں نے پنڈت راوگناتھ مٹو تحصیلدار کے پاس تمہاری ایک کتاب دیکھی ہے'' بعد میں میری عجز وزاری پر فرمایا کہ ''تمہارے معاملہ میں غور کر رہا ہوں تمکو جلدی ویلی میں واپس لاؤنگا'' اسی دوران میں خلاف توقع اور اچانک پنڈت رامچند صاحب موصوف ریٹائر گئے۔ میں نے بدرالدین سے کہا کہ چونکہ گورنر صاحب میرا کام نامکمل چھوڑ کر چلے گئے اس لئے میری دی ہوئی رقم مجھے واپس دیدو۔ اسنے کہا کہ ''گورنر صاحب کا کاغذات میں نوٹ رکھا ہے تمکو عنقریب ویلی میں واپس تبدیل کرینگے'' جواب تسلی بخش نہ تھا۔ اسلیئے میں نے رائے زادہ دلارام صاحب تحصیلدار شہر خاص کو تمام ماجرا سنایا۔ وہ مجھے بخشی گوکل چند صاحب سکریٹری گورنر صاحب بہادر کے پاس لے چلے۔

دونوں صاحبان نے بذریعہ لعل خان چپراسی بدرالدین کو اپنے سامنے بلایا اور اسکو کہا کہ اسکو اپنی رقم واپس دلاؤ۔ کیونکہ اسکا کام نہیں ہوا ہے۔ مگر بدرالدین بدستور پس و پیش کرتا رہا۔ پھر رائے زادہ دلارام صاحب نے کچھ دن کے بعد یہ واقع پنڈت دینا ناتھ صاحب وزیر بارہمولہ کو سنایا۔ انہوں نے بھی بدرالدین سے دریافت کیا۔ مگر وہ رقم لینے سے انکاری ہوا۔ وزیر صاحب نے مجھ سے شہادت طلب کی۔ اس پر میں نے خواجہ رحمان جو ٹیلر ماسٹر کو پیش کیا۔ اسوقت وزیر صاحب دیوان امرناتھ صاحب کے مکان میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ وزیر صاحب نے شام کے وقت بدرالدین درزی کو بلایا اور بالمواجع گفتگو ہوئی۔ بدرالدین کو آخر رقم ماننی پڑی۔ اور کہا ''رقم تو گورنر صاحب کھا گئے ہیں اب میں اپنی گرہ سے دیدونگا۔ اس سے چند یوم پیشتر قادر جو چوہدری بازار میراکدل نے ایک سادہ درخواست کرنیل جنگ سنگھ صاحب مشیر مال کو بذریعہ ڈاک بھیجدی تھی۔ کہ ایک غریب پٹواری سے گورنر صاحب بہادر نے اس قدر رقم بطور رشوت لی ہے۔ تحقیقات فرمائی جائے مگر مشیر مال صاحب نے اس درخواست کوردی کی ٹوکری میں پھینکدیا اس دوران میں پنڈت دینا ناتھ صاحب وزیر وزارت بارہمولہ ان کا غذات کی خفیہ طور تحقیقات کر رہے تھے۔ جنکی رو سے قبل از وقت مجھ پہاڑ تبدیل کیا گیا۔ جب میں پہلی دفعہ وزیر صاحب موصوف سے ملا اور ان کو اپنا حال سنایا تو انہوں نے کہا کہ میں آجکل قصبہ سوپور کی تعمیر میں مصروف ہوں۔ مسلمانان سوپور نے میرے خلاف حکام کے پاس شکایتیں کی ہیں اور مسلم اخبارات میں میرے برخلاف مضامین دیئے جاتے ہیں۔ اور میری بدنامی دور دور تک پہنچی ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم ایک مصنف اور فن تحریر میں قابلیت رکھتے ہو۔ چنانچہ میں نے تمہاری ایک

کتاب پنڈت روگناتھ مٹو صاحب کے پاس دیکھی ہے جسمیں تم اپنی قوم کو راہ راست پر لانیکی کوشش کرتے ہو۔ اگر تم اپنے زور قلم سے اخبارات میں مضامین دیکر میرے حق میں مفید پروپگینڈا کراؤ گے تو میں تمہاری مدد کراونگا۔ اسکے بعد وزیر صاحب نے مجھے چند واقعات واعداد کا نوٹ کرادیا اور میں نے اس پر ایک مضمون کی دو کاپیاں مختلف الفاظ وعبارت اور جداگانہ انداز بیان سے تحریر کیں۔ ہر دو مضامین کو اخبار کشمیری لاہور نے ۲۱ / ۲۸ جون ۲۹ء کے پرچہ میں اور اخبار عام لاہور نے ۲۹ جون ۲۹ء پرچہ میں شائع کیا۔ دونوں مضامین شایع شدہ میرے پاس موجود ہیں۔ کچھ عرصہ کے بعد للہ ملک راج صاحب صراف بی۔ اے ایڈیٹر اخبار ''رنبیر'' جموں کشمیر آئے۔ وزیر صاحب نے انکے ساتھ میرا تعارف کرایا۔ وزیر صاحب نے سرکاری ریکارڈ سے اعداد وشمار دیکر اور حالت و واقعات نوٹ کرا کر تعمیر قصبہ سوپور پر ایک مضمون لکھنے کا حکم دیا۔ میں نے ایک لمبا مضمون بنا کر ''اونکار برادرز'' بازار امیرا کدل کی دکان پر دہ مضمون ایڈیٹر صاحب ''رنبیر صاحب'' کو دیا۔ جو کہ ۱۳ اسوج ۸۶ء کے رنبیر میں شائع ہوا۔ جسکی چھاپ شدہ کاپی میرے پاس موجود ہے۔ ایڈیٹر صاحب نے مضمون سوپور سے خوش ہوکر اخبار ''رنبیر'' میرے نام پر مفت جاری کردیا۔ جو کہ اخیر تک جاری رہا۔ اس سلسلہ میں جس قدر مضامین مجھ سے لکھا کر شائع کرائے گئے۔ ان میں پنڈت دیناناتھ صاحب وزیر بار ہمولہ کی بے انتہا تعریفیں اور مسلمانوں کی مذمت درج ہے۔
اس مرحلہ پر پہنچکر میرا دماغ اس نتیجہ پر پہنچا کہ جس کتاب کے دیباچہ میں میں نے کشمیری مسلمانوں کی زبون حالی کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ سب سختیاں مجھے اس مضمون کی عوض برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ اس سے پہلے میں عرض کرچکا ہوں کہ میں ضلع مظفر

آباد سے چند یوم کی رخصت لیکر آیا تھا۔ یہاں پہنچکر مجھے اپنی رخصت میں توسیع کرنی پڑی مجھے افسران ہر وقت یہ کہتے تھے کہ چند یوم کے اندر اندر تمہارا فیصلہ ہو جائیگا۔ اس لئے میں نے دو ہفتہ یا ایک ماہ سے زیادہ عرصہ کیلئے کبھی درخواست نہیں بھیجی۔ گو میری رخصت بلا تنخواہ ہوا کرتی تھی مگر سٹیلمینٹ آفیسر صاحب کا خاص حکم تھا کہ ہر ایک درخواست کے ساتھ ایک ایک ڈاکٹری سارٹفیکیٹ لایا کرو۔ ورنہ ملازمت سے موقوف کئے جاؤ گے۔ مجبوراً آٹھ ماہ کے عرصہ میں پنڈت نیلہ کنٹھ صاحب انچارج صدر ہسپتال سرینگر سے بے شمار سرٹیفکیٹیں بادائی فیس شرح دس روپیہ فی سرٹفیکیٹ حاصل کرنی پڑیں۔ خدا خدا کر کے پنڈت دینا ناتھ صاحب نے میرے کاغذات اپنی رپورٹ کے ساتھ گورنر صاحب کے پاس بھیجد یئے۔ کچھ عرصہ کی خاموشی کے بعد رائے زادہ ترلوک چند صاحب گورنر کشمیر نے ان کاغذات پر آخری فیصلہ صادر فرمایا فیصلہ کے آخری الفاظ یہ ہیں ''وزیر صاحب کی رپورٹ مکمل ہے جو کہ پٹواری کو تمام الزامات سے بری کر دیتی ہے۔ میں انکی تحقیقات کے ساتھ متفق ہوں۔ چونکہ پٹواری کے خلاف کوئی معقول شکایت ثابت نہیں ہے۔ اسواسطے اسکو ویلی میں دوبارہ تبدیل کرتا ہوں''

یہ فیصلہ تو گورنر صاحب نے ظاہر طور پر صادر فرمایا جسکا عملدرآمد بھی جلدی ہوا۔ مگر مخفی طور پر حکم صاحب موصوف نے جاری فرمایا اسکا نتیجہ دو سال کے بعد نکلا۔ بہر حال کامل آٹھ ماہ کی پریشانی کے بعد میری تبدیلی تحصیل ہندواڑہ میں ہوئی۔ مگر میرے دل میں اس بات کا سخت افسوس رہا کہ آیا میرے برخلاف کیا شکایت تھی اور کس جرم کے پاداش میں میرے ساتھ اسقدر سختی کا سلوک ہوا۔ اسلئے ہندواڑہ

جانے سے پہلے میں نے اصل مثل دیکھنے کی کوشش کی آخر گورنر صاحب کے کانفنڈنشل کلرک کودس روپیہ نقد اور ایک لوئی دیکر اس بات پر راضی کیا کہ وہ پرائیوٹ طور پر ایک دوگھنٹہ کے لئے مِثل دکھائے پس میں نے مِثل کو دیکھا۔اور ضروری باتوں کی نقل لی۔مختصر واقعات مِثل یہ ہیں۔ کہ کسی ''محبوب شاہ'' نامی شخص نے صاحب انسپکٹر جنرل پولیس کو ایک سادہ درخواست بدیں مضمون بھیجدیا ہے کہ یہ پٹواری (راقم) پہلے منشی غلام محمد کے نام سے اننت ناگ میں پٹواری تھا۔کس جرم میں موقوف اور سزایاب ہوا۔پھر غلام احمد نام رکھ کر دوبارہ پٹوار حاصل کیا ہے۔یہ پٹواری پنجاب کے لیڈران کے ساتھ خط وکتابت رکھتا ہے ۔اور کشمیر میں گاندھی تحریک پھیلاتا ہے۔اس درخواست کے ساتھ کے کاغذ کا ایک ورقہ شامل ہے۔جس پر حسب ذیل عبارت درج ہے۔

''مورخہ ۶ مئی ۲۸ء جناب قبلہ گاہ صاحب ۔جناب حاجی لارڈ فاروق دوتین دن سے سرینگر آیا ہے۔لہذا آپکو اطلاع رہے۔کیونکہ سنا گیا ان کو جلدی واپس جانا ہے محمد امین''

اس پر محکمہ پولیس کو کانفڈنشل طور پر تحقیقات کرنے کا حکم ملا۔۲ کتک ۸۸ حسب ذیل رپورٹ کی کہ:۔

(۱) یہ پٹواری اخبارات ذیل کشمیری لاہور۔اخبار کشمیر امرتسر۔اخبار عام لاہور۔رسالہ قوس قنزہ منگواتا ہے۔بعض اوقات زمینداران کو بھی مضمون اخبارات سناتا ہے۔

(۲) یہ پٹواری اچھا تعلیم یافتہ اردو فارسی کا ہے۔انگریزی خواندہ نہیں۔

شاعر بھی رعایا کے ساتھ اسکے تعلقات بہت اچھے ہیں۔ جنٹلمین ہے۔ دیگر پٹواریوں کی طرح نکما نہیں ہے۔

(۳) اس پٹواری کا لڑکا سرینگر میں تعلیم پاتا ہے۔ جس نے اسکو لکھا تھا کہ کوئی یورپین صاحب آیا ہے فوراً سرینگر آجاؤ۔

(۴) سنا گیا یہ پٹواری اخبارات میں مضمون دیتا ہے۔

(۵) سنا گیا کہ اس پٹواری کو محمد الدین فوق ایڈیٹر اخبار کشمیری لاہور کے ساتھ خط وکتابت ہے۔

سب انسپکٹر پولیس کی اس ذاتی رائے کے ساتھ جملہ افسران پولیس وسی۔ آئی۔ ڈی نے اتفاق کیا اور کاغذات جنرل انسپکٹر صاحب بہادر پولیس کے پیش کئے گئے۔ تمام کاروائی ایک کانسٹبل سے لیکر جنرل انسپکٹر تک غیر مسلموں کے ہاتھ سے ہوئی۔ کسی ایک الزام کے تائید میں کوئی ثبوت بہم نہیں پہنچایا گیا اور نا ہی ''محبوب شاہ'' اصلی درخواست دہندہ کی شخصیت کا کوئی سوال پیدا ہوا۔ جنرل انسپکٹر صاحب نے مجھے گورنمنٹ کشمیر کے لئے ایک خطرناک ہستی تصور کرتے ہوئے ایک ڈی۔ او کے ذریعہ مشیر مال صاحب بہادر کے جذبات اس قدر برانگیختہ کئے کہ انہوں نے قبل از تحقیقات میرے کشمیر سے نکالدیئے جانے کے واسطے گورنر صاحب بہادر کو ایک ضروری حکم بھیجا۔ آخر جب وزیر وزارت صاحب بارہمولہ نے کانفنڈنشل تحقیقات کی تو انہوں نے بھی معنی خیز وجہ کے باعث ابتدائی درخواست دہندہ محبوب شاہ کی شخصیت پر روشنی نہیں ڈالی۔ حالانکہ اس نام کا کوئی شخص اس حلقہ میں موجود نہیں تھا جب کاغذات وزیر صاحب نے گورنر صاحب بہادر کے پاس بھیجدیئے تو صاحب موصوف

نے جنرل انسپکٹر صاحب بہادر سے دریافت کیا کہ علید شاہ الزامات پٹواری پر عاید نہیں ہو گئے۔ اسکے علاوہ کوئی ریکارڈ راس کی مجرمیت کے ثبوت میں اگر آپکے پاس موجود ہے تو اس سے مطلع فرمادیں۔ جنرل انسپکٹر صاحب بہادر جواباً مورخہ ۶ ستمبر ۲۹ زیر نمبر ۵۸۲/ ۱۳۸ تحریر فرماتے ہیں کہ اس سے زیادہ اس پٹواری کے محبرمیت کا کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ اسکو محمد الدین فوق ایڈیٹر اخبار کشمیری لاہور کے ساتھ خط وکتابت ہے۔ باوجودیکہ مثل میں اس خط وکتابت کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے۔

اب میں قریباً دو سال سے تحصیل ہندوارہ میں کام کررہا ہوں۔ گزشتہ آٹھ ماہ کی بیکاری کا قرضہ تقریباً تین سو روپیہ میرے ذمہ واجبُ الادا ہے۔ بہت سا بڑا صدمہ مجھے یہ پہنچا کہ ۱۹۸۶ آپ میں میرا لڑکا مڈل میں پڑھتا تھا۔ میری پریشانی اور مالی کمزوری نے اسکو تعلیم سے باز رکھا۔

سال گذشتہ میں، میں نے ایک درخواست بغرض اندراج نام بزم مرہ امیدواران عرایض نویسی وعطائی اجازت شمولیت امتحان بہ پابندی قواعد بوساطت محکمہ مال گذارش کی تھی تحصیل اور وزارت کی پُرزور سفارش کے ساتھ جب کاغذات گورنر صاحب بہادر کے پیش ہوئے تو انہوں نے کاغذات بدیں حکم واپس فرمائے کہ ''محکمانہ سفارش نہیں کیجا سکتی ہے۔ سایل براہ راست محکمہ متعلقہ میں درخواست پیش کرے۔

سال رواں کے آغاز بہار میں سری مہاراجہ صاحب بہادر کی ولایت سے مع الخیر واپسی تشریف آوری پر سرینگر میں ٹی پارٹی دینے کی تاریاں ہوئیں پہلے تمام کشمیریوں کی مشترکہ ٹی پارٹی کمیٹی کے پریذیڈنٹ پنڈت بلہ کاک صاحب

درروزیروزارت بارہمولہ نامزد ہوئے بعد میں مسلمانوں کی ینگ پارٹی نے پنڈت صاحب کی صدارت سے انکار کر کے اپنا علیحدہ انتظام کرنا شروع کیا۔ سری سرکار والا مدار جو کہ فرقہ دارانہ کاروائیوں کو ناپسند فرماتے ہیں۔ انہوں نے جداگانہ ٹی پارٹیاں منظور نہ فرمائی پنڈت صاحب کو اس بات کا سخت رنج ہوا کہ مسلمانوں نے ان کے رئیس اعظم کو توہین کی۔ رفتہ رفتہ یہ رنج بڑھتا گیا۔ میں چونکہ فطرتاً ہندو مسلم اتحاد کا قابل ہوں میں نے اس تفرقہ کو تمام کشمیریوں کے لئے خطرناک تصور کر کے کشمیر کے ہندو مسلم اتحاد پر ایک کتاب بنام "آینہ اتحاد کشمیر" لکھنی شروع کی۔ اس کتاب میں کشمیر کے ہندو مسلمان کے قومی اتحاد کی پانسو ۵۰۰ سالہ تاریخ پر منصفانہ تنقید و تبصرہ کے بعد اس کے مکمل وجوہات مسلمہ فواید اور موجودہ عہد کے وجوہات افتراق اور اسکے دونوں پہلوں کے نتائج پر بحث کر کے کشمیریوں کو اتحاد باہمی کی پرزور تعلیم دی گئی۔ یہ کتاب خاتمہ کے قریب تھی کہ سرینگر میں ۱۳ر جولائی ۳۱ کا افسوس ناک واقع پیش آیا۔ ۱۷ر جولائی کو اس کتاب کا خلاصہ مع مختصر فواید اتحاد ایک اشتہار کی صورت میں پریس میں بھیجدیا گیا اور اخبارات ذیل میں شایع ہوا۔ اخبار کشمیری لاہور ۲۱ر جولائی۔ اخبار کشمیر امرتسر ۲۱ر جولائی۔ اخبار عام لاہور ۵ ارگست۔ اخبار الاہور ۲۲ر اگست سب سے پہلے یہ اشتہار ۲۱ر جولائی کو اخبارات میں شائع ہوا۔ ۳ر اگست کو پنڈت بلہ کاک صاحب بہادر وزیر وزارت باہمولہ نے مجھے معطل کر دیا۔ اور چارج دیکر مجھے وزارت کے ہیڈ آفس میں بمقام بارہمولہ حاضر ہو جانے کا حکم ہوا۔ اس تاریخ تک شمالی کشمیر کے قصبہ جات بارہمولہ پر، ہندوارہ یا دیہات میں سرینگر کے ایجی ٹیٹر کا کوئی اثر نہیں پہنچا تھا۔ نہ ان مقامات میں کبھی ہڑتال ہوئی تھی اور نہ سرینگر کا کوئی ریجی ٹیسٹر یہاں آیا

تھا۔ بعد میں نہ ہی اس طرف کا کوئی آدمی سرینگر جانے کی جرات کرتا تھا۔ آخر جب میں بارہمولہ پہنچا تو مجھے آٹھ یوم تک حاضر وزارت رہنا پڑا مجھ سے کوئی جواب نہیں لیا گیا۔ میں نے کئی درخواستیں دیں کہ میں یہاں پریشان ہوں مجھے بتانا چاہیے کہ میں کس جرم کی پاداش میں معطل ہوا ہوں۔ مگر درخواستوں پر صرف یہ حکم دیا جاتا تھا کہ سایل حاضر رہے۔ اس اثنا میں مجھے معلوم ہوا کہ میرے خلاف جو شکایت ہوئی ہے اس میں مرزا غلام قادر بیگ انسپکٹر زمیندار بنک ہندوارہ اور ماسٹر غلام نبی ہیڈ ماسٹر سکول ہندوارہ کا تذکرہ بھی ہے اور عنقریب وہ بھی زیر عتاب آنے والے ہیں۔ بعض پنڈت اہلکاران نے مجھ سے کہا۔ کہ وزیر صاحب کا خیال ہے کہ پٹواری بے قصور معلوم ہوتا ہے۔ اسکو بحال کر دینگے۔ بشرطیکہ وہ مرزا غلام قادر اور سکول ماسٹر کے خلاف شہادت دے۔ میں نے جھوٹی شہادت دینے سے انکار کیا۔ آٹھ یوم کے بعد میری درخواست پر مجھے وزیر صاحب نے بلایا، ان کے کلام سے بھی اشارتاً وکنایتہً اوپر کا خیال مترشح ہوا۔ میرے انکار پر مجھے ہندوارہ جاکر تحصیلدار صاحب کے پاس جواب دینے کا حکم ہوا۔ چونکہ مجھے مکمل آٹھ یوم بارہمولہ ٹھہرنے کا موقعہ ملا۔ مسلمانوں کے تعلیم یافتہ طبقہ نے کتاب ''آینہ اتحاد کشمیر'' کے اشتہار مطبوعہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے میری معطّلی کی خبر کو حیرت واستعجاب سے سنا۔ میں نے محسوس کیا۔ کہ قصبہ کی تمام مسلم آبادی میں اس واقعہ سے ایک خاص قسم کی سنسنی پھیل گئی۔ بازاروں اور گھروں میں اس بات کا چرچا ہونے لگا۔ میرے بارہمولہ پہنچنے سے چند یوم پیشتر قصبہ بارہ مولہ میں زیر صدارت تحصیلدار صاحب ذیلداران وسفید پوشان ونمبرداران کا ایک جلسہ منعقد ہوا تھا۔ ان کو کہا گیا تھا کہ وہ ایک ریزولیشن بہ اتفاق اس مضمون کا پاس کریں کہ ہمکو مسلم

نمایندہ گان سرینگر کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ جو کچھ کررہے ہیں اپنے ذاتی مفاد کے لئے کررہے ہیں۔ حاضرین میں سے ایک سفید پوش مسلمان قاضی عبدالغنی شاہ ساکن دہلنہ نے کھڑے ہوکر کہا۔ کہ ہمکو سرینگر کے مسلمانوں کے جایز مطالبات سے پورا پورا اتفاق ہے۔ اس پر پولیس نے زیر دفعہ ۱۰۷ قاضی عبدالغنی کا چالان عدالت منصفی میں کردیا۔ ۱۰ر اگست کو یہ مقدمہ میری موجودگی میں بارہمولہ میں پیش ہوا۔ حاضرین گواہان استغاثہ کا انتظام وزیر صاحب نے اپنے ہاتھ میں لیا تھا۔ چنانچہ وزیر صاحب نے بعجلت غیر حاضری نمبردار موضع دہلنہ کو اسی دن معطل کیا۔ اور ایک ذیلدار کے خلاف روبکار قایم کی۔ ان واقعات نے تمام مسلمانان قصبہ و دیہات میں غم و غصہ کی ایک لہر دوڑادی۔ ۱۳ر اگست کو میں بارہمولہ سے روانہ ہندوارہ ہوا تو قصبہ بارہمولہ کی مسلم آبادی کو "کشمیر ڈے" منانے پر تیار دیکھا۔ حالانکہ سرینگر کی گزشتہ مسلسل ہڑتالوں پر قصبہ بارہمولہ نے ایک دن بھی ہڑتال نہیں منائی تھی۔ آج وہ مکمل ہڑتال پر تیار تھے۔ جب میں بارہمولہ سے سوپور آیا۔ تو وہاں بھی اس بات کا چرچا تھا۔ شام کو میں ہندوارہ پہنچا تو یہ دیکھکر مجھے حیرانی ہوئی کہ مسلمانان ہندوارہ کو میرے ساتھ غیر معمولی ہمدردی پیدا ہوگئی ہے۔ یہاں بھی کشمیر ڈے منانے کی تیاریاں اعلےٰ پیمانہ پر ہورہی تھیں۔ دوسرے دن مکمل ہڑتال ہوئی۔ ہندوارہ اور دیگر دیہات کے مسلمان ہزاروں کی تعداد میں جامع ہندوارہ میں جمع ہونے لگے۔ حکام نے بذریعہ ذیلداران لوگوں کو مسجد میں جمع ہونے سے روکا۔ جب اس طرح پوری پوری کامیابی نہ ہوئی۔ تو پولیس اور ملٹری کی نمایش کی گئی۔ اس سے مسلمانوں میں زیادہ بے چینی پھیل گئی۔ اسکے بعد ہر سہ مقامات بارہمولہ سوپورہ۔ ہندوارہ کے مسلمانوں نے بعض غیر

مسلم اہلکاران کے اشتعال انگیز حرکات سے برگشتہ ہوکر مسلم نمایندگان سرینگر کے ساتھ رابطہ واتحاد پیدا کرنا شروع کیا۔ دونوں جانب سے رسل ورسایل اور آمد ورفت کا سلسلہ شروع ہوا۔ آخر نمایندگان سرینگر کی ہدایت ہر جگہ لوکل نمایدے منتخب ومقرر ہوئے۔ بارہمولہ سے واپس آکر جب میں جواب دہی کیلئے حاضر ہوا! تو حسب ذیل سوالات کے جوابات دیئے گئے۔

(س ۱) کیا آپکو سرینگر کی موجودہ شورش کے ساتھ کوئی تعلق ہے؟ (ج) بالکل نہیں!

(س ۲) کیا سکول ماسٹر ہندوارہ اور انسپکٹر بنک ہندوارہ آپکے ڈیرہ پر اس قسم کے خیالات کا تبادلہ کرتے تھے؟ (ج) بالکل نہیں

(س ۳) کیا آپ نے کسی افسر کے پاس یہ ظاہر کیا ہے کہ مسلمانوں کو بیگناہ گولیوں کا نشانہ بنایا گیا ہے (ج) بالکل نہیں!

(س ۴) کیا آپ نے کسی افسر کے پاس سرینگر کے بلوائیوں کی ہمدردی کا اظہار کیا ہے؟ (ج) بالکل نہیں!

(س ۵) کیا ہندوارہ میں آپ نے اس معاملہ میں کوئی دلچسپی لی ہے (ج) بالکل نہیں!

جواب دیتے وقت مجھے یہ معلوم نہیں ہوا کہ آیا میرے خلاف کس شخص نے رپورٹ دی ہے۔ اور اس معاملہ میں غیر معمولی طوالت کیوں دی گئی۔ بعد میں دریافت ہوا کہ آج سے دوسال پیشتر جب گورنر صاحب نے میرا تبادلہ پہاڑ منسوخ فرما کر مجھے ہندوارہ تبدیل کیا تھا تو خفیہ طور پر تحصیلدار صاحب اور محکمہ پولیس کو حکم دیا

گیا تھا کہ وہ میرے نقل وحرکات کا خاص خیال رکھا کریں۔ چنانچہ اس خفیہ حکم کی تعمیل میں میری معطلی عمل میں آئی۔ حالانکہ گورنر صاحب نے مجھے اپنے فیصلہ ظاہری میں بے گناہ قرار دیا تھا۔ آخر جب سرینگر میں سمجھوتہ ہوا تو تحصیلدار صاحب نے حسب ہدایت وزیر صاحب بارہمولہ مجھے مضمون ذیل کی تحریر پیش کرینکا حکم دیا:...... ''میں آئیندہ ایجی ٹیشن میں حصہ نہیں لونگا۔ اس پر میں نے کسی قدر اضافہ اس طرح تحریر پیش کی:۔ ''میں نے آجتک ایجی ٹیشن میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ نہ آئیندہ لونگا''۔ مگر میری یہ تحریر بایں حکم واپس کردی گئی۔ کہ اگر حسب ہدایت تحریر پیش نہ کرو گے۔ تو تمہارا بحال ہوجانا ناممکن ہے۔'' مجبوراً میں نے مجوزہ تحریر پر پیش کر کے کامل ایک ماہ کی معطلی اور پریشانی کے بعد ۲رستمبر کو بحالی کا حکم حاصل کیا۔

☆

ایک پرانا ادبی معرکہ

(پرتاب میگزین کے کشمیری حصہ پر ایک ناقدانہ نظر)

شانِ نزول

یہ مضمون ایک پچاس سالہ پرانے ادبی معرکے کی یادتازہ کرتا ہے۔ جیسا کہ مضمون کے متن پر نظر ڈال کر اندازہ ہوگا کہ اس صدی کی چوتھی دہائی میں سری پرتاپ کالج کے میگزین پرتاپ کے کشمیری حصے کے اس وقت کے ایڈیٹر نند لال امبار دار نے کلام مہجور پر چھینٹے اڑائے تھے اس کے جواب میں یہ مضمون ہفتہ وار البرق" میں ابورشید کاشمیری کے نام سے شائع ہوا تھا اور اس میں بچارے امبار دار کی خوب خبر لی گئی تھی۔ اسی شمارے میں مرزا عارف کا وہ مضمون شامل ہے جس میں انہوں نے اس بارے میں ذکر کیا ہے۔ ہم نے اس مضمون کو جس مسودے سے نقل کیا ہے وہ مہجور کے اپنے دستخط میں ہے۔ اس بات کو مدنظر رکھنے کے علاوہ جب اس مضمون کے باخبر اور عالمانہ لب و لہجے اور الفاظ و اصطلاحات کے محل استعمال کو بھی زیرِ غور لایا جائے۔ تو اس نتیجے پر پہونچنے میں دِقت نہیں ہوتی کہ "ابورشید" مصلحت کے تحت اختیار کیا گیا فرضی نام تھا اور پردہ زنگاری کے پیچھے جو معشوق جلوہ گر تھا وہ خود مہجور ہے۔ دراصل یہ مقالہ

مہجور کی ہی ذاتی تحریر ہے اس لحاظ سے یہ مہجور کی تنقیدی دستگاہ اور کشمیری زبان وادب کے مختلف معاملات پر اُن کے خیالات کا بڑا دلچسپ مُرقع ہے۔ آج اس مقالے کو لکھے ہوئے تقریباً نصف صدی کا زمانہ گذرا ہے لیکن اس کی اہمیت میں کوئی فرق نہیں آیا ہے۔ ذاتیات سے متعلق جملوں کو الگ کر کے مہجور کے منطقی استدال، ان کی زبان شناس، سخن فہمی، وُسعت مطالعہ۔ کثرت معلومات اور تنقیدی بصیرت کا یہ گراں بہا نمونہ ان کے فکر ونظر کے مختلف گوشوں کو سامنے لاتا ہے۔ لُطف کی بات یہ ہے کہ زمانے نے مہجور کے موقف کو دُرست ثابت کر دیا ہے۔ کشمیری زبان میں فارسی اور دوسری زبانون کے مناسب الفاظ لانے کے متعلق ان کا نظریہ درست ثابت ہوا ہے لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ صحیح ہے کہ امبار دار کی تنقید کے بعد وہ اپنی شاعری میں الفاظ کے دروبست میں زیادہ محتاط ہو گئے تھے اور انہوں نے زیادہ سے زیادہ خالص کشمیری الفاظ استعمال کرنے کی سعی کی۔ روزمرہ اور کتابی زبان کے استعمال کے بارے میں انہوں نے شیخ علی حزین اور سراج الدین خان آرزو کے مباحثے کا جو تذکرہ کیا ہے وہ ان کی وسعت مطالعہ کا آئینہ دار ہے۔ اس تحریر میں رسول میر اور خود مہجور کی شاعری کے متعلق جو تبصرے کئے گئے ہیں وہ اگر چہ سبیل تذکرہ آئے ہیں لیکن وہ کشمیری شعر پر تنقید کی اولین اور بصیرت افروز کرنوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ بات بہت پُرلطف ہے کہ وہ اپنے شعری اور لسانی فتوحات کی نوعیت سے آگاہ تھے۔ مہجور نے اپنے کلام کی تعریف مین رابندناتھ ٹیگور کا جو اقتباس واوین میں دیا ہے اس کے ماخذ کا حوالہ نہیں دیا گیا ہے لیکن اس سے بہر حال یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ یہ اُن کے نام ٹیگور کے کسی خط سے ماخوذ نہیں ہے اس طرح سے ''کلیات مہجور کے دیباچے میں راقم الحروف

نے ان خطوط کے افسانہ ہونے کا جو استدلال قائم کیا تھا وہ اور مستحکم ہو جاتا ہے۔

بہر حال یہ تحریر مہجور کے شعری پیمانوں اور ان کے قوت استدلال کی ایک نہایت نادِر صورت پیش کرتی ہے اور چونکہ یہ اب تحقیق نگاروں کی دسترس میں نہیں ہے لہذا اسے غیر مطبوعہ تحریرات کے ساتھ شایع کیا جا رہا ہے۔

(محمد یوسف ٹینگ)

☆

ابو رشید کاشمیری

پرتاپ میگزین کے کشمیری حِصّہ پر ایک ناقدانہ نظر

میرا ایک مضمون بعنوان پرتاپ میگزین پر ایک سرسری نظر" ۳۱ جولائی ۱۹۲۷ء کے ہمدرد" میں شائع ہو چکا ہے جس میں میں نے پرتاپ میگزین بابت ماہِ دسمبر ۲۶ء کے کشمیری حصہ پر ریویو لکھتے ہوئے پنڈت نندلال امباردار سوپوری، ایڈیٹر کشمیری حصہ کو چند ادبی نقائص سے آگاہ کر کے مہذبانہ لب ولہجہ اور مشفقانہ انداز سے آئندہ احتیاط کا دوستانہ مشورہ دیا تھا۔ میگزین کا پرچہ بابت ماہ جون ۲۷ء کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ پنڈت نندلال نے میری حق گوئی کی کوئی قدر نہ کی۔ بلکہ پہلے سے زیادہ بے باک، غیر مہذب اور گستاخ ہو گیا ہے اور گند اچھالنے پر آمادہ ہوا ہے۔ البتہ اب کے بجائے پانچ غزلوں کے اپنی تصنیف کی ایک ہی غزل درج رسالہ کر دی ہے۔ چونکہ نندلال نے میگزین میں عامیانہ، بازاری اور کمینہ زبان استعمال کی ہے اور بزرگوں کے پاس ادب سے بے نیاز ہوا ہے اس لئے ناظرین مجھے بھی کسی خاص احترام کے لئے پابند نہ سمجھیں۔

صائیب توبہ وشنام میلائے دہن را   ایں زرقلب بہر کس کہ دہی باز دِید

سرورق پر لکھا ہے ''ایڈٹیر ۔این۔ایل ۔امباردار۔سوپوری۔بی اے سٹوڈنت'' چونکہ ایڈٹیر نے کشمیری حصہ مین اپنا سارازوراس بات پر صرف کردیا ہے کہ غیر ملکی الفاظ کشمیری زبان سے خارج کئے جائیں۔اس لئے اس کو کوئی حق حاصِل نہیں کہ وہ اس طرح اپنا نام اور پتہ لکھے۔کیوں کہ یہ ساری عبارت غیر ملکی الفاظ کی بنی ہوئی ہے۔ایڈٹیر نے خود قاعدہ پیش کیا ہے کہ جس غیر ملکی لفظ کے لئے کوئی کشمیری لفظ نہ ملے اس کی صورت بگاڑ کر اس کو کشمیری بنانا چاہے۔پس ایڈٹیر کو لازم ہے کہ وہ آیندہ میگزین کے سرورق پر اپنا نام اور پتہ اس طرح لکھا کرے۔

''اڈی ٹر۔نندلالہ۔ڈھیرو ول۔سویرک چوداہمہ ہیونڈژاٹھ''

سب سے پہلے اس بات کا افسوس ہے کہ اس نابالغ اڈی۔ٹر نے کشمیری زبان کے لئے جو رسم الخط اختیار کیا ہے وہ نہایت بے ہودہ غلط اور سرتاپا لغو ہے۔بعض الفاظ اور جملے اس طرح لکھے گئے ہیں کہ کوئی ماہر زبان کشمیری ان کا مفہوم نہیں سمجھ سکتا۔بعض الفاظ کا مطلب صرف قیاساً ہی معلوم ہو جاتا ہے۔رسم الخط یا طرزِ تحریر پڑھنے کی اجازت نہیں دیتا۔مثلاً شکر چھوکوداتس کن۔امہِ الِادہ پھوغلام الدین ٹاکھ''۔''پھو'' کا مطلب بھی فہم سے بالاتر ہے کشمیری زبان میں ''پھُو'' کے معنی پیٹ چاک کرنے کے ہیں معلوم نہیں ہوتا کہ غلام محی الدین ٹاکھ کا کس لئے پیٹ چاک کیا جائے گا۔اسی طرح فقرات ذیل ''لیوند کلام'' ''تشریحہ سان وگرج'' ''کیت ولہ دریہ'' ''اجہ کیکہ پانس'' اجہ ٹیکہ لیس۔وغیرہ کے معانی اور مطالب معما ہیں ۔لیوند وکرج،ولہ وزیہ۔کیکہ ۔شیکہ ۔کشمیری زبان میں استعمال نہیں ،نہ معلوم کہ اڈی۔ٹر نے کس خانہ سازڈِکشنری سے لئے ہیں۔ادبی نکتہ نِگاہ سے بھی کشمیری حصہ قابل ستائش نہیں بلکہ

قابل مذمت اور تنگ کشمیریت ہے زبان بالکل سفیہانہ اور مُلاہانہ استعمال کی گئی ہے۔ بزرگوں اور برگزیدہ ہستیوں کے احترام کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ان کی تحقیر کی گئی ہے۔نظمیں اور مضامین ادبی خوبیوں سے بالکل خالی ہیں۔اس پر بھی ایڈیٹوریل میں خودستائی کا حق ادا کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ پرتاپ کا کشمیری حصہ اس درجہ پر پہونچنے لگا کہ سب یار کہتے ہیں کہ کشمیری زبان زندہ ہونے لگی ......'' کشمیری زبان کی شعر وشاعری کا سلسلہ کشمیر مین ۳۵۰ سال سے فارسی شاعری کے بحر وعروض پر جاری ہے اور اس کی اشاعت پچاس سال سے ہو رہی ہے۔اس طویل عرصہ میں کشمیری زبان نے سینکڑوں شاعر پیدا کئے۔اب تک ہزارہا کتابیں ہر مذاق، ہر مذہر، ہر ملت، ہر فن کی شائع ہوئی ہیں۔ان ہزاروں کتابوں کی نشر واشاعت سے تو کشمیری زبان کو زندگی نہیں ملی۔البتہ جب سے پرتاپ میگزین نے دو تین پرچوں کے چند صفحات غلط اور بے ہودہ کشمیری نویسی کے لئے وقف کئے ہیں۔اور خصوصاً جب اس کو۔سو پہ رک۔اڈی۔ٹر نصیب ہوا ہے، کشمیری زبان آسماں پر چڑھ گئی ہے۔

کشمیری زبان تمام مشرقی زبانوں سے زیادہ شیرین، مہذب اور اخلاقی زبان مانی گئی ہے ایران کا مشہور شاعر ملا ظہوری کشمیری زبان کی نمکینی کی قسم کھاتا ہے۔

بہ تُرکانِ غارت گرِ صبر وہوش بہ کشمیریانِ ملاحت فروش

اسی کشمیری زبان کو جس رسوائے عالم صورت میں ہمارے دار العلوم کے ادبی آرگن نے دُنیا کے سامنے پیش کیا ہے وہ اس کے ادب نواز کار پردازان کا ہی حصہ ہے۔

میں نے قبل ازیں پرتاپ میگزین بابت ماہ دسمبر ۳۲ء پر ریویو لکھتے ہوئے نندہ لالہ کو فہمائش کی تھی کہ وہ شاعر نہیں ہے خواہ نخواہ کی بے ہودہ شعر گوئی سے کشمیری زبان کو

بدنام نہ کرے۔ مگر اس پر اثر نہ ہوا۔ اس لئے آج کی صحبت میں اس طفل بے ہودہ گو کی شاعری کا راز طشت از بام کردیا جاتا ہے۔ کشمیر حصہ کی پیشانی پر کشمیری زبان کی ایک رُباعی درج ہے جو کہ نندہ لالہ کی طبع زاد ہے۔

کاشیر سونہ مرین یئے　　کتھ مدرتہٕ دِلہ سن یئے
ملہ نِشہ تھون پرین یئے　　کاشر ہیچھو پرانوی

معلوم نہیں کہ آیا یہ رباعی ہے قطعہ ہے یا دوبیتی۔ اپنی طرف سے تو پہلے تین شعروں کا ردیف وقافیہ ملادیا ہے۔ چوتھے کا علیحدہ لیکن پہلے تین مصرعوں کا ردیف ابھی غلط ہے۔ ''مرین'' کشمیری زبان میں کوئی لفظ نہیں۔ اس سے تو شعر بے معنی ہوجاتا ہے۔ البتہ دُلہن کو کشمیری زبان میں مہرین (مہارانی) کہتے ہیں۔ مرین کو مہرین تصور کرکے اس رباعی کا ترجمہ یہ ہے۔

اے کشمیری سورنے کی دُلہن　　زبان کی میٹھی دِل کی دُوکھی
میل سے اس کو صاف رکھو　　کشمیری پڑھنا سیکھو
یا پُرانی کشمیر سیکھو

کشمیری سونے کی دُلہن کو کہتا ہے کہ تُو تو صرف زبان کی ہی میٹھی ہے اندر سے تیرا دل کھوٹا ہے ناصاف ہے میلا ہے مصرعہ سوم میں کہتا ہے کہ اس کو میل سے صاف رکھ یعنی کیا ہوا اگر تیرا دل صاف نہیں تو اُوپر یا باہر کی صفائی رکھ۔ کشمیری دُلہن کیا ہوئی یہ تو کسی طوائفہ کی تعریف ہورہی ہے۔ مصرعہ سوم میں سلسلہ کلام ٹوٹ جاتا ہے معلوم نہیں ہوتا کہ کس کا صفائی کا حکم دیا جاتا ہے اور کسی کی صفائی کے لئے حکم ہے۔ دولہن اور پھر سونے کی دلہن کو میل سے صاف رکھنے کی تجویز کیا معنی رکھتی ہے، پھر کہتا ہے کہ یہ

سب کچھ کر کے کشمیری پڑھنا سیکھو یا پُرانی کشمیری سیکھو۔

نہ معلوم کہ اس ننگ شاعری تک بند کو کشمیری دلہن اس کی شیرین بیانی، پھر دِل کی ناصافی اور پھر تاکید صفائی کے مضامین باندھ کر کیوں کشمیری زبان کی ترغیب دینے کی ضرورت پڑی۔

نندلالہ نے اپنی تصنیف کردہ ایک کشمیری غزل بہ عنوان ''نازل'' جو بحر مضارع مثمن الضرب، مفصول، فاعلاتن پر لکھی گئی ہے درج میگزین کی ہے۔غزل چہار مصرعی ہے۔ ہر تین مصرعوں کے بعد ''تارن چھ گرایہ دورن'' کا مصرعہ بار بار آتا ہے۔

نندہ جو مہجور کی شاعری پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ مہجور نے غزل ۴ کے مطلع کا مصرعہ ثانی کشمیری شاعر حقانی سے چُرایا ہے۔حقانی کشمیر کا ایک مشہور شاعر، عالم، مورخ اور صوفی تھا۔مہجور اس کا ہم صحبت تھا۔جب مہجور نے یہ غزل لکھی حقانی زِندہ تھا۔کوئی اعتراض پیدا نہ ہوا۔نندہ لالہ کو یہ معلوم ہونا چاہیے یہ سرقہ نہیں بلکہ حسن تواردہے۔اور اگر بغور دیکھا جائے تو حقانی اور مہجور کے اس مشترکہ مضمون یا تخیل میں نقش اول اور نقش دوئم کا فرق نمایاں ہے۔طوطی ہند امیر خسرو دہلوی کے کلام میں اس قسم کی اکثر مثالیں جو موجود ہیں کہ انہوں نے مولانا نظامی گنجوی کے اکثر ابیات وقصائد کو دہرایا ہے۔مگر نقادان فن نے امیر خُسرو کو سارق قرار نہیں دیا اور نہ اُن کے وقار میں فرق آیا۔مگر افسوس ہے کہ دارالعلوم کشمیر کے انڈر گریجویت اور دوسروں کی پگڑیاں اُچھالنے والے بلند بانگ شاعر نندہ لالہ نے سری نگر کے ایک مشہور طنبوری، گداپیشہ، تک بند، ناخواندہ شاعر ''غفار کاوہ ڈاری'' جیسے غریب کے مال پر دست تطاول دراز کر دیا ہے۔''غفار کاوہ ڈاری'' ۳۰۔۴۰ سال سے فوت ہوا ہے سری

نگر میں اس کے جاننے والے اب بھی اکثر موجود ہیں۔ وہ رباب نوازوں کی ایک جماعت کو ہمراہ رکھ کر سری نگر کے بازاروں میں اپنے طبع زاد اشعار سُنایا کرتا تھا اور اس طرح اپنا پیٹ پالتا تھا۔ حق یہ ہے کہ وہ باوجود ان پڑھ ہونے کے ہمارے نندہ لالہ سے بہتر شعر کہا کرتا تھا۔ اس کی ایک مشہور غزل کا یہ شعر خصوصاً اس کا مصرعہ اول ملاحظہ ہو۔

دۄرن ماران گژایہِ   ژُورو کھیوٚ ارمانو

یم دُور زلفن ژھایہِ   پاے میون کرجانانو

اس انڈر گریجویٹ سارِق نے شاید غفار کا وہ ڈاری کے کلام کو لاوارِث سمجھ کر اس پر قبضہ جمایا ہے۔

فلک نے لوٹ کے لٹوا دیا حسینوں سے   سمجھ لیا ہے کسی مُردے کا مال مجھے

بحر وعروض اور ردیف وقافیہ کے لحاظ سے بھی غزل صحیح نہیں۔ ''چھس'' مایہ بھریتھ ہن ہن'' ''بھریتھ'' کو غیر متحرک پڑھنے سے شعر ٹوت جاتا ہے۔ اگر متحرک پڑھا جائے تو غیر فصیح، پھر ''شورہیش''، تولرہیش، کے مقابلہ پر ''تھرہیش'' ''چشمہ کرڑ کرڑ'' ''بھرڑ بھرڑ'' کے مقابلہ پر ''دردریہ'' ''پُرن موٹھ'' کے ساتھ ''کرُن موٹھ'' ''دیس روٹ'' باندھنا کس قدر غلط ہے۔ اب ذرا خیالات کو دیکھیے۔ غزل کا مطلع ہے۔

وچھتن یہ میائنی نازل مارن چھ گژایہ دُورن

چھیہ ژھایہ ژھایہ دُورن مارن سوگرایہ دُورن

مِصرعہ اول میں شاعر نے اپنے آپ کو مذکر اور معشوق کو مونث قرار دیا ہے مصرعہ ثانی میں اپنے آپ کو مذکر اور معشوق کو بھی مذکر باندھا ہے۔ ''دور'' کشمیری زبان میں آویزہ کو کہتے ہیں۔ یہ دراصل دُر (موتی) ہے دُر سے دُور'' مشہور ہوا۔ کیوں کہ زمانہ

گزشتہ میں آویزہ کی جگہ موتی استعمال کیا جاتا تھا۔ موتی کی جس قدر تعریف کی جائے بجا ہے۔ مگر اس کو آج تک شاعروں نے مختلف رنگوں میں پیش نہیں کیا۔ مگر ''غفار کاوہ ڈاری'' کا شاگرد معنوی در سیاہ، دُر سبز، دُرِ رنگین، در ملائی باندھتا ہے۔

کرہنین تہ سبز دُورن رنگین ملایہ دُورن

معشوقہ کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے۔

وچھتن یہ نارہ وزمل ہیر بون چھ نور چی چھل

باہ زونہ چھس پدن تل مارن چھ گرایہ دُورن

ترجمہ:۔ دیکھو اس برق آتش فشاں کو، اوپر سے نیچے تک وہ نور کا ٹکڑا ہے اس کے پاؤں تلے بارہ چاند ہیں۔

معشوقہ برق آتش فِشان، پھر وہی پیکر نور۔ اس کے پاؤں تلے بارہ چاند۔ بارہ چاند کا مفہوم سمجھ میں نہیں آیا۔ اگر ناخن پا سے مُراد ہے تو وہ دونوں پاؤں کے صرف دس ہی ہیں پھر مشکل یہ کہ وہ پاؤں تلے نہیں، پاؤں کے سامنے ہوا کرتے ہیں۔ ممکن ہے کہ نندہ لالہ کی معشوقہ کے پاؤں کی چھ چھ انگلیاں ہوں، جیسا کہ اکثروں کی ہوا کرتی ہیں۔ لیکن پھر یہ سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ ناخن کو ہلال سے تشبیہہ دی جاتی ہے چاند سے نہیں۔

ہلالے کہ برآسماں جائے اوست تراشیدہ ناخن پائے اوست

اُوج تہ زاٗجی تن گردن چھ پوشہ لٹہ ہن''

معشوقہ کی گردن کو دُمِ گل سے تشبیہہ دی گئی ہے۔ یہ جدت ہے۔ آج تک تو شعرا فارس وہند نے گردنِ معشوق کو صرف صراحی، دستہ عاج، بیاض، گردن آہو سے اور

شعرا، کشمیر نے ''گردنِ قاز'' سے تشبیہہ دی ہے۔ دُم گل کی جدید تشبیہہ کا پیدا کرنے والا صرف ''غفار طنبوری'' کا فصلہ خوار شاعر ہی ہوسکتا ہے کشمیری زبان میں کسی ضعیف یا بیمار شخص کی گردن کو دُم ناشپاتی سے تشبیہہ دی جاتی ہے۔ ناشپاتی حاصِل گل ہے۔ اس لئے تشبیہہ سے جو تصور سُننے والے کی آنکھوں میں آجائے گا وہ محتاج وضاحت نہیں

''چھا نورہ چی کمانی'' ''یا ارجنن یہ کانی'' ہئ ہئ وو چھم پکانی''

ترجمہ: کیا یہ نور کی کمانی ہے یا ارجن کی کانی ہے میں نے اس کو ٹیڑھی چال چلتے دیکھا معلوم ہوتا ہے کہ نندہ لالہ کی معشوقہ کسی ارجن داس یا ارجن بٹ کی...... ہے اور اس کی ایک آنکھ میں نقص ہے۔ اس لئے وہ ٹیڑھی چلتی ہے کہتا ہے اگر ارجن کی...... بوجہ آشوب چشم کج رفتار ہے تو کیا ہوا۔ عاشق کی نظروں میں تو وہ ایک نور کی کمان ہے۔ کانی عورت کی کج رفتاری کو کمانِ نور سے تشبیہہ دے کر جو ندرت اس شعر میں پیدا ہوئی ہے وہ قابل داد ہے۔ ممکن ہے کہ کوئی پرانے زمانے کا سخن فہم، دقیانوسی فارسی شاعری کا دِلدادہ اعتراض کرے کہ معشوقہ کے محاسن بیان کرتے ہوئے کیوں، مصائب بھی ساتھ ہی ظاہر کئے گئے۔ مگر ان کو معلوم ہو جانا چاہے کہ یہ گلستان بوستان کی شاعری نہیں ۔ یہ دورِ جدید کی شاعری بلکہ انگریزی شاعری کی نقل ہے۔ یورپین شعرا ہر ایک نظم میں واقفیت کو دوسری باتوں پر ترجیح دیتے ہیں۔

''بادامہ چشمہ کڑ کڑ'' ''پیالے شرابہ بھڑ بھڑ'' ''دیسر سہ کیت دِلہ دریہ''

ترجمہ:۔ بادام جیسی آنکھوں نکال نکال کر، شراب کے بڑے بڑے پیالے'' آخری مصرعہ معمہ ہے اس لئے اس کا ترجمہ نہیں ہوسکتا۔ اس شعر کی تشریح غیر

ضرروی ہے۔خود ہی ترجمہ بتا رہا ہے۔کہ اس کا وہ ڈاری شاعر کے خوشہ چین نے فصاحت و بلاغت میں کیا کمال دِکھایا ہے۔

''یلہ تراوِمس پریشان　　　پوشن چھ ہوش ڈالان''

ترجمہ:۔جب وہ بال بکھرادیگی، پھولوں کے ہوش بگاڑ دیتی ہے۔

پہلے تو اس شعر میں ربط کلام نہیں۔ پہلا مصرعہ شرطیہ ہے کہ جب وہ بال بکھرادیگی کیا ہوگا چاہئے تو یہ تھا کہ پھولوں کے ہوش بگڑ جائیں گے۔مگر نہیں۔ ہمارے ادبی رسالہ کا اڈی۔ٹر کشمیر کے قدیم وجدید شعرا کا نکتہ چین ،غفار طنبوری'' کا دز دِدلا ور، کہتا ہے کہ جب وہ بال بکھرادیگی تو پھولوں کے ہوس بگاڑی دیتی ہے۔شعر میں کِس قدر منافقہ ہے۔یوں بھی تشبیہہ غلط ہے۔معشوقہ کے بال کھلے چھوڑ دینے سے پھولوں کا حواس باختہ ہوجانا کیا معنی رکھتا ہے۔بالوں کو پھولوں سے کیا نسبت ؟ کیا نندہ جو نے کہیں کالا گلزار تو نہیں دیکھا۔؟

''کر نیدی باگہ پتے'' کر سے بونالہ متے''

''لاگس بو پوشہ پھتے''

معلوم نہیں کہ ''نیدی'' کا کیا مطلب ہے۔کشمیر زبان میں ایسا کوئی لفظ نہیں۔ قیاس کے بِنا پر یہاں اگر''نیری پڑھیں گے تو شاید مطلب پورا ہوگا۔

ترجمہ:۔کب وہ (معشوقہ) باغ کے پچھلے طرف نکلے میں اس سے ہمکنار ہوجاؤں گا اور پھول چڑھاؤں گا۔

عاشق باغ میں ہے اس کی معشوقہ بھی وہیں پھرتی ہے۔عاشق چاہتا ہے کہ اپنی معشوقہ سے بغلگیر ہوجائے۔مگر وہاں تماشہ بین موجود ہیں۔اب وہ تمنا کرتا ہے کہ

کاش! میری معشوقہ باغ سے باہر دیوار باغ کے پیچھے نکل جائے تو میں اس سے ہمکنار ہو جاؤں اور اس پر پھول نثار کروں۔ کیا خلاف تہذیب اور مکروہ جذبہ ہے۔ کیسی پست خیالی ہے۔ ناظرین غور فرمائیں۔ یہ ہمارے معصوم بچے علم الاخلاق کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ کارِ طفلان تمام خواہد شد۔

"پرتھ ساتہ چھم اچھن تل" مے دیوہ سرچ یمبرزل"

"لاگن چھ سانگ ڈامبل"

ترجمہ:۔ ہر وقت میری آنکھوں کے سامنے رہتی ہے۔ دیوہ سر کی یمبزل" (نرگس) بہانہ کرتی ہے کشمیری ڈانب کرتی ہے۔

"دیوہ سر" تحصیل کولہ گام میں ایک پرگنہ ہے اور ایک گاؤں کا نام ہی "دیوہ سر" ہے کشمیری زبان میں" نرگس دیوہ سر" کوئی محاورہ نہیں اور نہ شاعر کو بہ ظاہر "دیوہ سر" سے کوئی نسبت ہے اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جس مہ جبین کو ہمارا گریجویٹ شاعر دل دے چکا ہے وہ دیوہ سر" کی رہنے والی ہے۔

نندہ جو کی غزل کے پندرہ ۱۵ بند ہیں۔ ایک بند یا ایک شعر نقائص سے خالی نہیں بلکہ ایک ایک مصرعہ میں ایک سے زیادہ معائب ہیں۔ اگر تفصیل کے ساتھ لکھوں تو ایک دفتر تیار ہو جائے گا۔ البتہ اگر نندہ جو پرتاپ میگزین میں میرے اس مضمون کو شائع کرنے کا وعدہ کرے تو میں ضرور لکھوں گا۔ اور پھر اس شرط پر لکھوں گا کہ اگر ان نقائص میں سے ایک بھی غلط ثابت ہو جائے تو میں دس روپے فی غلطی کے حساب سے رقم ہرجانہ میگزین فنڈ میں داخل کروں گا اور آیندہ کے لئے نندہ جو کا شاگرد بنوں گا۔ اب نند لالہ کی غزل کا صرف خلاصہ مضمون درج کیا جاتا ہے۔

نندہ لالہ ایک عورت پر عاشق ہوا ہے اس کا نام ''یمبز ل'' ہے وہ ارجن داس'' یا ''ارجن'' ساکن دیوہ سر''تحصیل کولہ گام کی...... ہے۔اس کی ایک آنکھ میں ذرا سا نقص ہے۔اس کی گردن سُوکھی ہوئی ہے وہ اچھے اچھے کپڑے زیب تن کرتی ہے۔کبھی کبھی کھلے بال چھوڑ کر فریفتہ کر دیتی ہے، طالب علموں کو پڑھنا بھول جاتا ہے۔اس کے کانوں میں کئی رنگ کے آریزے ہیں۔کبھی کبھی وہ ڈاشتی بھی ہے۔اس سے خیالات بچپن ابھی دور نہیں ہوئے۔اس میں عاشق کی محبت ضرور ہے مگر وہ اپنے آپ کو قابو میں نہیں دیتی۔وہ بہانہ جو اور مکارہ ہے۔اس کی آواز میٹھی ہے۔کاش !وہ ایک دفعہ باغ کے پیچھے میرے قابو آجائے تاکہ میں اس سے دِلی مراد پُورا کروں کوئی دوست عاشق کو ملامت کرتا ہے کہ تجھے کیا ہوا۔وہ کہتا ہے ''وچھ کونہ چھُک وچھانی'' دیکھو! کیوں نہیں دیکھتا کہ آیا جس پر میں فریضتہ ہوں، وہ کیا ہے؟

سانی ون تو نندہ لالس بندٟ گی گندٟ گی ون ون تجن شرمندگی

نندہ لالہ کی شاعری کا کمال تو آپ نے دیکھ ہی لیا۔اسی بل بوتے پر آپ مہجورؔ کاشمیری کی شاعری پر معترض ہیں۔چنانچہ آپ نے ایک مضمون بہ عنوان''مہجورنیہ خامیہ''یعنی مہجورؔ کی خامیاں درج میگزین کیا ہے۔پہلے عنوان ہی حرف بہ حرف سرقہ یا نقالی ہے۔ہندوستان میں کسی نے ایک مضمون بہ عنوان ''اقبال کی خامیاں''لِکھا ہے ۔کشمیری شاعری اور کشمیری زبان کو رُسوا کرنے والا اڈی۔ٹریہی عنوان قائم کرتا ہے۔ مضمون میں صرف اس بات پر زورِ قلم صرف کیا گیا ہے کہ مہجورؔ نے اپنے کلام میں فارسی الفاظ کثرت سے استعمال کئے ہیں۔چوں کہ خالص کشمیری کلام نہیں اس لئے اس کی کچھ وقت نہیں۔چاہے بہ لحاظ۔تخیلات، مضمون آفرینی، جدت و مذرت کے وہ کتنا ہی

بلند کیوں نہ ہو۔نندہ جو نے فارسی الفاظ کا نام ناجائز فارسی رکھا ہے۔مگر ستم ظریفی یہ ہے کہ اگر خود نندہ لالہ یا اس کو کوئی دوست شام پریم نگری'' یا پرتھوی ناتھ ملا'' فارسی یا غیر ملکی الفاظ استعمال کرے تو وہ جائز ہیں۔ جی ایم صابر'' اور محمد عثمان فاضلی کا کلام اس لئے ٹھیک نہیں کہ انہوں نے فارسی الفاظ استعمال کئے ہیں۔کیا شاما پریم نگری نے صبح، شام، د، لارام، مستانہ، بے پروا، نو بہار، دوان، جوانی، فارسی الفاظ استعمال نہیں کئے۔ کیا مستانہ بے پروا سالم مصرعہ فارسی نہیں کیا پرتھوی ناتھ کے کلام میں عالم، یاری، غم، بازاری، دل، کاری، شوق، یاری، گلزاری، بیداری، گلناری فارسی الفاظ نہیں ہیں؟ کیا ان الفاظوں کے عوض ان کو کشمیری الفاظ نہیں مل سکتے تھے؟ کیا وجہ ہے کہ نندہ لالہ نے بحثیت ایڈیٹران کے کلام کے نیچے نوٹ درج نہیں کئے۔

نندہ جو نے اپنے کلام میں سینکڑوں غیر ملکی الفاظ استعمال کئے ہیں۔اپنی کمزوری کو زیر پردہ رکھنے کے لئے بعض فارسی الفاظ کی ظاہری صورت تبدیل کردی ہے۔اکثر غیر ملکی الفاظ ایسے استعمال کئے گئے ہیں جو کہ کشمیری زبان سے اس قدر غیر مانوس ہیں کہ خواندہ اصحاب بھی ان کے معانی و مطالب اچھی طرح نہ سمجھیں گے مثلاً۔سکشن، ادبی، ڈراما، خوشا ندام، شانت مَن ، باگوان ، بحر و عروض، گریمر، نگران، پروفیسر، تقیدہ وتبصرہ۔سچی گوئی، تصور، جملی ، مفہوم، ادبی نکتہ نگاہ، ادبی گونہ دوشہ، وچار، میں نندہ لالہ سے پوچھتا ہوں کہ اس نے اس قدر غیر ملکی، غیر مانوس الفاظ کیوں استعمال کئے ۔اگر ان الفاظ کے عوض اس کو کشمیری الفاظ نہ ملے تو اس کو ماننا پڑے گا کہ ہماری زبان ابھی تک اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے قابل نہیں ہے۔اظہار مطالب کے لئے کشمیری زبان کو ضرور دوسری زبانوں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ایسی صورت میں

اگر کوئی شاعر مجبوراً غیر ملکی الفاظ استعمال کرتا ہے تو تنگ خیال اور کم ظرف اڈی، ٹرکی پیٹ میں کیوں درد پیدا ہو جاتا ہے۔ میں نندہ جو کو چلینج دیتا ہوں کہ اگر اس کے استعمال کردہ الفاظ مندرجہ صدر کے معانی سری نگر کا ایک خواندہ آدمی یا کشمیری یکسان بیان کرے تو میں اس کو منہ مانگا انعام دوں گا۔ بخلاف اس کے کلام مہجور کے وہ فارسی الفاظ جن کو نندہ لالہ نے غیر مانوس اور مشکل قرار دیا ہے ان میں سے الفاظ ذیل دِلدار، شیوہ، دامان، مرگ، بُلبل، گُلمار، نان، کالہ، شہمار، کیناواری، زمزہ، وغیرہ کے معانی ومطلب اگر یہ ایک ناخواندہ کشمیری کے سمجھ میں نہ آئے تو نندہ لالہ مستحق انعام ہے۔

حقیقی شاعر کا طائر تخیل جب پرواز پر آتا ہے تو وہ قواعد عروض کے سلاسل اور لفاظی کی قیدو بند سے آزاد ہو کر اُڑتا ہے۔ وہ ایک پیامبر ہے اس کے لئے یہ زیبا نہیں ہے کہ وہ اصل مُدعا کو حسن لفاظی پر قربان کرے۔ جناب ٹیگور اپنی سوانح عمر میں خود لِکھتا ہے۔

"عروض کے قواعد، الفاظ کے استعمال اور اظہار خیالات کے میدان میں، میں نے اپنے آپکو بے لگام تخیل کے حوالہ کر دیا تھا۔ تب فاضل نقادوں نے مجھ پر سخت چوٹیں کیں اور مذاق اڑانے والوں نے فلک دوز قہقہے لگائے۔ میری کم سوادی اور بے راہ روی نے مجھے ادبی مجرم بنا دیا۔ جب میں نے شعر کہنا شروع کیا، میں مضحکہ انگریز طور پر چھوٹا تھا۔ انگریزی دانی کا مجھے تمغہ حاصِل تھا نہ عمر کی سند"...... ملاحِظ ہوا سوانح ڈاکٹر ٹیگور صفحہ۔ ۹، مطبوعہ دِشوار بھارتی بک شاپ کلکتہ۔ ۲۱۱ کارنو ویس اِسٹریٹ۔

پرتاپ میگزین کا کشمیری "اڈی ٹر" "ایڈیٹر" کلام مہجور کی نسبت رقمطراز ہے کہ:۔ "ناخواندہ اور کشمیری زبان سے ناواقف باہر (بیرون کشمیر) کے لوگ اندھوں کی

طرح کہتے ہیں کہ (مہجور کا کلام) اچھا ہے۔‘‘

اب سوال حل طلب ہے کہ بیرون کشمیر کے کن لوگوں نے کلام مہجور کو اچھا سمجھا ہے اور ننده لاله مدیر کشمیری حصہ پرتاپ میگزین کا اشارہ کن لوگوں کی طرف ہے۔ جہاں تک واقعات کا تعلق ہے کشمیر اور بیرون کشمیر کی ادبی دنیا اس سے بخوابی آگاہ ہے کہ ایشیا کی مایہ ناز ہستی، مشرق کے بے نظیر سخنور، بنگال کے مہاپُرش جناب، ’’ٹیگور‘‘ نے مہجور کا شمیری کے کلام کو پسند فرمایا ہے۔ ایک غیر زبان کے شاعر نے کشمیری زبان کے ایک غیر معروف شاعر کی شاعرانہ قابلیت کو کیوں اعتراف کیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ مہجور کا شمیری کی غزل[ا] کے چند ابیات کا ترجمہ کسی صاحب نے بنگال کے مشہور ادبی رسالہ ’’ماڈرن ریویو‘‘ انگریزی میں شایع کرایا تھا۔ جب وہ مضمون حضرت ’’ٹیگور‘‘ کی نظر سے گذرا تو انہوں نے اسے بے حد پسند فرمایا۔ اسی پر اکتفانہ کیا بلکہ انہوں نے اپنے پیرو خاص، شانتی نکتین کے معلم، پروفیسر ڈاکٹر دیوندر ستیارتھی صاحب۔ ایم۔اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی، ڈائیرکٹر آل انڈیا فوک سائنس مشن کو ۴۴-۱۹۴۳ء کے موسم سرما میں مہجور کا شمیری کا سارا کلام اور دیگر حالات فراہم کرنے کے لئے کشمیر بھیج دیا۔ چنانچہ ستیارتھی صاحب کے کشمیر میں ایک ماہ تک قیام فرما کر مہجور کا شمیری کا سارا کشمیری کلام فراہم کیا اور اس کا بامحاورہ ترجمہ کشمیر کے کہنہ مشق ادیب اور فاضل مورخ اور محقق زبان جناب پنڈت آنند کول صاحب بامزی کے ذریعہ کرایا اور مہجور کے دیگر حالات بھی لکھے۔ یہاں سے واپس جا کر جب ستیارتھی صاحب نے اپنا کارنامہ پیش کیا تو دنیائے شاعری کے فاتح اعظم ’’جناب ٹیگور‘‘ نے مہجور کا شمیری کی شاعری کے متعلق خیالات ذیل کا اظہار فرمایا۔

''کشمیر کا یہ گمنام شاعر، مشرق اور مغرب کے بہترین شعراء سے زیادہ خوبصورت انداز میں نہایت باریک چیزیں پیش کرتا ہے۔ مہؔجور اور مجھ میں زیادہ فرق نہیں۔ صرف یہ کہ میں بہت دیر سے لکھنے کی وجہ سے عوام میں روشناس ہو چکا ہوں اور مہؔجور اپنے دیس کے باسیوں کی ناقدردانی کی وجہ سے گمنامی کے دِن کاٹ رہا ہے۔''

اب یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ نندہ لالہ مدیر کشمیری پرتاپ نے بیرون کشمیر کے مدح خوانان مہؔجور کو اندھا تو قرار دیا ہے۔ مگر یہ کیسے ثابت ہو سکتا ہے کہ اس کا روئے سخن جناب ٹیگور کی طرف ہی ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ بیرون کشمیر کے کسی شاعر یا ادیب نے جناب ''ٹیگور'' کے سوا کلام مہجور کی ستائش نہیں کی۔ اگر کسی ادبی رسالہ یا اخبار نے کچھ لکھا بھی تو وہ ٹیگور صاحب کی تقلید ہے۔ علاوہ اس کے نندہ لالہ خود ہی اس شبہ کو رفع کرتا ہے۔ اور ثابت کرتا ہے۔ کہ اس کا روئے سخن کس کی طرف ہے جیسا کہ وہ خود لکھتا ہے۔

''ٹیگور کی خوشامد سے مت ڈرو۔ کیوں کہ وہ انگریزی اور بنگالی زبان کا شاعر ہے۔ اس کو کشمیری زبان سے کوئی واقفیت نہیں۔ اس کے علاوہ بڑے ڈاکٹر ٹیگور نے ابھی تک یہ نہیں سُنا ہے کہ مہجور کہتا ہے (اپنے محبوب سے) میں تیرے لئے بھیڑ دو ذبح کر کے رکھوں گا''

افسوس اور صد ہزار افسوس کہ پرتاپ میگزین کے بدزبان اور بد اخلاق کشمیری ایڈیٹر نے ملک الشعراء عالم جناب ٹیگور کی تحقیر کی، ان کا نام حقارت سے لیا اور ان کو اندھا ہونے کا ناپاک الزام دیا۔ تاریخ کشمیر میں یہ واقعہ کشمیری زبان کیلئے ہمیشہ باعث ندامت و شرمندگی ثابت ہوگا۔ کہ یہاں کے دارالعلوم کی ایوانِ عالیہ سے

آسمان ادب کے مہر و درخشان فخر ایشیا کی محترم ذات کے خلاف تحقیر کی آواز بلند ہوئی۔ اس گناہ پر کہ اس نے کیوں ہمارے ایک وطنی شاعر کی ادبی قابلیت کا اعتراف کیا۔ دنیا کی ادبی تاریخ میں اپنی نوعیت کا یہ پہلا حسرتناک واقعہ ہے۔

نندہ جو غیر کشمیری ادیب اعظم کو اس لئے اندھا قرار دیا کہ وہ کشمیری زبان سے ناواقف ہے۔ مگر کشمیری زبان کے مایہ ناز ادیباں اور محترم علم دوست حضرات اور ماہران زبان جناب پنڈت آنند کول صاحب بامزئی جناب پنڈت کشپ بندھو صاحب ، جناب پردیسی صاحب، جناب پنڈت پریم ناتھ صاحب کنہ ایڈیٹر روزنامہ مارتنڈ، جناب پنڈت ایس این کول صاحب کیسری اور مدیر البرق جناب ایم اے صابر صاحب اور جناب پنڈت گواشہ لال صاحب مدیر کشمیر ٹائمز نے بھی ان کی شاعری کو تسلیم کیا ہے اور ان کی زبان دانی اور ادبی خدمات کا اعتراف کیا ہے۔ ان کے متعلق نندہ جو کی کیا رائے ہے اور وہ کس سزا کے مستحق ہیں؟

نند لالہ کہتا ہے کہ ''کشمیر کے شعراء محققین میں سے صرف حبہ خاتون، مسز بھوانی داس، پرمانند مٹن، نورالدین کا کلام ہی لائق اور اس قابل ہے۔ کہ درج پرتاپ میگزین کیا جائے، ناظم، حقانی، رسول میر، کرشنہ راز دان، مقبول شاہ کا کلام زبان کے لحاظ سے بلند نہیں، فارسی سے پُر ہے اس لئے ان کے کلام کا انتخاب گاہ گاہے درج میگزین ہوگا۔ زیادہ تر دیہات کا کشمیری کلام درج ہوگا۔ کیوں کہ اس میں سچا لطف ہے اور اچھی زبان ہے۔ پرتاپ میگزین میں پرانے استادوں کا کلام زیادہ درج کرنے کی گنجائش نہیں۔ کیوں کہ ہمارا مقصد بازاری زبان کو فروغ دینے کا نہیں بلکہ پاک اور صاف ادبی کشمیر کو آج سے ½۳ سو سال پیشتر ''حبہ خاتون'' نے موجودہ کشمیری غزل کی

بنیاد قائم کی۔اس بنیاد پر، مسز بھوانی داس" نے دیواریں بنوائیں، مگر اس بنیاد پر جو قصر رنگین تیار ہوا وہ، رسول میر شاہ آبادی" کی پختہ خیالی، جادو بیانی اور دماغی محنت وعرق ریزی کا نتیجہ ہے۔ گویا میر شاہ آبادی کو شعراء کشمیر میں بلحاظ غزل گوئی وہی مرتبہ حاصل ہے جو کہ ایرانی شعراء میں سعدی اور حافظ کا ہے کشمیری زبان کو فخر ہے کہ اس نے رسولؔ میر جیسا نازک خیال شاعر پیدا کیا۔ یہ درست ہے کہ محمود گامی کے بعد جس قدر شعرا کشمیری زبان نے پیدا کئے وہ بجائے خالص کشمیری زبان استعمال کرنے کی فارسی آمیز کلام کی طرف راغب ہوئے۔ یعنی ضرورت سے زیادہ غیر مایوسی فارسی الفاظ کشمیری زبان کے اشعار میں استعمال ہوئے۔ میر شاہ آبادی ان ریختہ گو شعراء کے علمبردار ہیں۔ان کے بعد سینکڑوں شاعر پیدا ہوئے اور وہ سب ریختہ گر پائے گئے ۔ہمیں ضرور ان کی ریختہ گوئی سے اختلاف ہے۔ اور آئندہ کیلئے ان کی تقلید کشمیری زبان کیلئے سود مند نہیں ہے۔ لیکن کشمیری زبان کی جو خدمت ان لوگوں نے کی ہے اور جو ذخیرہ کشمیری لٹریچر کا انہوں نے چھوڑا ہے اسے ہم دریا برد یا ضائع نہیں کر سکتے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کی قدر کریں۔ حبہ خاتون' مسز بھوانی داس ، پر مانند، نور الدین کی چند غزلیات اور متفرق کلام ہی کشمیری زبان کی چہار صد سالہ شاعری کا سرمایہ تصور نہیں ہوسکتا۔ نندہ جو کہتا ہے کہ میگزین میں گاؤں کی کشمیری درج ہوگی۔ اس مہمل فقرہ کا مطلب سمجھ نہیں آتا۔ اگر گاؤں کی کشمیری سے دیہات کے رہنے والے شعراء کا منظوم کلام مراد ہے تو وہ کون سے شعراء ہیں۔ آیا زمانہ ماضی کے یا زمانہ حال کے۔ اگر زمانہ ماضی کے ہیں تو میں افسوس سے کہتا ہوں کہ جن شعراء کا کلام میگزین کے لئے نا پسند ہوا، وہ سب دیہات کے رہنے والے ہیں۔ اگر موجودہ شعراء کشمیری کا کلام درج

ہوگا تو آج کل دیہات میں کوئی مسلمہ شاعر نہیں ہے۔ البتہ عبلی ڈار نوگام، سرینگر کے بازاروں میں روزانہ رباب نوازوں کی ٹولی کے ساتھ لوگوں کو اپنا تازہ کلام سناتا ہے اور نندہ لالہ کے استاد معنوی غفار کا وہ ڈاری کی یاد تازہ کر رہا ہے۔ شاید اسی کا پاکیزہ کلام آئندہ ہمارے ادبی رسالہ میں درج ہوگا۔ نندہ جو کو بازاری اور مروجہ کشمیری زبان سے نفرت ہے، وہ پاک وصاف ادبی کشمیری ہ پیش کرنا چاہتا ہے۔ لیکن پاک وصاف ادبی کشمیری گذشتہ شعراء کے ہاں نہیں۔ شاید پاک وصاف ادبی کشمیری سے نندہ لالہ کا اپنا کلام مراد ہے جس کا نمونہ آپ نے غزل ''نازل'' میں پیش کیا ہے۔ کہنے کو تو نندہ جو کہ بازاری زبان سے نفرت ہے۔ مگر جو زبان آپ نے میگزین میں استعمال کی ہے، وہ تو سوپور کے ہانجیوں کی معلوم ہوتی ہے ملاحظہ ہو: ہکھ (حق) لایکھ (لائق) ماشوکھ (معشوق) وغیرہ وغیرہ۔

دارالعلوم کشمیر کے طِفل ناداں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ کسی زبان کو وہی شاعری صحیح اور مکمل تصور کی جاتی ہے جو کہ بازاری اور مروجہ زبان میں ہوگی۔ اس غرض کے لئے اس کو شیخ علی حزین ایرانی اور سراج الدین خان آرزو اکبر آبادی کا مباحثہ زبان پڑھنا چاہیئے۔ اگر وہ دستیاب نہ ہو سکے تو مہرشی ''جناب ٹیگور'' کی سوانح حیات کا بہ غور مطالعہ کرنا چاہیئے۔

کلام مہجور پر اعتراض کرتے ہوئے نندہ لالہ کہتا ہے کہ ''کیناواری کی ترکیب داہیات ہے'' ''کینا'' کشمیری اور واری'' فارسی ہے۔ اس سے زیادہ بے ہودگی کس کو کہتے ہیں''۔

ناظرین داد دیں کہ معترض ہمارے دارالعلوم کی ہائی کلاس کا طالب علم

ہے۔عنقریب فارغ التحصیل ہونے والا ہے" کینا" اور داری" کے جداگانہ معانی نہ معلوم کہ کس کتاب یا ڈکشنری سے لئے گئے ہیں۔بات صرف اتنی ہے کہ کینہ ور" فارسی لفظ ہے" کینہ ور" سے کینہ وری" ہوا یہی لفظ کشمیری زبان میں بگڑ کر کثرت استعمال سے کینا واری" بنا۔نندہ جو کی غزل کا عنوان" نازل" ہے۔ناز" فارسی اور" ل" نسبت کشمیری ہے۔جیسا کہ" یڈ"" یڈل" زِد، زدل۔کتھ کتھل"" ژوپ"۔ژیل" آتا ہے۔اسی طرح" سوپوری لفظ ہے۔" سوپور۔" کشمیری اور مائے نسبت فارسی ہے۔کیا مجھے اجازت ہے کہ میں عرض کروں کہ اسی کو کہتے ہیں کہ والدہ سوپور کی اور اباجان شیراز" کے۔نندہ جو کی علمی قابلیت اور زبان دانی پر یہ مثال صادق آتی ہے کہ

چہ خوش گفت است سعدی در زلیخا　　الا یا ایہا الساقی اور کا ساونا ودلہا"

نندہ لالہ کہتا ہے کہ مہجور نے ؎ بیہ تھادے برہ مار مارئے ،لکھ کر اپنے جان کی قربانی کے عوض معشوق کو بھیڑو کی قربانی پیش کی ہے۔" لیکن اس خیال کو آج سے صدہا سال پیشتر اسی" حبہ خاتون" نے نظم میں باندھا ہے جس کی شاعرانہ قابلیت کا نندہ جو کو اعتراف ہے۔

دل تارِ کورتھم دِلبرِہ　　ون تو ژِہ ون دِن کہہ برہ
اژتم برہ مارے برہ　　کریو پوشن انبر
ینہ چانہ شاد ءکرژاہ برہ　　ون تو ژِہ ون دن کہہ برہ

(ملاحظہ ہو کتاب موسیقی فارسی و کشمیری، مقام سہ گاہ مرتب یوسف شاہ چک بادشاہ کشمیر در سال ۹۸۱ھ ہجری

کشمیری زبان کے محقق اور نقاد نندہ لالہ کو یہ سُن کر ضرور رنج ہوگا کہ ''حبہ خاتون'' کی سوانح عمری معہ ترجمہ وتشریح کلام آج کل انگریزی میں زیر نگرانی جناب ٹیگور شانتی نکین میں شائع ہو رہی ہے[1]۔ اس میں غزل مندرجہ صدر کی پوری تشریح درج ہے۔ باقی رہا مہجورؔ کا مصرعہ زیر بحث، اس کا مفہوم نہایت بلند اور پاکیزہ ہے۔ اگر نندہ جو کو سننے کا شوق ہے تو وہ شاگردانہ حیثیت سے جناب مہجورؔ کاشمیری کے پاس نہیں، بلکہ میرے پاس حاضر ہو جائے اگر میں اس کو قائل نہ کرا سکا تو مبلغ دس روپے ہرجانہ ادا کروں گا۔

''کلام مہجورؔ کی مقبولیت کے متعلق نندہ لالہ نے یہ دلیل پیش کی ہے کہ:۔

''مہجور کا کلام آسان ہے اور راگ (ترنم) سے پُر۔ اس لئے لوگوں کو پسند ہے اس میں کانوں کا سکھ ہے علمی خوبی نہیں۔''

نندہ لالہ کے لئے لازم ہے کہ وہ پہلی فرصت میں کسی اچھے ڈاکٹر سے اپنے دِماغ کا ملاخطہ کرائے کیوں کہ ان کے بے ربط اور پریشان کلام سے شُبہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کو مالی خُلیا کی علّت پیدا ہوئی ہے۔ پہلے اس بات کا رونا رویا گیا ہے کہ کلام مہجورؔ مشکل اور فارسی سے پُر ہے۔ کوئی کشمیری اس کے اشعارے کے معانی ومطالب نہیں سمجھ سکتا۔ پڑھنے والے کو قیامت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ دوراز کار اور غیر مانوس فارسی الفاظ جابجا استعمال کئے گئے ہیں۔ ملکی زبان کو برباد کر رہا ہے۔ کلام محض بے ہودہ ہے۔ ایسی شعر گوئی تو ایک بچہ بھی کر سکتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اب کہتا ہے کہ'' کلام آسان ہے اور اس میں ترنم ہے''

غزل کی مقبولیت میں راگ اور ترنم کو ضرور دخل ہے۔ مگر یہی ایک وصف تنہا غزل

کی ہردلعزیزی کا ذمہ دار نہیں ہو سکتا کشمیری شاعروں کی ہزارہا غزلیں ملک میں موجود ہیں۔ کیا ان میں سے کسی ایک غزل میں بھی ترنم نہیں؟ کیا وجہ ہے کہ کلام مہجورؔ کی طرح ملک میں ان کی گونج نہیں؟ نندہ جو کے استادِ ازلی ''غفار کا وہ ڈاری کے پیش رو رباب نواز شاعر ہر روز سری نگر کے گلی کوچوں میں ساز و سامان اور سر تال کے ساتھ لوگوں کو اپنا طبع زاد کلام سنایا کرتے ہیں۔ کیا اس میں ترنم نہیں؟ کیا وجہ ہے کہ لوگ ان غزلوں کو یاد کر کے اپنی جگہ اپنا شوق پورا نہیں کرتے؟ مہجورؔ پیشہ ور شاعر نہیں، نہ اس کو گانا آتا ہے اور نہ اپنا کلام لوگوں کو سناتا ہے، نہ اس کو اتنی فرصت ہے کہ وہ لوگوں کو اپنا کلام یاد کرائے یا یاد کرانے کی ترغیب دے۔ بہ ایں ہمہ اس کے کلام کی مانگ اور قدر و منزلت دن بدن بڑھ رہی ہے۔ کشمیر کے چھوٹے بچوں کی زبانوں پر اس کے اشعار بے اختیار جاری رہتے ہیں، نندہ لالہ کے سر پیٹنے سے کیا ہوگا۔

مہ فشاند نور و سگ عو عو کند

نندہ لالہ مہجور کی علمی قابلیت کے متعلق کہتا ہے کہ تعلیم یافتوں کی شاعری اور ہے گُلستان بوستان پڑھ کر شاعر بننا اور بات۔ ایسی شاعری تو ایک بچہ بھی کر سکتا ہے۔''

یہ درست ہے کہ صحیح شاعری تو گریجوٹ بن کر ہی آتی ہے۔ آیندہ اگر کسی کو ذوق شاعری ہو تو وہ سری نگر کے پرتاپ کالج سے اس فن کو حاصِل کرے، وہاں ٹرینگ مِلتی ہے کہ کس طرح ''غفار کا ڈاری'' کے شاعرانہ سرمایہ پر ڈاکہ مارنا چاہے۔ اگر نمونہ دیکھنا ہو تو ہمارے ملک کے جعفر زٹلی'' اور ہمارے کالج کے طِفلِ بے شعور شاعر کی تازہ غزل ''نازل'' کا ملاحظہ بہ غور کیا جائے۔ کیا تاریخ دان نندہ جو بتا سکتا ہے کہ اس کے پسند کردہ شعرا حبہ خاتون'، مِسز بھوانی داس، پرمانند نور الدین کی تعلیمی کوالیفیکشن کیا

ہے؟ کس کالج سے انہوں نے سندیں حاصِل کی ہیں؟ اور کب تک وہ بی ۔اے سٹوڈنٹ رہے ہیں؟ ممکن ہے کہ نندہ لالہ ان کا زاہد و عابد اور خدادوست ہونا ان کی بزرگی کی سند میں پیش کرے ۔مگر اس طفل ہیچمداں کو معلوم ہونا چاہے کہ فن شاعری اور چیز ہے زاہد و عارف ہونا اور چیز۔

غزل کے لوازمات، زبان کی فصاحت وسلامت ،حسن ادا، جوش بیاں، سوز و گداز، تخیلات کی بلندی، ترنم ہیں۔ اگر غزل میں ان سامانوں میں سے کوئی سامان موجود نہیں ہے تو غزل مقبول نہیں ہوسکتی ۔ میر شاہ آبادی کے کلام میں یہ سب کچھ موجود ہے۔ مگر زبان ذرا نامانوس ہے، غزل ہمیشہ ملک کی مروجہ اور بازاری زبان میں ہونی چاہے۔ وہی قبول عامہ کا شرف حاصِل کرسکتی ہے مہجور کاشمیری نے غزل کے لئے مروجہ بازاری زبان اختیار کی ہے۔ ان کی ابتدائی دوتین غزلیں ضرور ریختہ گوئی کا نمونہ ہیں۔ وہ انہوں نے کشمیر کے شعراء متاخرین کے تتبع میں لکھی ہیں۔لیکن جلدی اس راہ سے قدم ہٹا کر اس نے اپنی شاعری کے لئے ایک نئی شاہراہ پیدا کرلی۔ کشمیری غزل میں آپ نے ہی نئی تشبیہیں ندرت وجدت، تخیل آفرینی، صنائع و بدائع اور نئے محاورات داخل کئے۔ کشمیری شاعری میں ملکی مناظر کی خوبیاں اور دل آویزیاں بیان کیں۔ غرض کشمیری شاعری کو ان باتوں سے روشناس کردیا جن کی اس میں کوتاہی اور کمی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ مہجور کی غزلیں انتہا سے زیادہ مقبول ہیں۔ اب تک شاید مہجور کی تیس ہی غزلیں شائع ہوچکی ہیں۔ یہی غزلیں ملک کے بچہ بچہ کی زبان پر جاری ہیں۔ اگر اس کلام میں مبہم، غیر مانوس، دوراز فہم اور نقل الفاظ ہوتے تو ہرگز یہ کلام اس قدر مقبول نہ ہوجاتا، بہر حال مہجور ہی وہ ہستی ہے جس نے موجودہ عہد میں کشمیری زبان

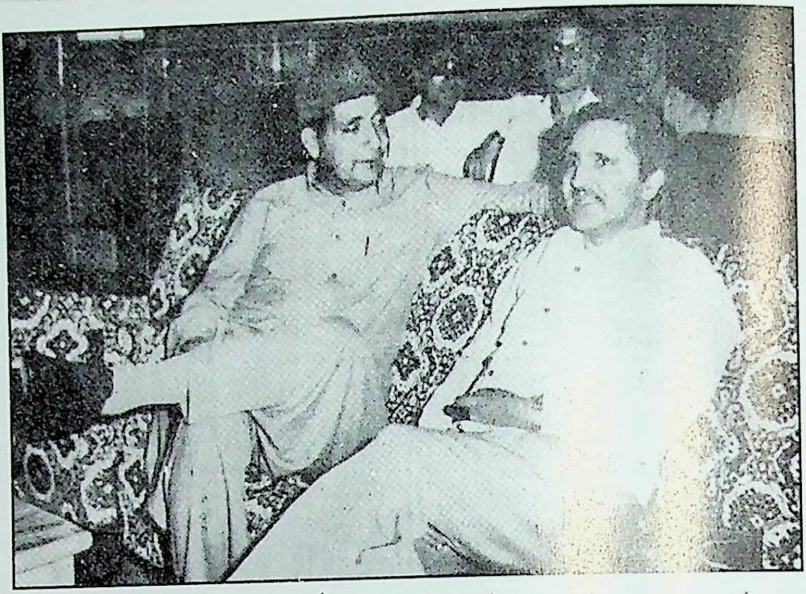
کو دوبارہ زندکیا۔ مہجور کے کلام کا ہی یہ معجزہ ہے کہ اہل ملک کے دل سے اپنی مادری زبان کی دیرینہ نفرت دُور ہوئی۔ کلام مہجور کو ہی یہ فخر حاصل ہے کہ اہل ملک کے علاوہ غیر ملکی گانے والوں نے کشمیری گانا یاد کیا اور شوق سے گایا کلامِ مہجور کا ہی یہ کمال ہے کہ کشمیر کے دار العلوم[1] کا ادبی رسالہ کشمیری حصہ شائع کرنے پر مجبور ہوا یہ اور بات ہے کہ کشمیری حصہ کا ''اڈی۔ٹر'' احسان فراموش اور کور مذاقی کا حق ادا کرتے ہوئے بجائے شکرگذاری کے بدزبانی اور تحقیر سے پیش آرہا ہے۔ کلام مہجور اہل کشامرہ کے لئے باعث فخر ہے ہر ایک پہلو سے پاکیزہ اور بلند ہے۔ نندہ جوان محاسن کو معائب کی صورت دے کر پبلک میں پیش کر رہا ہے۔ اس کا جواب مختصر الفاظ میں سوائے اس کے اور کیا ہوسکتا ہے کہ

چشمِ بداندیش کر برکندہ باد
عیب نماید ہنرش درنظر

☆

---

[1] اشارہ شری پرتاپ کالج کے میگزین (پرتاب) کی طرف ہے اُس وقت یہ کالج وادی کی سب سے بڑی درسگاہ تھا اور یہ رسالہ کشمیریوں کے ادبی اظہار کا واحد وسیلہ۔ (ٹینگ)



کل ہند اردو مشاعرے کے موقعہ پر وزیر تعلیم جناب علی محمد نایک سیکرٹری اکادمی جناب ٹمینگ صاحب
کے ساتھ۔



مشاعرے کی صدارت وزیر تعلیم جناب نایک صاحب نے کی۔ سٹیج سیکرٹری کے فرائض جناب مظہر امام
نے انجام دیئے۔ ان کے پہلو میں ایڈیٹر شیرازہ محمد احمد اندرابی ہیں۔



مائم شو — ایک منظر



آئینہ اتحادِ کشمیر

کشمیر کی پانچ صد سالہ تاریخ کی روشنی میں

یہ کتابچہ مہجور نے ۱۹۳۱ء کے اوائل میں تحریر کیا تھا اور ۲۱ جولائی ۱۹۳۱ء کو اسکا اشتہار شایع ہوا۔ اس سلسلے میں رقمطراز ہیں۔

''میں چونکہ فطرتاً ہندو مسلم اتحاد کا قائل ہوں میں نے اس تفرقہ کو تمام کشمیریوں کیلیے خطرناک تصوّر کر کے کشمیر کے ہندو مسلم اتحاد پر ایک کتاب بنام آئینہ اتحاد کشمیر لکھنی شروع کی۔ اس کتاب میں کشمیر کے ہندو مسلمان کے قومی اتحاد کی پانسو سالہ تاریخ پر منصفانہ تنقید و تبصرہ کے بعد اس کے مکمل وجوہات مسلّمہ فوائد اور موجودہ عہد کے وجوہات اور اس کے دونوں پہلوؤں کے نتائج پر بحث کر کے کشمیریوں کو اتحاد باہمی کی پُر زور تعلیم دی گئی۔ یہ کتاب خاتمہ کے قریب تھی کہ سرینگر میں ۱۳ر جولائی ۱۹۳۱ء کا افسوسناک واقع پیش آیا''

کتاب اب تک غیر مطبوعہ ہے ہم نے کوشش کی تھی کہ پوری کتاب کو شائع کیا جائے لیکن وارثانِ مہجور سے ہمیں پہلے دو ابواب سے یہ اقتباسات ملے جنہیں شائع کیا

جارہا ہے۔ یہ کتاب کشمیریوں کی قومی رواداری کے بہت سے پہلو روشن کرتی ہے۔ یہ ڈرامے کے روپ میں تحریر کیا گیا ہے اور اس لحاظ سے مہجورؔ کے فن کی ایک اور جہت پیش کرتا ہے۔ کیا عجب کبھی یہ سٹیج پر بھی پیش ہو جائے۔............ادارہ

غلام احمد مہجورؔ

آئینہ اتحادِ کشمیر

میرے اس واقعہ کو ۱۲۳۴ء ہجری سے تعلق ہے۔ یہ وہ سال ہے جبکہ کشمیر زیر حکومت افاغنہ تھا اور اس وقت کابل کے تخت پر محمود شاہ درانی نبیرہ احمد شاہ ابدالی جلوہ افروز تھا اور تاج کابل کی طرف سے سردار محمد عظیم خان صوبیدار کشمیر تھا۔ کشمیر کا دارالخلافہ اسوقت بھی قلعہ شیر گڈھی میں تھا جو کہ آج سے پچاس سال پیشتر امیر خان جواں شیر کے ہاتھوں تعمیر ہوا۔ دریا بہت کے کنارے خشت و چوب کی بلند عمارتیں تھیں۔ جن پر چونہ کی سفیدی کا پلستر تھا۔ دروازوں اور دریچوں کو کشمیر کے کاریگروں نے صنعت نقاشی سے نہایت دلفریب بنایا تھا۔ اسی میں کشمیر کا خود مختار صوبیدار سردار محمد عظیم خان اجلاس کر رہا تھا ایک بلند و بالا چبوترہ پر ایرانی قالینوں کا فرش تھا اور دریا کی طرف ایک مرصع تخت سونے اور چاندی کی ملمع کاری کا اعلیٰ نمونہ تھا۔ صوبیدار نہایت

شان و تجمل سے بیٹھا تھا اور دائیں طرف سرداران کابل سردار عبداللہ خان اچک زئی سپہ سالار کشمیر سردار روح اللہ خان وزیر اعظم سردار فتح محمد خان۔ سردار سلطان محمد خان ۔سردار خان سردار عبدالرحمان خان۔ سردار امیر محمد خان۔ سردار ولی خان۔ آخون زادہ ملا رفیق۔ عالم دربار اور بائیں طرف عہدہ داران والا شان دیوان پنڈت، سہج رام در، مدار المہام صوبہ کشمیر پنڈت واسہ کاک ہرکارہ (سپرانٹنڈنٹ پولیس) ملا عبدالخالق مصاحب دربار، مولوی نظام الدین محمد مولوی امیر الدین کلان قاضیان کشمیر پنڈت بیر در۔ پنڈت میرزادہ پنڈت سوکھ رام افسران وصولی مالیہ نہایت ادب سے بیٹھے ہوئے تھے۔ تخت کے چاروں طرف لمبی داڑھی اور مونچھوں شاغاشی گول عمامے اور اونچی زرین کلاہیں۔ لمبی قبائیں اور تیغ و تلوار سے آراستہ سپاہی کھڑے تھے اور اسی طرف سے تخت کے بائیں والے دروازہ کے باہر ڈیوڑھی پر بھی ایسے ہی سپاہ کھڑے تھے تمام دربار میں سناٹا تھا رعب جلال سے کوئی آنکھ بھی نہیں ہلا سکتا تھا۔ دربار کی زبان فارسی تھی۔ آخر صوبیدار نے دیوان سہج رام کو مخاطب کر کے یوں فرمایا۔

صوبیدار :۔ میں نے حکم دیا کہ نسبت وصولی مالیہ ایک رپورٹ میرے پیش ہونی چاہے۔ کیا وہ رپورٹ مکمل ہے

دِیوان صاحب :۔ قبلہ عالم (ایک جزدان میں سے چند کاغذ کے فرد نکال کر) حساب مکمل ہے پیش حضور کرتا ہوں۔

صوبیدار :۔ بتاؤ کیا حساب ہے کس قدر مالیہ سرکار وصول ہوا ہے اور کسقدر باقی ؟

دیوان صاحب :۔ ظل سبحانی۔ بروئے تشخیص جس قدر مالیہ مقرر ہوا تھا۔ وہ تو ادا

ہو چکا ہوا ہے۔ صرف ایک لاکھ روپے بقایا رہتا ہے جو کہ تاہنوز وصول طلب ہے

صوبیدار:۔ ذرا تعجب سے) ایک لاکھ روپے! یہ کس کے پاس باقی ہے؟

دیوان صاحب:۔ جہاں پناہ (پنڈت بیردر پنڈت میرزادہ پنڈت سوکھ رام کی طرف اشارہ کر کے) اہلکاران دفتر دیوان حاضر ہیں

(اس پر ہر سہ پنڈت صاحبان استادہ ہوتے ہیں اور آداب بجا کر پنڈت بیردر یوں عرض کرنے لگتا ہے)

بیردر:۔ قبلہ عالیاں۔ بروئے تشخیص جسقدر مالیہ مقرر ہوا ہے وہ زمینداراں سے وصول ہو کر داخل خزانہ سرکار کیا گیا ہے۔

صوبیدار:۔ بروئے کاغذات سرکار جب تمہارے ذمہ بقایا نکلتا ہے تو ہم نہیں سمجھتے کہ تمہاری تقریر کا کیا مطلب ہے؟

بیردر:۔ خداوند (پنڈت سوکھ رام کے جزدان سے ایک فرد ہاتھ میں لیکر) جسقدر وصولی زمینداراں سے ہوئی ہے وہ رقم داخل خزانہ کر چکا ہوں۔ اگر اس میں سے ایک کوڑی بھی فقیر کے ذمہ باقی نکلے گی تو حضور کو میرے جان و مال پر اختیار ہے۔

صوبیدار:۔ (دیوان سہج رام کی طرف دیکھکر) میں بیردر کے مطلب کو نہیں سمجھ سکا۔

دیوان سہج رام:۔ حضور انورا! جو تشخیص مالیہ کا مقرر ہوا ہے اس پر جسقدر رقم وصول ہوئی ہے۔ اس کو مہیا کر کے ایک لاکھ روپیہ باقی نکلتا ہے۔ مگر پنڈت صاحب وہی رقم قابل ادائے تصور کرتے ہیں جو ان کو ملک سے وصول ہوئی ہے باقی ماندہ رقم کے لئے ان کو جواب ہے کہ وہ قابل وصول نہیں ہے معاف ہونی چاہے۔

سردار روح اللہ وزیر:۔ جو رقم بروئے تشخیص مقرر ہوئی ہے اس کا وصول کرنا عملہ دیوانی کا فرض ہے اگر سالم رقم وصول نہیں ہوئی تو وہ عملی دیوانی کی کوتاہی ہے۔ معاف کس طرح ہوسکتی ہے۔

بیر در:۔ جناب وزیر صاحب ۔سال گزشتہ میں بوجہ قبل از وقت بارش برف کے فصل خام رہا اور پختہ نہیں ہوا۔ زمیندار مفوک الحال تھے۔ ایسی صورت میں تشخیص کے برابر وصول نہ کہہ سکی۔

صوبیدار:۔ یہ عذر نامعقول اور بعد از وقت ہے سال گزشتہ کا فصل درو ہونے کے وقت ایسی کوئی رپورٹ ہمارے پیش نہیں ہوئی عرصہ دراز گزر چکا ہے۔ اب معاف نہیں ہوسکتی۔

بیر در:۔ حضور والا۔ میر چودھریاں مقدیاں وقانون گویاں نے بروقت رپورٹیں کیں اور یہ خاکسار بھی وقتاً فوقتاً گذارش کرتا رہا۔ بعد از وقت نہیں ہے۔

صوبیدار:۔ جو تشخیص مقرر ہوا ہے اس رقم کی ادائیگی کے تمام ذمہ دار ہیں۔ مگر آفات ارضی وسماوی سے منجاب اللہ ہیں اس کی تو بہر حال مجرائی ہونی چاہے۔

جاری..........

باب دوئم

تین یوم سے فوج قزلباش بیردر کے مکان پر وصولی بقایا کیلئے تعینات ہے۔قانون مروجہ کے مطابق سپاہیوں کے گھوڑوں سے اترنے کا طلبانہ فی کس ایک ایک روپیہ بیردر کوادا کرنا پڑااور وصول بقایات تک ان کے اخراجات کا ذمہ دار ہے اور جب تک وصول نہ ہوگی سپاہی واپس نہیں جائیں گے۔شام کیوقت یکے بعد دیگرے چند پنڈت صاحبان روسا شہر پنڈت بیردر کے مکان پر آئے اور تھوڑی دیر میں ایک خاص کمرہ میں ایک پرائیوٹ مجلس منعقد ہوئی۔اس مجلس کے ممبر حسب ذیل تھے۔

پنڈت بیردر۔پنڈت مرزادر پنڈت سکھ رام پنڈت راجہ کاک در۔پنڈت تلک چند منشی پنڈت گنبہ در۔پنڈت سورج بھان پنڈت کول بھان پنڈت ہمت جوفوطہ دار۔پنڈت شنکر جوکوترو۔مجلس میں اداسی اور مایوسی چھائی ہوئی ہے سب اہل مجلس پریشان اور مغموم نظر آتے ہیں خاموشی چھائی ہوئی ہے کوئی زبان نہیں ہلاتا۔آخر پنڈت مزادر نے خاموشی ان الفاظ سے توڑ دی۔مرزادر:۔آج صبح کے وقت میں

شیر گڑھی میں گیا تھا۔ صوبیدار نے مجھ سے پوچھا کہ بیر در کہاں ہے اور بقایا اس نے کیوں ادا نہیں کیا۔ میں نے کہا کہ گھر پر ہی ہے اور رقم کی تلاش میں سرگردان ہے تہی دست ہے کوئی اس کو اس وقت قرضہ بھی نہیں دیتا۔ صوبیدار نے کہا کہ شاید وہ بھاگنے کا ارادہ رکھتا ہوگا۔ میں نے کہا کہ حضور انور جیسے بادشاہ سے کہاں بھاگ جائے گا۔ یہ کسی نے حضور کو غلط اطلاع دی ہے۔ اس کو حضور کے رحم و کرم کی بڑی امید ہے۔ غریب نان شبینہ کا محتاج ہے۔ اس سرو موسم میں کہاں بھاگ جائے گا۔ حضور مطمئین رہیں۔ خدانخواستہ اگر وہ بھاگ بھی گیا تو یہ عاجز ذمہ دار ہے بہر حال ان الفاظ سے صوبیدار مطمئین اور متلی ہوا۔

پنڈت بیر در:۔ صوبیدار کو یہ بات ذہن نشین ہے کہ رعایائے کشمیر عموماً اور پنڈتاں کشمیر خصوصاً مجھ سے ناراض ہیں اور کشمیر میں کسی نئی حکومت کے دیکھنے کے خواہشمند ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ ہم پر تنگ طلبی کرتا ہے اور ہماری حرکات و سکنات کو بدگمانی کی نگاہوں سے دیکھتا ہے۔

پنڈت سکھ رام:۔ ممکن ہے کہ صوبیدار کے موجودہ جابرانہ سلوک علت غائیتی ہے۔ سازش اور بغاوت کا خیال ہو۔ مگر میرا تو ذاتی تجربہ ہے کہ صوبیدار حد سے زیادہ لالچی اور حریص ہے۔ محض پیسہ ٹبورنے کے لئے یہ سختی کا سلوک کر رہا ہے۔

پنڈت مرزا:۔ بے شک صوبیدار طامع ہے۔ مگر حصول زر کے لئے وہ بھی کئی ذرائع اختیار کر سکتا تھا کیا یہ غلط ہے کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ والئی پنجاب کو کشمیر فتح کرانے کی یہی قوم باعث تھی۔ اگر صحیح نہیں تو قتل دیوان ہیرا داس کے کیا وجوہات ہیں (یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ دیوان سہج رام مدار المہام کشمیر مجلس میں داخل ہوئے۔ سب لوگ

تعظیم کیلیئے سر وقد استادہ ہوئے نمستے ونمسکار اور خیرت وعافیت دریافت کرنے کے بعد دیوان صاحب کو اوپر کی گفتگو کا ماحصل سنایا گیا اور وہ یوں گویا ہوئے۔

سہج رام دروصاحبان! زیادہ باتوں سے کیا فائدہ ہے صوبیدار ہمارے خون کا پیاسا ہے وہ ہمیں کشمیر کیا صفحہ ہستی سے معدوم کرنا چاہتا ہے مہاراجہ رنجیت سنگھ نے کشمیر پر کیا چڑھائی کی، گویا ہم کو مصیبت میں گرفتار کیا۔ اگر وہ کامیاب ہو جاتا تو شائد ہم کو اس طوفان سے نجات مل جاتی

پنڈت سورج بھان:۔ کشمیر میں پہلے ہی ہماری آبادی آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ ایسا خونخوار حاکم اگر ارادہ کرے تو دونوں میں ہماری صفائی ہوسکتی ہے۔ موجودہ تظلمات ہماری تباہ کے لئے کیا کم ہیں۔ اگر یہی لیل ونہار رہے تو تھوڑے عرصے کے اندر کشمیر میں پنڈتوں کا نام ونشان نہ رہیگا

دیوان سہج رام:۔ افغان حکومت صرف پنڈتوں کے لئے ہی زہر ہلال نہیں ہے کشمیر کے مسلمان بھی ان کے تظلمات سے نیم جان ہو رہے ہیں یہ ایسے خود غرض ہیں کہ بوقت ضرورت مذہبی رعایت کو بالائے طاق رکھتے ہیں میرے خیال میں یہ ہم پر اس لئے سختی نہیں کرتے کہ ہم ان سے مذہباً جدا ہیں اور کشمیر کے مسلمان بوجہ ان کے ہم مذہب ہونے کے ان سے پُر امن زندگی بسر نہیں کرتے۔

............جاری

ناول عزیز
چند اوراقِ منتشر

مہجور کے ایک اردو ناول ''عزیز'' کا اشتہار ان کی ایک تالیف میں چھپا تھا جس کی عبارت یوں ہے:

''ایک کشمیری رئیس زادے کی عیاریاں

قیمت..........۴''

اس کے جو مسودات مہجور کے کاغذات میں موجود ہیں ان کی ابتداء باب سوئم سے ہوتی ہے۔ یہ باب اُن کے مسودے میں کاغذ کے نصف سے شروع ہوتا ہے، اس کے اوپر یہ ادھیری عبارت درج ہے۔

''بعد ایں وایں عزت و آبرو اور خاندانی جاہ و حشم کو ایکدم خیر باد کہہ کر اس قدر تکلیف اپنے سر پر لیتا ہے اور ذرا بھی کسی کی پروا نہیں کرتا۔

اے عشقِ تو نے اکثر قدموں کو کھا کے چھوڑا

جس گھر سے سر اٹھا دیا اور اسکو رولا کے چھوڑا ہے

راجوں کے راج چھینے، شاہوں کے تاج چھینے
گردن کشوں کو اکثر نیچا رکھا کے چھوڑا
جس راہ سے میں بیٹھا تو غول راہ بن کر
صنعاں سے راست رو کو رستہ بھلا کے چھوڑا
فرہاد و کوہکن کی لی تو نے جانِ شیریں
اور قیس عامری کو مجنون بنا کے چھوڑا

(مولانا جامی)

مسودے کا کاغذ خستہ ہو گیا ہے اور یہ آمیزی خط میں لکھا گیا ہے۔ اور یہ باب پنجم کے اس جملے تک بیانیے کو لے جاتا ہے۔

''............کولگام کی طرف لے جاتے تھے۔ نمبر دار صاحب کے تمام اہل خانہ'' ظاہر ہے کہ اسکے پہلے دو باب، باب پنجم کا کچھ حصہ اور اس کے بعد کے نامعلوم حصے ضائع ہوئے ہیں۔ بہر حال ہم اس کو یادگار کے طور پر اسی نامکمل صورت میں شائع کرتے ہیں اور چونکہ یہ طبع شدہ صورت میں نہیں ملتا لہٰذا اسے غیر مطبوعہ حصے میں ہی شامل کرر ہے ہیں۔

(ادارہ)

☆

غلام احمد مہجور

ناول۔عزیز

باب
جذبہ عشق

اُلفت کا تب مزا ہے کہ وہ بھی ہوں بے قرار
دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی

موسم گرما اور چار بجے کا وقت۔مسافران راہرو دور منزلوں سے آکر منزل مقصود کو پہنچے ہوئے ہیں اور اپنی تھکاوٹ دُور کررہے ہیں اور ٹھنڈے پانی اور شربت انار سے پژمردہ دلوں کو تروتازہ کرتے ہیں۔دفتروں کے ملازم دن بھر کے تھکے ماند اس وقت چھٹی پاکر تفریح کو ٹھنڈی سڑکوں پر چلتے ہیں اور قدم نہایت آہستہ چلاتے ہیں۔یورپین شوقین مزاج جنٹلمین اپنی نازک بدن لیڈیوں کو ہمراہ لے کر باغوں اور تنہا رستوں پر نہایت نزاکت سے چلتے ہیں۔مزدور اور کم مایہ لوگ اپنے اہل وعیال کے لئے ساگ ترکاری اور اشیائے خرردونوش لے کر گھروں کو جاتے ہیں۔بلند خیال اور نازک دِماغ لوگ دِن بھر کی شِدت گرمی سے چونکہ بے ہوش ہوئے ہوتے ہیں۔اس لئے اس وقت چند ہی دِل بہلانے کو سیر وسیاحت کو جاتے ہیں۔ہم اس وقت اپنے معزز ناظرین کو اس سڑک کی سیر کرانا چاہتے ہیں جو کہ سری نگر سے قصبہ

ماگام کو جاتی ہے۔اس سڑک کے دونوں کناروں پر بید کے درخت دورویہ نصب ہیں ۔گویا سبز پوش دو۲ پلٹنیں کسی کی آمد پر باقاعدہ کھڑی ہیں ان درختوں کا سایہ سڑک پر پڑا ہوا ہے اور درختوں کے پیچھے دورَو پانی چلتا ہے اور خاصہ دو آبشار ہیں۔اس پانی کی صدا سے اور بھی دِل کو فرحت پیدا ہوتی ہے۔پرندے دن کو پہاڑی کشت زاروں سے سیرِ شکمی کر کے اس وقت ان درختوں پر ٹھنڈی کا حظّ اُٹھانے کے لئے روز پانی پینے کے لئے جوق در جوق آتے ہیں۔جب اِن کے پژمردہ دِلوں کو ٹھنڈی ہوا موثر آتی ہے تو ثنائے ایزدی کے گیت نہایت موثر لہجہ میں شروع کرتے ہیں۔اس وقت یہ سڑک بہرصورت قابل دِید ہے۔برسوں کا غم منٹوں میں کافور ہوتا ہے۔معزز ناظرین یہاں سے ہمارے ناول کی ہیروئن پیاری جان کا مسکانِ رہائش بالکل نزدیک ہے اور ہم عرصہ سے اس کی حالت سے بے خبر ہیں۔چونکہ وہ جگہ بہ لحاظ آبشار وسبزہ زار ہوائے خوشگوار کے قابل دِید ہے۔پھر بستر پر ہوا کیا ہمارا مسٹر کمرہ سے باہر نکلا اور مستانہ وار صحنِ مکان میں آیا۔یکدم بدن کے تمام کپڑے پھاڑ ڈالے اور دیا سلائی لگا کر سب کو جلا کر راکھ کر دیا۔خاندان کے تمام خورد وکلاں اس حسرتناک واقعہ کو دیکھ رہے تھے مگر کسی کو جرائت نہ ہوئی کہ وہ اس کے نزدیک جا کر اسکو اس فعل سے باز رکھتا۔اس وقت اس کی تصویر غضبناک تھی ۔آنکھوں سے آگ برستی تھی اور گلابی رُخساروں پر سے آگ کے شعلے اُٹھتے تھے۔گویا اس کا سارا بدن اس وقت ایک آتشی تصویر تھا۔اول تو قدرت نے ابتدا سے ہی اس کے چہرہ میں رُعب رکھا ہوا تھا۔اس کے علاوہ اس وقت اس کے بدن میں تین آگ اکٹھے شعلہ زن تھی۔اول آتش جوانی۔دوم آتش عشق،سیوم آتش غضب۔بھلا ان تین آتشوں کا کون ذی عقل مقابلہ

کر سکتا تھا۔ مختصر تمام اہلِ خانہ پر سکتے کا عالم طاری ہوا۔ دیکھتے حیران رہ گئے ۔ ہمارے مسٹر نے کپڑے تو سب کے سب جلا ڈالے اور ایک لٹھے کی سفید چادر کو درمیان سے چاک دے کر کفنی کی صورت میں زیبِ تن کیا اور نیچے ایک لنگوٹا باندھا۔ سر برہنہ اور ننگے پاؤں شیر شیرازہ کی طرح صحرا کا راستہ لیا۔ بقول کسے

بہار آئی گھروں سے وحشیوں کے قافلے نکلے

جو سر بجنے لگا آوازہ چاکِ گریبان کا

اگر چہ اس واقعہ جاں فرسا سے تمام خاندان کانپ اٹھا مگر تاہم ہمارے مسٹر کے والد مکرّم نے از روئے شفقت وحکمت عملی سے اس راز کو گھر کی چار دیواری سے باہر نہ جانے دیا۔ اس وقت ہمارے مسٹر کے والد مکرّم تحصیل کی کچہری پر رونق افروز تھے ۔ مسٹر کی اس حرکت کی تو اُن کو اطلاع دِی گئی مگر اصلیت سے ان کو ناواقف ہی رکھا ۔ صرف حرارت دماغ اور نازنین طبیعت کی تاویل کر کے ماجرا ان کے گوش گزار کیا گیا۔ انہوں نے نوکروں کو حکم دیا کہ اس کو فوراً واپس لے لو۔ چونکہ مسٹر کی غضبناک حالت کا مُشاہدہ تمام نوکر کر چکے تھے اور ان کا آتشی فوٹو زیرِ نظر تھا۔ اس لئے سبوں نے ہاتھ جوڑ کر معذرت کی۔ آخر از روئے شفقت پدری بہ نفس نفیس اسپ گلگوں پر خود سوار ہوئے اور قیس زمان ِمسٹر عبدالعزیز کا تعاقب کرنے لگے۔ قصبہ ناگام کے جنوبی حصہ میں ایک پہاڑ اور کریوہ ہے۔ ہمارے ِمسٹر جو کہ قیس بیابان کے نقش قدم پر چلنے کو گھر سے نکلے تھے۔ نجد کی یادگار ہیں اسی پہاڑ پر پہلے چڑھ گئے اور ننگے پاؤں خارزار کریوہ کی صحرانوردی کرنے لگے۔ سُبحان اللہ۔ یہ وہی ِمسٹر عبدالعزیز صاحبزادہِ زماں ہے جسے اگر ایک میل سے زیادہ پیدل چلنا پڑتا تو پاؤں میں چھالے پڑ جاتے تھے اور ملازم

ورفیق طرح طرح کے سازوسامان اور اسباب خوردونوش لیکے ساتھ ہوتے تھے۔ستیاناس ہو تیرا اے عشق! کون ہے جو تیری طمع سے مانندنہیں ہے۔کس ملک پر تم نے قبضہ نہیں کیا؟ کس شاہی خاندان کو تم نے اپنے نشتروں سے بچایا؟ شاہراداں زمان کو نگری کا محتاج بنایا۔شالہ ماروں کو خارزار بنادیا۔غرض تیرے ظالمانہ برتاؤ سے ایک عالم کانپ اُٹھا ہے۔

القصہ ہمارے ناول کے ہیرو مسٹرعبدالعزیز کے والدِ بزرگوار کریوہ کی صحرانوردی کرتے کرتے تلاش فرزند میں بہت دُور تک پہنچ گئے۔آخرایک مسطح اور بلند میدان میں اپنے عزیز کو پایا۔اورنہایت پیار اور محبت سے گھر کی طرف لایا۔راستہ میں ہر چند انہوں نے اس سے وجہ صحرانوردی پوچھی۔مگر جواب سے جواب۔چونکہ خارزار میدانوں کے گشت سے ہمارے لاڈلے کے نازک ننگے پاؤں مجروح ہوئے تھے۔یہ حالت دیکھکر اسکے والد بزرگوار نے زارزار رویا اور اس کو نرم الفاظ میں نصیحت کرنے لگے اور گھر میں لاکر پہلے اس کو کچھ کھلایا پلایا۔پھر کپڑے بدلانے کے لئے دئے۔مگر اس نے کپڑے پہننے سے صاف انکار کیا۔والد صاحب تو باہر اپنے کام پر چلے گئے۔ہمارا ہیرو بدستور تصورِ یار لے کر اسی رات والے کمرے میں تنہا چلے گئے۔اور کفنی پوش پر اپنے یار دلربا سے شکوہ کرنے لگے۔ماشاﷲ عشق میں کس قدر یاور ہے کہ ایک نوجوان امیرزادہ بھی اس کی گرفت سے نہ بچ سکا۔

☆

(باب چہارم)

کششِ عشق

کششے کہ عشق دارد بگذاردت بدنیساں
بجنازہ گرنیائی بمزار خواہی آمد

خطہ کشمیر جنت کا دارالخلافہ سرینگر ہے۔ یہ شہر ایک قدیمی اور تاریخی شہر ہے۔ عرصہ دراز سے دربار کشمیر کا پایہ تخت اسی شہر میں رہا ہے۔ شہر کے گرداگرد شاہی باغات نہایت آب وتاب سے واقع ہیں جو کہ بہشت بریں سے مشابہت رکھتے ہیں۔ شہر کے درمیان سے دریائے جہلم بہتا ہے اور اس کے دونوں کناروں پر آبادی ہے۔ شہر ہر طرح سے قابل دید ہے۔ اور اس کا جنوبی حصہ خصوصاً قابلِ دید ہے جس میں محلات شاہی اور یورپین کواٹر اور نیوفیشن کے بنگلے اور بازار واقع ہیں۔ اس حصہ کو امیرا کدل کے نام سے پکارتے ہیں۔ اس وقت ہم اپنے ناظرین کو امیرا کدل کے اس حصہ کی سیر کرانا چاہتے ہیں جو کہ خاص امیرا کدل سے بطرف غرب واقع ہے۔ اس طرف کے کشمیری مکان اچھے خوبصورت ہیں۔ سامنے کے عالی شان مکان میں سے گانے بجانے کی آواز آتی ہے۔ ناظرین! چلئے ہم بھی ذرا گانے بجانے سے دل بہلائیں۔ غالباً عام جلسہ ہے۔ اوپر جانے کی کوئی ممانعت نہ ہو گی۔ مگر پہلے یہ دریافت ہونا چاہے کہ گانا بجانا کس تقریب کا ہے۔ وہ دیکھو سامنے دو شخص آپس میں

کچھ باتیں کررہے ہیں۔ آگے چل کر سنیں گے شاید کچھ پتہ لگ جائے۔

ایک شخص: کیوں بھائی۔ یہاں کیا ساز وسرور ہورہا ہے؟

دوسرا شخص: اس گھر والے کی پھچلک لڑکی تھی۔ اس کی ایک جگہ شادی کی گئی۔ آج رات کو یہاں برات آئے گی۔ اسی تقریب پر یہ ساز وسُرور ہے۔

پہلا شخص: ٹھیک! ٹھیک!! اب میں سمجھ گیا۔ مگر......

دوسرا شخص: مگر کیا۔۔ مگر تو مہینے کا نام ہے

پہلا شخص: کچھ نہیں۔

دوسرا شخص: نہیں یار کچھ تو ضرور ہے

پہلا شخص: یار کیا کہوں۔ لوگوں کی عیاری اور چالاکی پر مجھ کو حیرت آتی ہے۔ مگر یاد رکھنا کہ......

دوسرا شخص: بھئی۔ مجھ کو سمجھ نہیں آتی کہ اس لفظِ مگر میں کیا جادو ہے۔ یہاں پہنچتے ہی تیری زبان رک جاتی ہے۔ یاد رکھوں گا۔ کچھ تو فرماؤ۔ ناحق مجھ کو اضطراب میں ڈال دیا

پہلا شخص: اس لڑکی پر ایک عالی پایہ نوجوان جو کہ جاہ وجلال سے رستم روزگار بلکہ شیر شیرازہ ہے۔ عرصہ سے مفتوں ہے۔ مگر اس کے والدین نے عیاری سے دوسرے کے ساتھ اس کا نکاح باندھا۔ اگر اس آفت کے پرکالے کو اس واقعہ کی خبر لگی تو کوئی نہ کوئی ستم برپا کریگا اور یہاں کوئی تماشہ ہوگا۔

دوسرا شخص: چل یار ہم بھی ذرا دیکھ لیویں کہ وہ کیسی حُسن کی دیوی ہے جس کے

لئے اس قدر فتنہ ہا برپا ہونے کا احتمال کیا جاتا ہے۔

یہ دونوں شخص اس گفتگو کے بعد مکان کے اوپر چلے گئے۔ ہم بھی اپنے ناظرین کو ساتھ لئے ہوئے دبے پاؤں اوپر جاتے ہیں۔ دیکھو دَر پردہ کیا ہے۔ اوپر کے بڑے بڑے کمرے میں چند عورتوں کے درمیان جولڑکی بیٹھی ہوئی۔ یہی دلہن ہے۔ اگرچہ اس کے کپڑے معمولی ہیں مگر اس سادگی میں رافعی حُسنِ خداداد بےنظیر ہے۔ آج تک میری نظر سے ایسی کوئی پری تمثال نہیں گزری ہے۔ چونکہ ہم غیر واقف ہیں۔ اس لئے اس کے نزدیک جانا ناممکن ہے۔ ورنہ ہم اس مہ جبین کو اچھی طرح سے دیکھ لیتے۔ لیکن دُور سے ہی ازروئے قیافہ معلوم ہوتا ہے کہ اس زُہرہ جبین کو ضرور کوئی غم دامنگیر ہے۔ کیونکہ دل کی کیفیت جبین سے ضرور نمایاں ہوتی ہے۔ آج اس کی شادی ہے اس کے رخساروں پر قدرسے غازہ بشاشت کا چاہے تھا۔ بخلاف اس کے گلابی گالوں پر زعفرانی چڑھی ہوئی ہے اور نہایت حسرت سے آہِ سرد نکالتی ہے اور کمرہ کے صحن والے طاق سے بار بار نیچے کی طرف دیکھتی ہے جس سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ کسی کے انتظار میں ہمہ تن چشم براہ منتظر ہے۔ اسی اثناء میں صحن خانہ سے ایک گداگر کی آواز آئی۔ دُلہن نے آواز سُنی۔ طاق سے نظر ماری، گداگری کی طرف دیکھتے ہی نیچے اتر آئی۔ اگرچہ ساتھی عورتوں نے بھی اس کے ساتھ صحن میں اترنے کا ارادہ کیا مگر دُلہن نے ان کو ممانعت کی۔ اور خود اکیلی صحن کی ڈیوڑھی میں جا پہنچی جہاں کہ وہ گداگر تھا۔ دلہن نے نہایت آہستگی سے اس گداگر کے ساتھ چند باتیں کیں۔ جن باتوں سے ہم مطلق بےخبر رہے۔ گداگر فی الفور رفو چکر ہوا۔ دلہن واپس آئی مگر اس کے رخسار اب ہشاش بشاش ہیں اور اس کے چہرہ سے شادمانی کے

علامات ظاہر ہوتے ہیں۔ گویا ایک ہی منٹ میں اس کی طبیعت کی کایا پلٹ ہوگئی تھوڑی دیر دلہن موقعہ پا کر پھر نیچے اترائی اور آنکھ بچا کر غرب کا راستہ لیا اور خرمیدان کے مشرق کنارے سے پہنچی۔ یہاں پر وہ گداگر اور ایک دوسرا جنٹلمین اسلح پوش کمر بستہ ایک صبارفتار ادہم پر سوار تھا۔ ہم بھی اپنے ناظرین کو اس حیرت انگیز واقعہ کے تماشے کو ساتھ لئے اس دلہن کے پیچھے پیچھے آئے۔ نوجوان جنٹلمین گھوڑے پر پہلے ہی سوار تھا۔ دُلہن بھی آگے پیچھے نظر کر کے بلا گفت وشنید اسی جنٹلمین کے پیچھے اسی گھوڑے پر سوار ہوئی اور بلا درنگ جنوبی سڑک پر گھوڑا دوڑایا۔ اور ایسی تیزی سے گھوڑا چلایا کہ گرد کے بغیر نظر آیا۔ گداگر نہ معلوم کہ کس طرف کو جانکلا۔ معزز ناظرین! کیا آپ سمجھ گئے کہ یہ بدوالجمال پری تمثال دلہن کون تھی اور گھوڑے سوار جنٹلمین جو کہ اس کو لے بھاگا کون تھا؟ سنیئے کہ یہ ماہ رُخسار دلہن ہمارے ناول کی ہیروئن پیاری جان ہے۔ اور جنٹلمین سوار مسٹر عبدالعزیز ہیں۔ جب پیاری کی والدہ پیاری کو قصبہ ناگام سے سری نگر لے آئی تو یہاں پہنچ کر اس نے اکثروں کے ذریعہ پیاری کو سمجھوایا اور نوع نوع اور گوناگوں طریقوں سے اس کی دِلی خواہش کو تبدیل کرنا چاہا۔ بھلا وہ کس طرح اس کو اس دم سے چُھڑوا سکتی تھی جس نے اس کے دل پر پورا قبضہ کر لیا تھا۔ اُدھر تو پند ونصائح کا سلسلہ شروع تھا۔ ادھر مخفی طور ایک شخص سے اس کی شادی کا انتظام کیا گو دوسری کاروائی سے پیاری اچھی طرح واقف نہ تھی۔ مگر اس کے والدین کی سرگوشیوں سے اس کو شک ضرور ہوا تھا کہ ضرور کچھ ہونے والا ہے۔ کچھ تو پند ونصائح کے تیرباران سے اور کچھ اس دوسری کاروائی سے اس کی طبیعت اُداس ہوئی۔ اس پر غضب یہ ہے کہ پیاری کو اس کے والدین نے ایک ایسے مکان میں رکھا تھا جہاں کہ

کسی کی رسائی نہ تھی۔ اب سُنیے کہ ہمارے ناول کے ہیرو مسٹر عبدالعزیز کو جب پیاری کے سری نگر جانے کی خبر لگی تو اس کی جان خشک ہوگئی۔ خورد ونوش فراموش ہوا۔ خواب وآرام حرام۔ فوراً اپنے رفیق ہمراز لسی فقیر کو بول دیا اور دونوں روانہ سری نگر ہوئے۔ وہاں پہنچ کر پیاری کو تلاش کیا مگر کہیں پتہ نہ ملا۔ آخر لسی فقیر نے پوشاک گداگری اور بھیک مانگنے کا کشکول گلے پا کر سری نگر میں خانہ بہ خانہ کی گداگری کرنا شروع کی اور مِسٹر کو ایک کمین گاہ پر رکھا۔ علے الصباح سے لسی فقیر بھیک مانگتے مانگتے شہر کے ایک حصہ کو ختم کر کے امیراکدل کے اس مکان میں جہاں پیاری جان نے جب اپنے قدیمی قاصِد کی شکل دیکھی تو اس کی جان میں جان آ گئی۔ فوراً صحن میں آئی اور اس سے یوں گفتگو کیا:۔

لسی فقیر: اسلام علیکم

پیاری: وعلیکم السلام۔ کیوں کس طرح آیا مسٹر کہاں ہے اور اُس کا کیا حال ہے؟

لسی فقیر: تیری تلاش میں شہر کی خال چھان کر یہاں پہنچا۔ مسٹر بخیریت ہے۔ مگر تیرے ہجر نے بے ہوش کر دیا ہے۔ وہ بھی یہیں ہے اور تیری یاد میں بے قرار ہے

پیاری: بھئی کیا کروں۔ میں حقیر ہوں۔ میرا جگر اس کے فراق میں مانند ماہی بے آب تڑپتا ہے مگر کس طرح اس قید سے آزادی پاؤں؟

لسی فقیر: مِسٹر گھوڑے پر سوار ہے اور تم کو کہتا ہے کہ کسی حیلہ سے نکل آؤ۔ سوار ہو کر بھاگ جائیں گے۔

پیاری: وہ کہاں پر ہے۔ اس کے فراق نے میرا جگر پاش کر دیا اور کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ آہ! کب اُس کا چہرہ نازنین دیکھوں۔

لسی فقیر: خر میدان کے شرقی کِنارے پر تیرا انتظار کرتا ہے۔ کسی طریقہ سے نکل آؤ۔

پیاری: جاؤ تم بھی وہیں ٹھہرو، اگر خدا کو منظور ہو تو بیس منٹ کے اندر اندر وہاں پہنچوں گی مگر گھوڑے کا رخ جانب جنوب رکھو۔

اس گفتگو کے بعد لسی فقیر چلا گیا اور پیاری تھوڑی دیر کے بعد نظر بچا کر نکل آئی۔ اُدھر مسٹر عبدالعزیز ہمہ تن چشم براہ مضطر تھا۔ فوراً پیاری کو اپنے گھوڑے کے پیچھے چڑھا کر قصبہ ناگام کا راستہ لیا۔ اور تیز رفتاری سے آدھ گھنٹہ کے اندر پیاری کے سمیت قصبہ ناگام میں پہنچا۔ عاشق و معشوق منزل مقصود پر پہنچ کر ابھی تھکان ہی دور کر رہے تھے کہ پیاری کے والدین روتے پیٹتے سری نگر سے آ پہنچے اور ایک شور عظیم برپا ہوا۔ چونکہ یہاں پر ہمارے مسٹر کا جاہ و جلال مسلمہ تھا اس لئے پیاری کے وارثوں نے کوئی جبر کرنے کی جرات نہ کی اور پیاری کی والدہ پیاری سے یُوں ہمکلام ہوئی۔

والدہ: کیوں پیاری! تو سری نگر سے کیوں بھاگ آئی۔

پیاری: تو مجھ کو یہاں سے کسی اور وَعدے پر لے گئی تھی۔ وہاں میں نے دیکھا کہ تیری نیت میں خلل ہو رہا ہے۔ کہا کچھ اور کیا کچھ۔ اس لئے میں بھاگ آئی۔

والدہ: میری نیت میں کیا خلل ہوا۔ اور میں نے کیا کیا؟

پیاری: ۔ تو نے صدہا آدمیوں کو میری دنبال کیا کہ مسٹر عبدالعزیز کی یاد دِل سے بُھلاؤ اور کسی جگہ تیری شادی کریں گے۔ اس تقریر سے میری طبیعت خراب ہوئی اور میں تنگ آئی حالانکہ تو نے یہاں پر میرے ساتھ اور ہی وعدہ کیا تھا۔

والدہ: نہیں یہ تیرا غلط خیال ہے۔ دراصل تیری سری نگر پہنچنے سے پہلے ہی ہمارے تمام رشتہ داروں اور واقفوں نے تیری داستان سُن لی تھی۔ اور اس بات سے

سخت ناراض ہورہے تھے کہ پیاری نے یہ کیا غضب کیا۔ اسلئے وہ تیرے درپے ہوا۔ ورنہ میں نے اُن کو کوئی تحریک نہ کی۔

پیاری:۔ اچھا اب کیا ہوا۔ میں یہیں اچھی ہوں۔ جو مقدر میں ہوگا پیش آئے گا

اب پیاری کی والدہ سمجھ گئی کہ میری باتیں بالکل بے سود ہیں۔ اس لئے خاموش ہوئی اور کوئی جبری طریقہ بھی اختیار نہ کرسکی اور چونکہ وقت دیر تھا اس وجہ سے رات کو یہیں پڑی۔ مگر دمبدم غیظ و غضب کی آگ اس کے دِل پر بھڑک اُٹھتی تھی مگر لاچاری سے...... اس آگ کو بُجھاتی تھی۔ پیاری جان کے سری نگر سے لانے اور اس کے تعاقب میں اس کے وارثان کے آنے کا قصبہ نا گام میں مشہور ہوا۔ اور اس وقت مسٹر عبدالعزیز کے گھر میں بھی خبر پہنچی اور اس کے والد ماجد نے نہیں سُنا۔ جب مِسٹر کی والدہ مکرمہ نے سُنا کہ پیاری جان کی والدہ رات کو یہیں ٹھہری ہے تو اُس نے ازروئے کمال دانائی اس کو اپنے پاس بلانا مناسب خیال کیا۔ کیوں کہ پیاری جان کی والدہ اس وقت دِل شکستہ تھی۔ پر بذریعہ ایک خاص خادمہ کے پیاری جان کی والدہ کو بوقتِ شام اپنے پاس بُلایا لیا۔ اور وہ پیغام سنتے ہی آنکھوں کے بل بلحاظ نمک حلالی حاضر خدمت ہوئی مزاج پُرسی کے بعد مِسٹر کی والدہ صاحبہ نے از کردہ سابقہ اس کا اعتراز کیا اور اچھی جگہ بٹھایا اور غیر معمولی خورد و نوش کی چیزیں اس کے لئے مہیّا کیں۔ ان سب باتوں سے فراغت پا کر خلوت جگہ پر دونوں اس طرح سے ہمکلام ہوئیں۔

مِسٹر کی والدہ:۔ کچھ عرصہ ہوا کہ میری بد قسمتی سے مِسٹر عبدالعزیز نے پیاری جان کو دیکھا اور دیکھتے ہی اس کو سمجھایا۔ مگر وہ ہرگز باز نہ آیا۔ اُس نے اسی ابتلاء میں

بہت دِن کھانا نہیں کھایا اور شب کو آرام نہیں کیا بلکہ ایک دفعہ میرے زیادہ اِصرار پر اس نے جامہ صبر وشکیبا اور پیرہن شرم وحیا کو یکدم چاک کر کے جوگیوں کے طریق پر صحرا کا راستہ لیا اور بہ مشکل ان کو دلاسہ دے کر گھر لائے ۔ تجھ کو معلوم ہی ہے کہ میں نے تھوڑے عرصہ سے کِس دُھوم سے اس کی شادی کی۔ اب اگر اس واقعہ کی اُن کو خبر لگی تو میرے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ اور یہ بھی تیرے سے پوشیدہ نہیں ہے کہ یہ لڑکا کس قدر پیارا ہے اور کس ناز ونعمت سے اس کی پرورش کی ہے۔ اگر اس کو اس خیال سے جبراً روک لوں تو ممکن ہے کہ وہ دنیائی کاروبار سے دستکش ہو کر کہیں مجنوں ہو جائے یا ترکِ وطن کرے کیونکہ عشق نے اس کے رگ وریشہ میں گھر کر لیا ہے۔ اس لئے میں نہایت ادب سے التماس کرتی ہوں کہ تو پیاری جان کو میرے فرزند کے نکاح میں دیدو۔ مناسب طور اس لڑکی کی پرورش کروں گا۔

پیاری جان کی والدہ: آپ کا فرمانا بالکل دُرست ہے اور آپ میری مخدُومہ ہیں اور میں ایک ادنیٰ خادِمہ ہوں ۔ میری بیٹی کا آپ کے گھر میں آنا دُرست نہیں ہے۔ آپ نہ سہی مگر دوسرے تو ضرور اس کو حقارت کی نِگاہ سے دیکھتے رہیں گے اور چڑھاوٗ پہناوٗ تفریق رہے گا کس طرح میں اپنی لڑکی کو دیدوں رشتہ اس ابتلاء میں ڈال دوں گی؟

مِسٹر کی والدہ: (صندوق سے نئے زیورات نکال کر) یہ لے لو یہ زیورات تم کو دیتی ہوں اور بھی تیری منشا کے مطابق کپڑے ودیگر زیورات بناوٗں گی۔

پیاری کی والدہ: نہیں مجھے ان زیورات کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ تیرے لڑکے کی شادی ہوئی ہے اور وہ اس بیوی کو چھوڑ نہیں سکتا۔ اس صورت میں میری لڑکی کو تکلیف

کے سِوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ بہتر ہے کہ آپ مجھے اس بات سے معافی دیدیں۔

مِسٹر کی والدہ: اول تو میرا لڑکا اس پہلی بیوی کو نکاح میں ہرگز نہیں رکھ سکتا کیوں کہ اس کی طبیعت اس سے کشیدہ ہے دوم اگر وہ ضرور اس کے نکاح میں ہی رہے گی تو بھی مجھے خدا نے اتنی طاقت دی ہے کہ میں ابتدا سے تیری لڑکی کو الگ رکھوں اور اس کو تمام سامان وغیرہ الگ دے دوں۔

پیاری جان کی والدہ: میری مکرمہ! مختصر عرض ہے کہ مجھے اس کارِ خیر میں کوئی عذر نہ تھا مگر تیرے فرزندار جمند نے میری غیرت و آبرو خاک میں ملادی اور میری معصوم لڑکی کے عفت و عصمت پر ایک سیاہ داغ لگایا جو کہ کسی طرح بھی دوُر نہ ہوگا۔ پیاری کے ساتھ قبل از نکاح خود بخود تعلق پیدا کیا اور اس کو میری حراست سے سری نگر سے بہکالایا۔ اس داستان کا چرچا عام ہوگیا اور اس ناقص کاروائی نے میرا دِل جلادیا اور میرے کلیجہ کو پھاڑ ڈالا۔ اگرچہ میں غریب ہی ہوں مگر اپنی غیرت کو کہاں رکھ دوں۔ میری لڑکی کی بدنامی دوُر دوُر تک پہنچ گئی ہے۔ میں ہرگز اس کام پر راضی نہیں ہوں۔ تیرے فرزند نے اتنا غضب کیا کہ میری معصوم لڑکی کو ایسا بے حیا کیا کہ اُس نے اس کے ساتھ وعدہ کیا ہوا ہے اگر وہ خود بخود اس کے ساتھ نکاح کرے تو بلا سے۔ مگر میں اس کام میں ہرگز شامل نہ ہوگی (ہاتھ جوڑ کر) خدا کے واسطے تو مجھے اس بات سے معافی دیں۔ میں کبھی ایسا نہیں کروں گی۔

یہ باتیں سن کر ہمارے مسٹر کی والدہ مکرمہ خاموش ہوئی اور پیاری کی والدہ رات کو یہیں ٹھہری اور علے الصباح روانہ سری نگر ہوئی۔ پیاری سے نہ تو رخصت لیا اور اس کے ساتھ کوئی بات چیت کی۔

باب پنجم
ابتدائی عشق اور افشائے راز)

پاسبانِ شب رسید و دستِ شوقم را بہ بست
ہیچ کس در عاشقی مانند رُسوانہ شُد

دِن کے بارہ بج گئے۔ سب لوگ اپنے کارُوبار میں مشغول ہیں۔ حکامان مجاز کچہریوں میں حکومت کی کرسیوں پر بڑے تزک و احتشام سے جلوہ افروز ہیں اور لوگوں کے راست و دروغ کو جانچتے ہیں اور قضا و قدر کا قلم ہاتھ میں لے کر کسی مُجرم کو قید کی سزا دے رہے ہیں اور کسی کی داد و فریاد غور سے سن رہے ہیں۔ اور کسی کی سفارش سے کسی مجرم واجب سزا کو چھوڑ دیتے ہیں اور کسی مُجرم کو کسی دوسرے جرم کی تہمت میں لاکر پابہ جولان محبوس کرتے ہیں اور محرران حکم و احکامات کی تحریر میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ اور چپراسیاں حضور کھڑا رہ کر بہ گوش ہوش حکم کوسُن رہے ہیں۔ اور اس کی تعمیل منٹوں میں کرتے ہیں۔ اہل کاران پولیس میں سے کوئی تو ملزم کی تلاش اور گرفتاری میں سرگرداں ہے اور کوئی کسی ملزم کو ہتھکڑی پاکر حاضر تھانہ کرتا ہے اور کوئی سپاہی اپنی لالچ کے واسطے ملزم کو گاہے طرح طرح کے عتابی حکم سناتا ہے اور گاہے اس کو جرم واجب القتل سے رہائی کا وعدہ کرتا ہے اور افسر سٹیشن انتظار کر رہا ہے کہ کہیں کوئی دنگہ

فساد ہو تو میں پیٹ بھر کر گوشت کھاؤں۔ غرض اسی طرح سب سرکاری ملازمان اعلیٰ ابھی تک اپنے اپنے کام میں مصروف ہیں۔ اپنے ناظرین کو اس وقت تحصیل ناگام کی عالی شان کچہری کی سیر کروانا چاہتے ہیں۔ دیکھئے صحن تحصیل میں کس قدر لوگ اِکھٹے ہیں۔ گویا چندر ما کا میلہ لگا ہوا ہے۔ اور ہو! یہ تو سب مسلمان ہیں۔ ہندو وغیرہ کوئی نہیں ہے۔ یہ کون ہیں۔ شاید اہل مقدمات ہوں گے۔ افسوس ہے کہ اس کشمیر میں اکثر مسلمان ہی مقدمہ بازیوں میں شب و روز لگے رہتے ہیں۔ تحصیل کی کچہری ایک معمولی کچہری ہے اور یہاں یہ جم غفیر ہے۔ اس سے آپ بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے کہ آیا بڑی کچہریوں میں کیا حال ہوگا شمالی سڑک سے پولیس کے دو سپاہی ایک نوجوان کو تحصیل کی طرف لے آتے ہیں۔ شاید کسی جرم کا ملزم۔ اس کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے تماشہ بینوں کی بڑی کثرت ہے۔ نوجوان کے چہرے سے آثار شجاعت پائے جاتے ہیں۔ غالباً کسی بناوٹی ڈھکو سلے میں گرفتار ہے۔ دیکھیے کس مردانگی سے قدم زمین پر رکھتا ہے۔ وضع قطع سے بظاہر شریف اور خاندانی معلوم ہوتا ہے اور اس کی جبین سے بزرگی اور آنے والے اقبال وجلال کا نور برستا ہے۔ اس طرح تحصیلدار صاحب کے اجلاس میں پیش کیا گیا۔ تحصیل دار صاحب ملزم کی طرف عتاب آمیز نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور اُس کو مخاطِب کر کے یوں فرمانے لگے۔

تحصیلدا صاحب:۔ (تحکمانہ لہجے میں) کیوں عبدالعزیز سُنا کہ تم بغیر حصول لائینس بندوق سے شکار کھیلتے ہو۔

مِسٹر عبدالعزیز: نہیں جناب۔

تحصیلدار صاحب: نہیں جناب کے یہ معنی ہیں میں نے معتبر ذرائع سے سُنا

تمہارا دن بھر یہی کاروبار ہے بلکہ اکثر دفعہ پہاڑ کے دور سے فائر کی آواز میرے کانوں میں آئی۔

مسٹر عبدالعزیز: نہیں جناب۔ سال گذشتہ میں، میں نے باضابطہ لائینس حاصل کیا تھا اور میں شکار بھی کیا کرتا تھا۔ اس سال ابھی تک میں نے لائینس حاصل نہیں کیا اور نہ کبھی شکار کھیلتا ہوں۔ نہ معلوم کہ جناب کو کس نے جھوٹی رپورٹ دی ہے۔

تحصیلدار صاحب: جھوٹی رپورٹ کی کوئی بات نہیں ہے۔ میں ہر روز اس پہاڑ سے کئی دفعہ روزانہ بندوق کی آواز سنتا ہوں۔

مسٹر عبدالعزیز: جناب اور کوئی شکار ہو گا۔

تحصیلدار صاحب: اچھا یہاں اور کسی کے پاس بندوق ہے؟

مسٹر عبدالعزیز: نہیں جناب کسی کے پاس نہیں۔

تحصیلدار صاحب: اچھا پھر کون شکاری ہے جو روز اس پہاڑ پر آ کر چکوروں کا شکار کرتا ہے۔ اس سے صاف تمہاری غلط بیانی ظاہر ہوتی ہے۔

مسٹر عبدالعزیز: جناب گستاخی معاف لائینس والے شکاریوں کو شکار کے واسطے علاقے تقسیم کر کے نہیں دئے جاتے۔ اگر کسی دور علاقے کا کوئی شکاری اس پہاڑی پر شکار کھیلے گا تو کون سی چیز اس کو مانع ہے اور پھر اس میں میرا کیا قصور؟

تحصیلدار صاحب: (سپاہی کی طرف اشارہ کر کے) اچھا اس کو جامہ تلاشی لے لو۔

سپاہی نے جامہ تلاشی لی اور مسٹر کی جیبوں سے کسی قدر باروُد اور چھرہ اور ایک دو گولیاں برآمد ہوئے جس پر تحصیلدار صاحب سخت طیش میں آ گئے۔ نہایت غضبناک لہجہ میں حکم دیا کہ پہلے اس کو حوالات میں رکھو۔ یہ بہت ہی عیار اور چالاک ہے اور میں

نے اس کی بہت سی شکائتیں سُنی ہیں۔اپنے والدین سے باغی ہے۔طرح طرح کے فساد علاقے میں قائم کرتا ہے۔یہ حکم سنتے ہی سپاہیوں نے مِسٹر کے فاخرہ کپڑے اتار دئے،حوالات کا ایک سیاہ کمبل اس کے نازک بدن کو پہنایا اور ایک پاؤں میں لکڑی کا گراں بارکندہ ڈال کر حوالات میں محبوس رکھا گیا اور ساتھ ہی مِسٹر کے یار لسی فقیر کو بھی سپاہی پکڑ لائے اور بحکم تحصیلدار صاحب اس کو بھی بطریق مندرجہ اپنے رفیق کی رفاقت میں رکھا۔ناظرین حیران ہوں گے کہ ایک شریف اور ذی عزت رئیس تحصیلدار کے صاجزادے کے ساتھ ایک معمولی بات پر کیوں ایسا ظلم کیا گیا اور سراجلاس اس کی بے عزتی کی گئی۔اور تحصیلدار صاحب نے انصاف کا خون کیا۔نہیں صاحبان جب ہمارے ناول کے ہیرو مِسٹر عبدالعزیز اور پیاری جان کے عشق والفت کی داستان مشہور ہوگئی تو کچھ عرصہ کے بعد آخر اس کے والد صاحب نے بھی یہ قصہ بہ تفصیل سن لیا اور اپنے اکلوتے بیٹے کی یہ حرکت ان کو بڑی ناگوار گزری اور از روئے دانشمندی صدہا طریقوں سے اس کا تدافع کرنا چاہا۔کبھی فہمیدہ اور عقلمند آدمیوں کے ذریعہ اس کو پند ونصائح کرائی کبھی اس کے جلیوں اور مصاحبوں کو کچھ طمع دے کر اور کچھ خوف دے کر اپنے جگر پارچے کو اس کاروائی سے باز رکھنے کی تعلیم دی اور کبھی مشائخان وقت اور فقیران باکمال کی خدمت میں اس غرض کے واسطے حاضر ہوا۔اور کبھی خاص طور ارجمند کو پیغام بھیجا کہ وہ اس بُری حرکت سے باز آئے،جو مانگے سو دوں گا بصورتِ دیگر اس کو خراب کروں گا وغیرہ وغیرہ مگر سب تدابیر بے سود بلکہ
”مرض بڑھتا گیا جوں جوں دَوا کی۔“

ہمارے مِسٹر کا والد بزرگوار چونکہ رئیس باثروت تھا اور حکامانِ عالی شان اس کی

نہایت قدر کرتے تھے۔ رعایا کے دلوں میں بھی ان کی عمر کی عزت جاگزین تھی۔ علاوہ اس کے شرافت میں انہوں نے صدیوں سے وہ نام حاصل کیا تھا کہ کسی طرح بھی کسی قسم کی تہمت یا داغ ایک نقطہ کے برابر بھی ان کے خاندان پر نہ لگا تھا پر انہوں نے ہرگز اپنے فرزندار جمند کے بدولت سینکڑوں برس کی نیک نامی کو ایک کراٹ کے پانی سے بہانا پسند نہ کیا۔ حتیٰ کہ اس فکر سے ان کی طبعیت نہایت مشوفر ہوی اور بار بار گوناں گوں تدابیر سوچتے رہے اور رات دن اسی درد کے درمان ڈھونڈتے رہے تحصیل ناگام میں اس وقت میرزا صدرالدین صاحب تحصیلدار تھے۔ یہ صاحب سرینگر کے میرزا خاندان کے ممبر تھے۔ اس خاندان کے اسلاف قدیم سے قلمدان سازی کا کام کرتے تھے۔ آخر گردش افلاک کے خاندان ایک نوجوان نے ملازمت اختیار کی۔ رفتہ رفتہ اس خاندان کے تمام ممبر ریاست کے اچھے اچھے عہدوں پر ممتاز ہوئے اور میرزا کے لقب سے مشہور ہوئے۔ مگر قدُرت نے میرزائی تاثیر اس خاندان کے ساتھ برابر رکھی۔ جس کی تفصیل اس ناول میں طول کلام کے بغیر اور کچھ لطف نہ دے گی۔ غرض میرزا صدرالدین صاحب ایک خوش طبع اور خلیق نوجوان تھے۔ رعایا و برایا سے ان کا سلوک بہت ہی اچھا تھا۔ خصوصاً ہمارے مسٹر عبدالعزیز کے والد ماجد سے ان کا بہت ہی گہرا تعلق تھا۔ جس کی وجہ اول یہ ہے کہ وہ رئیس باثروت اور صاحب فہم وفراست تھے اور دوم تمام تحصیل میں خواجہ صاحب کی عزت مسلمہ تھی اور تحصیلدار صاحبان ہمیشہ اخذ سے آلودہ رہتے تھے۔ اگر خواجہ صاحب ذرا تحصیلدار صاحبان سے کشیدہ رہتے تو ان کا کام ہونا دشوار تھا۔ پر اس صورت میں خواجہ صاحب کا دوستانہ تحصیلدار صاحب ممدوح کے ساتھ بہت ہی اچھا تھا۔ جب خواجہ صاحب کا دل مبارک نور بصر کی یکطرفی

سے متلون ہوا تو آخر ایک تحصیلدار صاحب کے پاس آکر شکایت کی اور علاج کے خواستگار ہوئے تحصیلدار صاحب نے مشورہ دیا کہ ان کو منظور ہے لایسنس کے بہانہ سے اس کو ایک دو دن حوالات میں رکھ دیں گے۔ امید ہے کہ وہ اس سختی سے گھبرا کر اس بُرے راستے سے لوٹ آئے کیوں کہ گرم وسرد زمانہ سے تاہنوز ناآشنا ہے۔ صرف نازونعمت سے ہی پلا ہوا ہے القصہ اس مشورہ کے بناء پر ہمارے مسٹر عبدالعزیز کو حوالات کی سیر کرنی پڑی۔ ورنہ لایسنس کے واسطے ان کو کون اس قدر تنگ کرتا۔ وہ تو ہمیشہ سے بلحاظ خاندانی بلاحصول لایسنس کھلے طور علی الاعلان شکار کیا کرتے تھے۔ چونکہ ہمارا ناز پروردہ صاجزادہ بلند اقبال لاڈلا حوالات کی ایک تنگ وتاریک کوٹھری میں اپنے رفیق کے ہمراہ سرد آہ کھینچتا ہے چلئے ناظرین ذرا اس کی خبر لے آئیں کہ کیسی گذرتی ہے۔ بُرا ہو تیرا اے عشق ....! تیرے کارنامے بھی عجیب وغریب ہیں۔ تیرے آگے عقل دُوربین حیران۔ رحم وانصاف کا نام ونشان تیری ذات میں نہیں ہے۔ تیری نظر میں شاہ گدا یکسان ہیں۔ نہ تجھے شاہزادوں کی عیش ونشاط وجاہ وحشم کے کھوجانے کا اندیشہ ہے اور نہ امیروں کے غریب ہونے کی پرواہ ہے۔ کوئی نازونعمت کا پروردہ تیرے نگاہ سے تڑپ تڑپ کے مرجائے تو بلا سے برسوں کے نازونعمت اور شیر وشکر کا پروردہ ہمارا مسٹر عبدالعزیز جسے شام کے وقت خداماں اور ناز برداران کی ایک کافی جماعت تابع ہوتی تھی آج حوالات کے ایک کونے میں سر نیچے کر کے یاد حبیب میں محو ہے اور خالی زمین پر اور کمرے میں سو رہتا ہے حالانکہ اگر اس کا بسترہ گاہے ناصاف ہوتا تھا تو رات بھر تارے گنتا تھا۔ یا اگر لباس تن قدرے میلا ہوتا تو جینا محال تھا۔ خیالِ دِلدار کو سامنے لیگریوں گویا ہے

قید خانے میں میری آ کے تو دیکھیں حالت
اب کہاں ہیں وہ میرے ناز اٹھانے والے

اسی طرح جب اس کی آہ وزاری حد سے گزر گئی تو آخر اس کا یارِ ہمراز ہم نوالہ وہم پیالہ اور رفیق سفر لسی فقیر کو یوں دم دلاسہ دینے لگا۔

لسی فقیر: کیوں صاحب! آپ اس قدر کیوں گھبرا گئے۔ خدا ہر ایک بات میں آسان کرے گا۔ صبر و شکیبا سے کام لینا چاہے۔ اکثر مردوں پر ہی ایسے صدمے گزرتے ہیں ہمت کو ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہے۔ ہر ایک سختی کو خوشی سے برداشت کرنا چاہے

دِل دے تو اس مزاج کا پَروردِگار دے
جو رنج کی گھڑی بھی خوشی سے گذار دے

مِسٹر: بھائی! میں اپنی طبیعت کو صبر کی تعلیم دے رہا تھا۔ مگر اس کم بخت دل کو کہاں رکھوں۔ یہ قابو میں نہیں آتا۔

لسی فقیر: اول یہ بذاتِ خود غم خانہ ہے اس پر آپ خیال محبوب میں دم بہ دم محو رہتے ہیں تھوڑی دیر کے واسطے آپ اس خیال سے یکسو ہو جائیں تو امید ہے کہ بہت جلد آپ کی طبیعت بہل جائیگی اور فی الفور غم کافور ہو جائیں۔

مِسٹر: اچھا تم بھی اب مجھے پند و نصائح ہی کرنے لگے۔ اس دار المحن میں بھی ناصحوں نے میرا پیچھا نہ چھوڑا۔

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح
کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غمگسار ہوتا

لسی فقیر: نہیں جی ۔ میں نے کیا قصور کیا۔ میں چاہتا تھا کہ آپ کی طبیعت کسی طرح سنبھل جائے۔ مجھے آپ کی غمگینی نہایت ناگوار گزرتی ہے

مسٹر: بھئی ۔اس غمکدے میں اگر چہ کوئی چیز میری اداسی طبیعت کو بہلانے والی ہے تو وہ یادِ محبوب ہی ہے۔ بھلا اسے کس طرح فراموش کروں۔

لسی فقیر: اچھا اب آپ کوئی ایسی سبیل نِکالیں جس سے ہم اس قفس سے آزادی پائیں۔

مِسٹر: کون سی سبیل نِکالوں ۔میری تو عقل باخت ہوئی ہے ہوش وحواس قیاس وڈوراندیشی جواب دے چکے ہیں۔ میرے خیال میں میرے لئے یہی مکان اچھا ہے۔

لسی فقیر: اچھا آپ کیوں تڑپتے اور روتے ہیں؟

مِسٹر: اس بیت الحزن میں میرے جیسے سودائی کا رہنا موزوں تھا۔ مگر فراق دِلدار دم نہیں لینے دیتا۔ جب پیاری کی پیاری صورت اور نرگسی آنکھیں گلابی روسے سنبل موئے شیرین سخن۔سیمین ذِقن۔غنچہ ذہن۔نازک بدن۔تن یاسمین۔زلفِ شِکن۔مشک ختن۔رشک چمن۔لعلِ یمن۔ورِعدن کا نقشہ سامنے آتا ہے تو...... سانپ پھرتا ہے۔ایک سیکنڈ ایک سال کے برابر گزرتا ہے۔ ع

اس قید کا الٰہی دُکھڑا کِسے سناؤں
غم ہے کہ اب قفس میں، میں غم سے مر نہ جاؤں

لسی فقیر: اچھا جناب !اب کوئی تدبیر سوچو کہ ہم کسی طرح دارالمحن کی چاردیواری سے نکل جائیں۔

مِسٹر: اس وقت تو میں از خود رفتہ ہوں۔ اس لئے ع

کوئی صورت نظر نہیں آتی
کوئی امید بر نہیں آتی

لسی فقیر: اچھا جناب پھر کیا کیا جاوے؟

مِسٹر: سرِ دست تو میری سمجھ میں کوئی تدبیر نہیں آئی۔ چونکہ رات بہت باقی ہے اور وفورِ غم سے نیند آنی ناممکن ہے اس لئے تم ایسا کوئی قصہ سناؤ جس سے غم غلط ہو جائے اور یہ مصیبت کی رات جلدی سے کٹ جائے۔ رہائی کی نِسبت کل کوئی مشورہ کریں گے۔

چوفرداشود کارِفرداشود

چندروز کی بات ہے کہ پرگنہ ترال۔ تحصیل اونتی پورہ کے ایک گاؤں میں ایک سیدھا سادا ملاّ سکونت پزیر تھا۔ عمر اس کی چالیس سال سے تجاوز کر گئی تھی عہدِ شباب میں جو عورت اسے نصیب ہوئی تھی وہ لاولد فوت ہوئی تھی۔ اب تھوڑے عرصے سے ملاّ صاحب نے علاقہ اسلام آباد کشمیر سے ایک عورت نکاح میں لائی تھی۔ یہ عورت نہایت حسین اور عمر سے ۱۶ سال کی تھی۔ اپنے آپ کو شب و روز سامان سے آراستہ و پیراستہ رکھتی تھی۔ اس کا گلابی چہرہ اور مست آنکھیں اور خمدار کاکل اور لب ہائے خندان کو دیکھنے سے بوڑھے مُلا کی طبیعت نہایت سنبھل گئی۔ عمر کی واپسی رفتار کے زمانہ میں اِسے ایسی ملا یک فریب نصیب ہوئی جسے وہ نعمت غیر مترقبہ خیال کرتا رہا۔ مگر ہنوز یہ شخص پھل نہ لایا تھا جس کی ملاّ صاحب کو آرزو تھی۔ گو ملاّ صاحب کی سبیل معاشرت ایک مسجد پر منحصر تھی جس کے خدمت گزار چند ایک سادہ لوح زمیندار تھے مگر ملاّ صاحب اس زاہد فریب زوجہ کے دیدار سے فیضاب ہو کر صبح کو شام پر اور شام کو صبح

پر پہنچاتے تھے۔ملّا صاحب جس قدر سادہ دِل اور بے لوث اور سیدھے سادے تھے۔اس کی ضِد میں قدرت نے انہیں زوجہ عطا کی تھی یعنی کہ حد درجہ کی چالاک اور شیریں زبان اور نظر باز چلتا پُرزہ تھی۔مختصر ایک روز مولوی صاحب ایک زمیندار کے گھر دعوت کھانے کو گئے تھے کہ اُن کے صحن میں ایک گداگر نے آواز دی۔اتفاق مولوی صاحب کی نظر اس گداگر پر پڑی جس سے مولوی صاحب یوں ہمکلام ہوئے۔

ملّا صاحب: کیوں بھائی تمہارا گھر کدِھر ہے؟

گداگر: جی میں علاقہ کولگام کا رہنے والا ہوں۔

ملّا صاحب: کیا گداگری تمہارا آبائی اور جدّی پیشہ ہے۔؟

دِلدار شاہ: جی کیا عرض کروں، کچھ نہ پوچھ۔

ملّا صاحب: کیوں تمہیں اصلیت بیان کرنے میں کیا نقصان ہے؟

دِلدار شاہ: جی نقصان تو کچھ نہیں۔مگر دو باتیں مانع ہیں۔اول اپنا ماجرا کسی غیر آدمی سے بیان کرنا موزون نہیں ہے کیونکہ قولِ حکماء ہے کہ رازِ خود باہر کسے اظہار کردن مشکل است۔دوم اگر بالفرض عرض بھی کروں تو شاید آپ اِسے تکبر گدایانہ خیال نہ فرمادیں۔

ملّا صاحب: (شوق سے) نہیں نہیں۔تم ضرور اپنا قصہ مجھے بتاؤ۔نہایت دلچسپی سے سنوں گا اور مجھے معلوم ہوتا ہے کہ تم راستباز ہو۔اس لئے تمہارے قصِے میں تکبر گدایانہ کی آمیزش نہ ہوگی۔

دِلاشاہ: اچھا سنیئے عرض کرتا ہوں۔میرے والد صاحب کا نام پیر جلا الدین تھا وہ

ایک پیر خاندان کے اعلیٰ ممبر تھے۔اوران کے اور دو بھائی تھے جو کہ ابھی موجود ہیں سب سے بڑا میرا ہی والد بزرگوار تھا۔پنجاب و کشمیر میں مُرید بہ کثرت تھے۔ان کی آمدنی پر خرچ واخراجات خانگی ہوتے تھے مگر تعویز نویسی کا کام میرے والد صاحب کے سر تھا اور مُریدوں کے پاس بھی وہی جایا کرتے تھے۔اُن کے چھوٹے برادران کاروبار خانگی انجام دیتے تھے۔میرے والد صاحب کو میرے سِوا کوئی اور اولاد نہ تھی۔اس لئے وہ مجھے نہایت ناز ونعمت سے پالتے تھے۔مگر افسوس ہے کہ والدہ کو میری پُر لطف زندگی نہ بھائی۔۵ سال کی ہی عمر میں مجھے والدہ سے دائمی مفارقت حاصل ہوئی۔ابھی یہ زخم اچھا نہیں ہوا تھا کہ پورے تین سال کی عمر میں میرے والد صاحب مجھے اپنے بھائیوں کے حوالے کر کے عالم جاودان کو جاسُدھارے۔اس وقت میرے والد صاحب بہت جائیداد چھوڑ کر انتقال کر گئے تھے۔گھر بار مال و دولت سے بھرا پڑا تھا۔اچھے اچھے گھوڑے موجود تھے اور بہت سے نوکر اور خادِم گھر میں موجود تھے مگر ان میں سے کسی چیز نے میرا ساتھ نہ دیا۔چاچا صاحبان نے نہ معلوم کہ کس مصلحت پر سری نگر ایک رشتہ دار کے پاس بھیج دیا جس کے ساتھ ہمارے خاندان کا دور کا رشتہ تھا۔ان صاحبان نے اوائل میں مجھ سے خانگی خدمت لی۔آخر چھ سات سال کی عمر میں کارخانہ ابریشم سری نگر میں روزی کمانے کے لئے محلّہ کے دوسرے اوباش لڑکوں کے ساتھ تعنیات کیا جہاں میں نے چند سال غنچے گردانی کا کام کیا۔جو کچھ مجھے وہاں سے ملتا تھا۔وہ میں اپنے ڈیرے والوں کی نذر کرتا تھا۔لیکن مجھے یہ ہرگز معلوم نہ تھا کہ میں کون ہوں اور کہاں سے آیا ہوں اور کیا کر رہا ہوں۔اس اثناء میں گاہ گاہے میرے چاچا صاحبان سرینگر آتے تھے اور مجھ سے بلکل کم اُلفت کرتے تھے

میں بھی ان کی بے اِتفاقی کی وجہ سے اس کی قرابت محسوس نہ کرتا تھا کچھ عرصہ کے بعد لوگوں کی زبانی مجھے اصلیت کی نسبت معلوم ہوا اور ایک روز میں نے محال ابریشم پر جانے کا ارادہ کر کے سیدھا اپنے گھر کا راستہ لیا۔ اور جب میں راستہ پہنچتے پہنچتے اپنے گھر پہنچ گیا تو میں نے کیا دیکھا کہ ہر دو چاچا نے مجھ سے ناواقفی ظاہر کی۔ آخر میں نے اپنا حال عرض کیا۔ جس پر بڑے چاچا صاحب مجھ سے یوں گویا ہوئے۔

چاچا صاحب: نہیں بھائی ہمارا برادرزادہ جو دِلاور شاہ کے نام سے موسوم تھا، کچھ پانچ سال سے بہ قضا فوت ہوا۔ میں نے خود اس کی تجہیز و تکفین کی۔ تم کیا بکواس کرتے ہو۔ کہاں ہمارے برادرزادہ مرحوم و معصوم۔ کہاں تو کہیں کا غنڈا اور مشٹنڈا

دِلاور شاہ: نہیں چاچا صاحب۔ میں ہی دِلاور شاہ ہوں۔ اور میں آپ کو اچھی طرح شناخت کرتا ہوں۔ افسوس ہے کہ آپ مجھے شناخت نہیں کرتے حالانکہ آپ نے کئی دفعہ سری نگر میں دیکھا ہے اور محال ابریشم کی مزدوری کرنے پر شاباش بھی کیا۔

چاچا صاحب: حرام زادہ کیا بے ہودہ باتیں بناتا ہے۔ کہاں محال ابریشم اور کہاں ہمارا خاندان۔ اگر تو ہمارا برادرزادہ ہوتا تو کیا ہم تم کو محال ابریشم کی مزدوری کرنے دیتے۔ یہاں تو ہمارے دیوان خانہ پر بیس ۲۰ آدمی مسافر روزانہ روٹی کھاتے ہیں کیا ہم تم سے مزدوری کراتے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ معلوم ہوتا ہے کہ تو سرینگر کا کوئی بدمعاش پیشہ اور جعل ساز ہے۔ میں ابھی تم کو پولیس کے سُپرد کروں گا۔ تو ہمارے خاندان کو بدنام کرتا ہے۔

دِلاور شاہ: میں جناب من۔ میں حرام زادہ نہیں ہوں بلکہ پیرزادہ ہوں۔ اور آپ کا برادرزادہ ہوں۔ شاید آپ مجھے شناخت نہیں کرتے ہیں۔ میں باشندگان دیہہ سے

صداقت کرا سکتا ہوں۔

میری اس تقریر سے چاچا صاحب سخت خشمناک ہو گئے۔ انہوں نے آواز دیکر چند ایک آدمیوں کو بُلوا کر خوب میری دُرگت بنائی اور نہایت بے رحمی سے مجھے گھر سے نکال دیا میں احاطے سے باہر نکلا۔ لوگوں سے نمبردار دیہہ کا گھر دریافت کر کے سیدھا وہاں کا راستہ لیا۔ نمبردار صاحب ایک شائیستہ آدمی تھے۔ میں نے آبدیدہ ہو کر اپنی درد بھری داستان ان کے گوش گزار کر دی۔ میرے بیان سے نمبردار صاحب نہایت متاثر ہوئے اور ایک ہم نشین سے غصے کی حالت میں کہنے لگے۔

نمبردار صاحب: جہاں تک میری عقل کام کرتی ہے میں اچھی طرح سے اس لڑکے کو شکل وشباہت اور ڈھیل ڈھال سے شناخت کر سکتا ہوں کہ واقعی یہ لڑکا جلال الدین مرحوم کا لڑکا ہے بلکہ وہی لڑکا ہے جس کا نام دِلاور شاہ ہے او جس کی نسبت چند سال ہوئے کہ یہاں پیر صاحبان نے مشہور کر دیا کہ سری نگر میں وہ فوت ہو گیا ہے۔

ہم نشین: میں بھی اطمینان سے تصدیق کرتا ہوں کہ یہ لڑکا دِلاور شاہ فرزند پیر جلال الدین مرحوم ہے اور وہی لڑکا ہے جس کو مرحوم کے بھائیوں نے اس مصلحت پر سرینگر بھیجا تھا کہ وہاں تعلیم دینی حاصل کرے۔

نمبردار صاحب: پر کیا وجہ ہے کہ اس کے چاچا صاحبان اس سے ناالتفاتی ظاہر کرتے ہیں؟

ہم نشین: انہوں نے اکثر دفعہ افسوس سے اپنے برادرزادہ کی وفات کا تذکرہ نہایت دردناک لہجہ میں کیا اور بلکہ جس روز اس کے مرنے کی خبر یہاں پہنچی تو اُن کے خاندان میں سخت ماتم ہوا تھا اب نہ معلوم کہ کیا معاملہ ہے؟

نمبردار صاحب: اگر وہ واقعی مرگیا تھا تو یہاں کہاں سے آیا؟

ہم نشین: شاید اُن کو غلط خبر کسی نے دی ہو اور یہی وجہ اس کے نہ شناخت کرنے کی ہوگی۔

نمبردار صاحب: (غصہ کے لہجہ میں) صاحب! بڑے پیر صاحب تو وہ خبر سنتے ہی میرے اِصرار سے تحقیقات کے لئے خود سری نگر گئے تھے۔ وہاں سے واپس آ کر انہوں نے ایک لمبے قصے میں انہوں نے مجھے اپنے برادر زادہ کی وفات کا قصہ سنایا اور بلکہ اس کے بدن کے کپڑے بھی دِکھائے جس پر ان کا تمام خاندان زار وقطار رو رہا تھا۔

ہم نشین: یہ تو عجیب معاملہ ہے میری سمجھ میں نہیں آتا۔

نمبردار صاحب: نہیں دراصل یہ معاملہ ہے کہ کشمیر کے پیر احکامِ مذہب کو جواب دے بیٹھے ہیں اور طمع کا بھوت ان کے سر پر سوار ہے۔ چونکہ پیر جلال الدین ایک امیر آدمی تھا اس کی اتنی بہت بڑی جائیداد تھی جس کے ہضم کرنے کے واسطے اس کے بھائیوں نے اس کے اس فرزند کی موت کی خبر مشتہر کر دی۔ ورنہ اور کوئی بات نہیں ہے۔

ہم نشین: بہتر ہے آپ صاحبوں کی فہمائش کریں تا کہ اس غریب کی حق تلفی نہ ہو۔

نمبردار: (اپنے ایک نوکر سے مخاطب ہو کر) جاؤ پیر صاحب کو کہہ کر عرض کرتا ہے کہ یہاں تک تشریف لے آؤ۔

آدمی سنتے ہی پیر صاحب کے گھر چلا گیا اور تھوڑی دیر کے بعد واپس آ کر کہنے لگا کہ پیر صاحب کو طبیعت ذرا علیل ہے۔ نمبردار صاحب خود یہاں تک تشریف لا دیں۔

نمبردار صاحب: (میری طرف مخاطب ہوکر) صاجزادہ صاحب! آپ غریب خانہ پر تشریف رکھ لیں۔ میں اچھی طرح آپ کا انتظام کروں گا۔

اس کے بعد نمبردار صاحب تو وہاں سے تشریف لے گئے اور میں ان کے مکان میں رہا۔ تقریباً چار گھنٹہ کے بعد نمبردار صاحب تشریف لے آئے اس دفعہ ان کے ساتھ ایک اور شخص تھا، جس کے سر پر سیاہ گول پگڑی تھی اور قد سے لمبا تھا اور عمر اس کی تقریباً اکاسی سال کی ہوگی۔ وضع قطع سے معلوم ہوا کہ یہ گاؤں کا چوکیدار ہے۔ اب ملازمانِ سرکار کے دیکھنے سے میری ہمّت اور حوصلہ میں اور بھی اضافہ ہوا۔ اس چوکیدار نے آتے ہی ایک بیم ناک نگاہ سے میری طرف دیکھا اور نمبردار بھی ترچھی نگاہ سے اب کی دیکھتا تھا۔ تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد چوکیدار نے ایک پُرخوف آواز میں مجھ سے میرے ماجرا کی کیفت سنی میں نے حرف بہ حرف بیان کردیا جس پر نمبرداریوں گویا ہوا۔

نمبردار: میں نے پہلے تم کو راست باز خیال کیا تھا۔ ورنہ میں تم کو ہرگز اوپر آنے کی اجازت نہ دیتا۔ مگر اب معلوم ہوا کہ تو سری نگر کا کوئی آوارہ گرد بدمعاش ہے تم نے مجھ کو بڑا دھوکہ دیا اور پیرزادہ ہونا ظاہر کیا۔ مگر جب میں نے پیر صاحب سے حلفیہ دریافت کیا تو اُنہوں نے تمام قصہ سنا دیا اور بلکہ اپنے برادرزادہ مرحوم کے کپڑے بھی دِکھائے جو کہ اس صاجزادہ کے بدن سے ابھی ابھی نکالے ہوئے معلوم ہوتے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ تم واقعی بدمعاش ہو۔

دِلاورشاہ: نہیں صاحب۔ میں پہلے عرض کر چکا ہوں۔ اب بھی کرتا ہوں کہ میرے بیان پر ایک حرف بھی خلاف نہیں۔ میں ایک مصیبت زدہ روزگار ہوں اور

نہایت ہی بدقسمت اور کور بخت ۔مگر آپ میری حالت پر رحم فرمادیں۔

نمبردار: بس اب میں تمہاری چرب زبانی نہیں سننا چاہتا ۔تم رحم کے خواستگار ہو۔میرا تم پر یہی رحم ہے کہ تم جس راہ سے آئے تھے وہی راستہ اختیار کرو۔ورنہ تمہاری خیر نہیں۔

چوکیدار: (نمبردار سے مخاطب ہوکر نہیں) نہیں جی۔اب اس کو چھوڑ سکوں یہ تو خلاف قانون ہے مجھے حکم ہے کہ ایسے مشتبہہ لوگوں کی رپوٹ ہونی چاہے میں اس کو تھانہ پولیس میں پیش کروں گا شاید کہیں کا............ یا کوئی روپوش بدمعاش ہو۔

یہ کہہ کر چوکیدار دیہہ نے مجھے ایک مضبوط رسے سے باندھ کر نہایت بے رحمی سے میرے مُنہ پر طمانچے مارے اور میں نے زارزار رویا۔مگر افسوس ہے کہ اسے میری بے کسی اور بے بسی پر ذرا بھی رحم نہ آیا۔حالانکہ میں اس سے بار بار رحم کی درخواست کرتا تھا۔مگر اس سیاہ پوش۔سیاہ دِل کو ہرگز رحم نہ آیا اور اسی طرح مجھے دھکیلتے ہوئے تھانہ پولیس کولگام کی طرف لے جانے لگا۔

☆

غلام احمد مہجور

حمد

کُنے مانُن خُدا تَس بندگی کر — مَہ گُنزراوُن دوٚیم کانٛہہ تس برابر
کرِنی وون بندگی شرمندگی چھے — اَکُے ژھارُن تہٕ أکِرسےٕ ستی تھوَلے
أکِس ملکس زِ سُلطان زِ شُبن کر — أکس مُشدِہ بنن مازہ زِ ممبر
اکُے عاشق زِ دلبر کوسہٕ مانے — زِ خاوند کر شبَن أکِرسےٕ زنانے
ژِنَے تَس ستی تھاوکھ سازگأری — ولی ننے پیر کیا کرنے ژٕہٕ یأری
نمان چھکھ ژورِژورے دون خداین — دَپان چھُکھ پرٛتھ خدایا راَضی تھوَہن
أکِس دپہ ہکھ بہٕ چھُس نا بندہ چونُے — فِدا یِونے ژٕہٕ زوتَے جان میونُ
بیِس دپہ ہکھ بجاے خود ستانی — بہٕ چھُس چُونے ہُمس چھُس ژٕہتھ رچھأنی
مگر امہ ستی کیٛنہہ سپنی نہ حأصِل — پوٚ پھیری سٕبٹھا غمگین گرٛھی دِل
تھوان دون کانلہن پیٹھ یُس اکھا لتھ — پیٹھان سُے کولہِ چھُے پرٛانہن ہنٛزِ رے کتھ

پرِتھ قرآن یی مے بوزنہ آو
نصیحت چھُے کران مہجور کنَ تھاو

غلام احمد مہجورؔ

نعت

مومنو یاد کر درودِ حضُور   وقتہٕ وقتے ژٕ پر دُرودِ حضُور
پانٕہٕ سوزان دردو حق سبحان   پرٛتھ درودس چھُ سر درودِ حضور
سوے نماز پیش حق سبٹھاہ افضل   آسہِ ہتھ تاج سردرودِ حضور
بڑٕ عبادت یہِ چھےٚ دردنیا   پَرٕ ژٕ شام وسحر درودِ حضور
دم بدم تس چھُ جلوۂ احمدؐ   آسہِ یس درنظر درودِ حضور
یوٚد گوٚمت آسہِ مومنا لاچار   تس چھِ لعل وگوہر درودِ حضور
لاعلاج آسہِ دأدی لد بیمار   تس چھِ شیر وشکر درودِ حضور
ذرٕ ڑوسُ چھُکھ پرٕ ژھیٚون گومُت   بس ژٕے چھے زرتہٕ پَر درودِ حضور
کر کیاہ تس قیامتچ گرمی   یس کلس پٹھ سپر دروٗدِ حضور
یُس قرضدار آسہِ گومُت گیر   بس چھُ مال وزر درودِ حضور
اے مسلمان مہ برٕ ژ کانٕہہ وسواس   چھُے ژٕےٚ بوٚڈ راہبر درودِ حضور

چھُکھ ژٕ بے کس حبیب غمؔ کیاہ چھے
بے سرن ہُند چھُ سر درودِ حضور

غلام احمد مہجور

رحمتہً للعٰلمینؐ

از چھُ اسہِ دیدار ہاوان رحمتہً للعٰلمینؐ
وحدتُک مس باگراوان رحمتہً للعٰلمینؐ

بوزکتھِ پأٹھی رحمتہً للعٰلمینؐ تس ناو پیو
آدمَس انسان بناوان رحمتہً للعالمین ء

بوز فرماوان چھُ کیاہ دون عالمن ہُنْد بادشاہ
قُدرتک اسرار باوان رحمتہً للعٰلمینؐ

سینہ تھاوُن صاف مُشراوُن کُدورت تے حسد
کِینہ تراوُن ہچھ ناوان رحمتہً للعٰلمینؐ

بدکرن والین کران رُت مجرمن بخشان خطا
دُشمن ممنون تھاوان رحمتہً للعٰلمینؐ

عأجزن کمزور انسانن تُلان اتھہِ رۆٹ کران
غمزدن دِل سنبہ لاوان رحمتہً للعٰلمینؐ

بوچھ ہتبن کھیاوان تہ چاوان پانہ روزان روزدار
پرٔتھ أکِس کھبن واتہ ناوان رحمتہً للعٰلمینؐ
غم کھوان لوکہ ہُند کران خدمت یتیمن بیکسن

کأنسہ کردِل راوِہ راوان رحمتہً للعٰلمینؐ

یوٚد وُچھکھ مظلوم کأفر تہندہ کنہِ کرتل تجکھ
ظألمس نِشہِ بچہ راوان رحمتہً للعٰلمینؐ

اتحادُک ملہ ژارک تُمی سبق دِیُت دنیاہس
اُلفتک مس کس چھُ چاوان رحمتہً للعٰلمینؐ

از چھُ تُمی سُند زایہِ دۄہ تعظیمہ سان مہجورؔ آۄ
کأشرِ بن سوٗچھُ یاد پاوان رحمتہً للعٰلمینؐ

☆

غلام احمد مہجورؔ

مخمس ناتمام

کیاہ کیاہ وُچھان چھُس
ونے کیاہ نوٚوے اکھ جہانا وُچھان چھُس
جہانس نوٚوُے آسمانا وچھان چھُس
زمین اُس پرأنی مگر رنگ بدلیوس
بدل رنگ بدلےٚ زماناوُچھان چھُس
ونے کیاہ نوٚوے اکھ جہاناوُچھان چھُس
یہ نوڈ باغوان یام باغس[۱] اندرووت
دوٗپُن کوٚنڈ ہٹاون نہٕ (تہٕ) تھاون گُلے ادت
چھ سگہ وان پٔترن تہٕ موٗلن دِوان دروت
نوے فیشنک باغوانا وُچھان چھُس
ونے کیاہ نوٚوے اکھ جہاناوُچھان چھُس
گُرِکھ[۲] ٹکرہے وایہ ہندوستانس
دُوکأری ژایہ زرباغہٕ کِس سایہ بانس
فناپوش گیٔے ڈوٗٹھ پہٕ گلستانس
یہ ہندوستان[۳] ذبح خانا وُچھان چھُس

ونے کیاہ نۆوے اکھ جہاناوُ چھان چھُس
نمان کُس چھ ازمندرن أستانن
پرٕژھان کُس چھ پیرن تہٕ تنجیم دانن
منگان فیض سأری چھ ازجیل خانن
سبٹھا تھوڑ ہے آستانا وُچھان چھُس
ونے کیاہ نۆوے اکھ جہاناوُ چھان چھُس
زوال آو پرٕتھ رنگہٕ امن وامانس
تھپلِہ ہوس دۆتھ ہر طرف مال وجانس
یمے رأچھی أسی پھٔری تمے کاروانس
پریشان پرٕتھ کاروانا وُچھان چھُس
ونے کیاہ نۆوے اکھ جہاناوُ چھان چھُس
ژبتس پأوۆنی مرٕچھےٚ پرٕانیو کتھأر
وٕژھ لیس أکِس لرٕسہ کھیٚیہ لۆکہٕ ہرٕز لر
وُچھتھ وقت یاروتہٕ اَتھ پیٹھ عمل کر
سلامت نہٕ کانٛہہ ناتوانا وچھان چھُس
ونے کیاہ نۆوے اکھ جہاناوُ چھان چھُس

۱۹۴۷ء

غلام احمد مہجور

منظوم اپیل

کاشریو! کرِژوارِ روزنُک تلاش — یِہ غنیمت زان بجلی گاش
لۄہ گژھِ کاسی اُمیک پرٛاگاش — یِہ غنیمت زان بجلی گاش
بجلی گرِہ چھےٚ پنُن جائداد — پانہٕ چھکھ مالِک تی تھویاد
پنہٕ نِس چیزس (مہ) کرزیادہٕ ناش — یِہ غنیمت زان بجلی گاش
[illegible] یِس لاگہ سہ چھُ نادان — راوہٕ راوان پنُن دین وایمان
یِس کرِہ [illegible] کارِ سہ چھُ بدمعاش — یِہ غنیمت زان بجلی گاش
[illegible] ژورگژھ گرِویران — گرِبائژ تھاون تتھ گن دھیان
[illegible] اکہ ثانہِ پرٛ خاش — یِہ غنیمت زان بجلی گاش
[illegible] سروٗگ میلان — نقد پوٗنسہٕ خرچتھ تہِ دروٗگ میلان
[illegible] بجلی [illegible] برداش — یِہ غنیمت زان بجلی گاش
[illegible] گاشا و چھان — رێتی چھےٚ نہ ہورٕنک روزان دھیان
[illegible] چھے شاباش — یِہ غنیمت زان بجلی گاش
[illegible] داریاہ کال — لکھ دِنس نہٕ واپس گژھ کنگال
[illegible] ناناش — یِہ غنیمت زان بجلی گاش

غلام احمد مہجورؔ

وقتن لَرِ سأوی زوراوار
ووتھۆ کمزورو گژھۆ بیدار
راتھ گیہِ دوہ آوپوہَس گوہار
ووتھۆ کمزورو گژھۆ بیدار
تَم کران اَش رنگہِ جاین منز
ژ دزان پانہٕ تاپہ کراین منز
چاٲنۍ ہے محنتس چھُ اُمیدوار
ووتھۆ کمزورو گژھۆ بیدار
انسان رَتھ چیٚہ انسانس
فرق کیاہ روزتس تہٕ حیوانس
حیوان اکھ اَکس پیٹھ خونخوار
ووتھۆ کمزورو گژھۆ بیدار
ریشمی موزِ چ پھُٹ چھکھ سنان
ہیٚرنکھِ موٹر منگہ ناوان
نازنین تنہِ پنہٕ واتہِ آزار
ووتھۆ کمزورو گژھۆ بیدار

غلام احمد مہجورؔ

منظوم اپیل

کأشریو! کرِژوارٕ روزنُک تلاش — یرٔ غنیمت زان بجلی گاش
انہِ گٹہٕ کاسی اُمنیک پرٛاگاش — یرٔ غنیمت زان بجلی گاش
بجلی گرٕہ چھُے پٔنن جائداد — پانٕہ چھُکھ مألِک تی تھویاد
پَنہٕ نس چیزَس (مہ) کرزیادٕہ ناش — یرٔ غنیمت زان بجلی گاش
ژُورٕیتہِ یُس لاگہ سہ چھُ نادان — راوٕہ راوان پٔنن دین وایمان
یُس کرِیتھ کارٕسہ چھُ بدمعاش — یرٔ غنیمت زان بجلی گاش
گرٕس ییٚلہِ ژورگژھِ گرٕویران — گرِبأژ تھاون تتھ کُن دھیان
خانٕہ دار دۄہہ اکہ تُلہِ پرٕ خاش — یرٔ غنیمت زان بجلی گاش
ازما چھُ کانٛہہ چیز سرٛوگ میلان — نقد پۄنسہٕ خرچتھ تہِ درۄگ میلان
سرٛوج یوان بجلی ییہٕ برداش — یرٔ غنیمت زان بجلی گاش
رتبس چھُکھ ووزمے گاشاوِ چھان — ریٔتی چھُے نہ ہورُنک روزان دھیان
قرض وال نکھٕ اِد چھُے شاباش — یرٔ غنیمت زان بجلی گاش
سبتھاہ ووزم دِیہ وارِیاہ کال — لکھ دِنس نہٕ واپس گژھ کنگال
اتھ دوکانس گژھ ناناش — یرٔ غنیمت زان بجلی گاش

غلام احمد مہجورؔ

وقتن لَرِ ساٗوی زوراوار
ووتھٕ کمزورو گژھو بیدار
راتھ گیہِ دوہ آو پوہَس گوہار
ووتھٕ کمزورو گژھو بیدار
تِم کران اَش رنگہٕ جاین منز
ژِ دزان پانہٕ تاپہٕ کراین منز
چاٗنٛز ہے مختس چھُ اُمیدوار
ووتھٕ کمزورو گژھو بیدار
انسان رَتھ چینِہ انسانس
فرق کیاہ روزتس تہٕ حیوانس
حیوان اکھ اَکس پتھ خونخوار
ووتھٕ کمزورو گژھو بیدار
ریشمی موزٕ چِ پُھٹ چھکھ سنان
ہیٚر نکھٕ موٚٹر منگہ ناوان
نازنین تنہِ پنہٕ واتہِ آزار
ووتھٕ کمزورو گژھو بیدار

غلام احمد مہجورؔ

کن کتھن تھاوکنہٕ دٔورو لولہٕ ژٔورو وندیو جان
لول آم چونٔے میانہ مہجورو
رٔوٹ سخنو چانہو ویرو از کشمیر تا ایران
چون آلو گوو منظوٗرو
لولہٕ ژٔورو وندیو جان
ملکِ سخنُک چُھکھ بہودٔورو مأرِ مَندی چھکھ تیر لایان
چھکھ عالم کورتھن گیرو
لولہٕ ژٔورو وندیو جان
حورِ ژٔتھ دژایہ زنجیرو سوزِ چُانیک چھُکھ ارمان
خوبُ چہرے ماہِ منیرو
لولہٕ ژٔورو وندیو جان
چأنۍ سوزن دٔول کشمیرو روزتہٕ ساتھا بوزتہٕ افسان
ژھایہِ روزُن چھا دستوٗرو
لولہٕ ژٔورو وندیو جان
دیشتُ یہ روبن بم تےٚ زیرو رازیٚند رازُن سوز بوزان

غم کاسان چون تحریرو
لولہٕ ژۄرو وندیو جان
وٕلی عاشق عٔشقن پۄرو رات تَے دوہ چھی ژھاران
گوکھ دِلس چون تأثیرو
لولہٕ ژۄرو وندیو جان
موٚٹھ سینما چانہِ تقریرو مس کجن تہ گوحرجان
پردہٕ موتھاو نردی ژۄرو
لولہٕ ژۄرو وندیو جان
یارس گیہ چأنی زیٖرو پیٖر ورۄٹ مے چون دامان
مٕتھ ژے سٕے صُحبک نورو
لولہٕ ژۄرو وندیو جان

غلام احمد مہجور

وولوہار پوشہِ نُولو پوشہِ لنجہ پٹھ تازہ لیکچر کر
گولابن ہی پوشن مالہِ سۆنی پوشن ژہ اَنبر کر
تھربن أندی أندی وُپھان چھک بُلبلاہ پرواز کر ہیۆرکُن
کھسکھ ژتہِ تھۆد سبٹھاہ شہہ پأزہ سُند ہیوپأدِ شہہ پر کر
ژازتام گلشن اَندرکران آکھ چاک دامأنی
ہرژن ٹُل رۄف کرتھ یم چاک ہیٚہ پانے برَابر کر
جہانک پۆز اَپُز وتراو،لوتہِ پأٹھی تھاو جگرس منٛز
ژبےٚ نِش پیداگژھن،لعل وجواہردل سمندرکر
خیالاتوتہِ وَہمو جاے چھے رٔٹمژ دِلس اندر
یۆ ہے چھُے سخت مشکِل قلعہِ زینن گوڈہ یۆ ہے سَر کر
ژہےٚ کرزانہہ پوشنے یاجوج تے ماجوج ہیٚوہ دشمن
ژمحکم ہمتک دیوار بن کارِ سِکندر کر
اُتھس کنٛبٹھ ٹونگ ہتھ وتھ پھیرپنہٕ نین سنگرن بالَن
ژہ پأداباله وِے منٛز سنگ مرمرلعل وگوہرکر

نکھس کبتھ آلہٕ ہتھ زن چھک پہلوان زابلستا نک
پٕنٕن آرام تراوُن واتہٕ ناوُن خیر مسکینن
زمینس ژٔھ جِگر پڑاٹن کیٚنٛو ماوان تہ سنگر کر
یمیس منٛز آسہِ یژھ خوبی ژٕہ تمسے ناولیڈرکر
نزاکت یاوہٕ گی لأزِم مگر آرام زیبا
گولابَس نِش ہیچھان گژھ وارٕ کنڈٕ بن پیٹھ ژٕہ بستر کر
ژٕہ وات مہجوٗر پانس پانہٕ اَتھ منٛز کامیأبی چھےٚ
اَتھن منٛز چھےٚ سبٹھاہ طاقت گتھن میانئن ژٕہ باوَر کر

حصہ مکاتیبؑ

محمد امین (ابن مہجورؔ) کے نام

ذیل میں ہم اس غیر مطبوعہ مکتوب کو شائع کر رہے ہیں جو مہجورؔ نے اُس وقت نئی دہلی سے اپنے فرزند محمد امین ابن مہجورؔ کے نام بھیجا، جب انہیں شیخ محمد عبداللہ وزیر اعظم جموں و کشمیر نے اپنے ہمراہ لیا تھا تاکہ وہ تاریخ کشمیر کے متعلق مواد فراہم کریں۔ اس خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ مہجورؔ تاریخ سے تعلق معاملات میں اپنے فرزند پر کتنا انحصار کرتے تھے اور انہیں بیٹے کی صلاحیتوں پر اعتماد تھا۔ ہم یہ مکتوب محمد یوسف ٹینگ کے شکریے کے ساتھ شائع کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں ملاحظ ہو اسی شمارے کا مضمون۔ ''مہجورؔ کا پُشت پناہ۔'' اِبن مہجورؔ۔''

(ادارہ)

(۱)

نیو دہلی

۲۱ فروری ۱۹۵۱ء

۱۰ پھاگن ۲۰۰۷ء یوم بُدھوار

عزیز اَرجمند سلمہ اللہ تعالےٰ

کل ایک مفصل خط ارسال کر چکا ہوں آج ایک لسٹ اِرسال ہے۔ یہ لسٹ ڈاکٹر

پنڈت رادھاکشن پارمُو کی مرتب کردہ ہے۔ اس نے ایک کتاب "فرام شاہ میر ٹو شاہِ جہاں" انگریزی میں لکھی ہے۔ ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ شیخ صاحب کا خیال ہے کہ اس کو سرکاری طور پر شائع کر دیں گے اردو ترجمہ بھی ہوگا۔ یہ لِسٹ اُسی کتاب سے لی گئی ہے۔ چونکہ یہ کتاب صرف مسلم عہدِ حکومت کے لئے ہے۔ تاہم مُصنِف کی محنت قابل داد ہے۔ اب یہاں چونکہ مشورہ ہوا کہ اس لِسٹ میں سے جو کتاب ہماری نظر سے نہیں گذری ہے۔ اس کی نقل یا اصل حاصل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ لہٰذا آپ فوراً بواپسی ڈاک مطلع کر دیویں کہ اس میں سے کس کتاب کی ہمیں ضرورت ہے۔ اصلی لسٹ آپ اپنے پاس رکھیں۔ جو کتاب آپ کو مطلوب ہو اُن کی فہرست ایک ہی دن میں مرتب کر کے بذریعہ رجسٹری میرے پاس بھیج دیویں۔ بالکل کوئی غفلت یا درنگی نہ کریں۔ اور اگر انڈکس تاریخ کشمیر آپ نے طیار کر لیا ہوگا تو وہ بھی ساتھ ہی بھیج دیویں۔ تاریخ کشمیر سے متعلق آپ نے جس قدر مواد جمع کیا ہے اس سے میں لاعلم ہوں۔ خصوصاً انگریزی ریکارڈ کی مجھ کو کچھ علمیت نہیں۔ اس لئے یہ لسٹ آپ کے پاس بھیج دی گئی۔ ڈاکٹر پارمو نے۔ بہارستان شاہی[۲] لنڈن سے منگوایا تھا۔ اس کی نامکمن نقل بھی اس کے پاس موجود ہے۔ اُس نے وعدہ کیا ہے کہ وہ اوراق آپ کو دکھادوں گا۔ شیخ صاحب کل روز روانہ جموں ہو گئے۔ میں نے یہاں ہی ٹھہرنا ہے۔ اب آپ کے جواب کا انتظار ہے جواب آنے پر ان کتابوں کی تلاش شروع ہوگی اس لئے جس قدر جلد ممکن ہوگا بھیج دیویں۔

علی محمد[۳۴] صاحب نے ابھی تک روپے نہیں بھیجے۔ اگر اس کو فی الواقع رِسٹ واچ کی ضرورت ہے تو روپے جلدی بھیج دیویں۔ چونکہ عبدالرحیم نور باغ نے بھی کہا تھا کہ

مجھ کو چند ایک چیزوں کی ضرورت ہے۔ اگر اب بھی اس کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو اس کو کہہ دیویں کہ وہ بھی کم از کم ڈیڑھ سو روپے بذریعہ تارمنی آرڈر بھیج دیوے۔ کیوں کہ بذریعہ ڈاک خانہ دیر سے روپے ملتے ہیں۔ ممکن ہے کہ اُس وقت میرے پاس وقت کی گنجائش نہ ہو۔ کیوں کہ یہ بھی احتمال ہے کہ آپ کی لسٹ پہونچ جانے پر مجھے دہلی سے باہر بھی جانا پڑے۔ اگر اس کو کسی چیز کی خاص ضرورت نہ ہو گی تو اس کو کہہ دیویں کہ وہ میرے لئے ایک سو روپے بذریعہ تارمنی آرڈر بھیج دیوے۔ مِتری گام کے مفصل حالات تحریر کریں۔ جناب علی محمدؐ صاحب۔ پنڈت اومکارناتھ صاحب عبدالرحیم صاحب نور باغ سلمان کو میری تسلیمات پہونچائیں۔

مہجور کاشمری

معرفت ٹریڈ کمشنر صاحب۔ ریاست جموں و کشمیر

۵۔ پرتھوی راج روڈ۔ نیو دہلی

☆

ٹنکی کدل۔ سرینگر

۲۰ کاتک ۲۰۰۸ ب

عزیزم محمد امین سلمہ اللہ تعالےٰ!

میں آپ سے رخصت ہو کر پلوامہ سے جب جیپ کار پر شام کو سرینگر پہنچا۔ کھانا کاظمی صاحب کے گھر کھایا۔ ۹ بجے رات نیڈو ہوٹل ہال میں شامل مُشاعرہ ہوا۔ مشاعرہ صرف اردو زبان میں ہوا۔ مشاعرہ کی صدارت راقم نے بہ تحریکِ مولوی سعید اور بہ تائید جناب شیخ صاحب قبول کی مشاعرہ میں اکثریت ہندوستانی شعراء کی تھی۔ مشاعرہ کامیاب رہا جوش ملیح آبادی کا کلام جوش وخروش سے سُنا گیا۔ کشمیری شعراء میں سے مزار کمال الدین صاحب کا گُل زعفران بیحد پسند کیا گیا۔ یہاں سے فراغت حاصل کر کے ۱۲ بجے رات سرکاری موٹر پر ٹنکی کدل آیا۔ دوسرے دن چار بجے شیخ صاحب نے ایمپوریم میں شعراء کو ٹی پارٹی دی، راقم بھی شامل ہوا۔ وہاں سے کاظمی صاحب کے مکان پر مع نفر پھر شام کا کھانا کھایا اور نو بجے رات ایس پی کالج ہال کے مشاعرہ میں شامل ہوا۔ راقم نے نو کشیر (نیا کشمیر) کی نظم پیام نمبر ۲ سے سنائی، بہت پسند ہوئی۔ جناب بخشی صاحب اور شیخ صاحب نے ہال سر پہ اٹھایا۔ ۱۹ نومبر ۱۹۵۱ء کو یوم حب خاتون کا جلسہ ہے۔ اس جلسہ کے بعد انشاء اللہ متریگام آؤنگا۔ حامل ہذا قتیل کے متریگام میں رہ جانے سے لاعلم ہے اس کو بے خبر ہی رکھیں۔ حامل ہذا احمد ڈار قصیر لولہ کے ہاتھ بکس ارسال ہے۔ چونکہ حامل ہذا کی ایک نقل انگریزی ٹائپ یعنی نقل شدہ

رام چندر راز دان زیرِ نگرانی احمد ڈار۔ وہاں متریگام میں رہ گئی ہے۔ تلاش کر کے ارسال کریں۔ رشید احمد کو شاید معلوم ہو۔ برادہ کی چار پائی پر تھا۔ ضرور تلاش اور جدوجہد سے دستیاب کر کے حامل ہٰذا کے حوالہ کریں۔ اسکی اپیل اسی نقل کے لئے رُک گئی ہے بکس کے ساتھ نبیر نفر کی لوئی ہے۔ اسکو جلدی واپس کریں۔ اگر ممکن ہو سکے تو عزیز وائین کو جلدی سرینگر بھیجدیویں۔ اور جن چیزوں کی ضرورت ہوگی اسکے ہاتھ بھیجدونگا۔ میرا ارادہ ہے کہ آج کل وٹرنری والوں کے ساتھ بیل کا فیصلہ کرلونگا۔ ان سے تین ماہ کا خرچ بھی وصول کرنا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ اپنے آدمیوں کے ذریعہ بیل واپس لینگے۔ ۳۔ اِنچ قبضہ جات کی تلاش جاری ہے اگر دستیاب ہوئے تو ارسال کرونگا ۔محمد شعبان آری کش آج یارِ کلان جائیگا۔ پرسوں آپ کے پاس معہ آرہ پہنچے گا۔ عبدالرحیم نورباغ ابھی تک نہیں ملا۔ آج نفر وہاں جائیگا۔ اگر ممکن ہوا تو اس کو کل یا پرسوں روانہ متری گام کرونگا۔ اس صورت میں اپنی والدہ وغیر کو روانہ سرینگر کردیویں ۔عزیز شاہ صاحب سرینگر میں ہے۔ پرسوں بدھ وار کو روانہ گھر ہوگا۔ عزیز شاہ بانو کے لئے مضطرب ہے باقی خیریت۔

مہجورؔ کاشمیری

☆

پدم ناتھ گنجو کے نام

ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو کو یہ شرف حاصل رہا ہے کہ وہ مہجورؔ اور عبدالاحد آزاد دونوں کے ذاتی معالج تھے۔ وہ ایک خوش ذوق بزرگ ہیں انہوں نے اشعار کا ایک انتخاب میری پسند اور کلیات آزاد ترتیب دی ہیں۔ ان کے نام مہجورؔ کا ایک غیر مطبوعہ خط درج ذیل ہے اسے ہم ٹینگ صاحب کے شکریہ کے ساتھ شائع کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

اتر ڈڈالہ بلا پرائیوٹ

۷ کتک سنہ ۹۵

میرے عزیز ہم خیال خوش رہو

تسلیمات!

مدت دراز کے بعد آپ کا محبت نامہ ملا۔ یاد آوری کا شکریہ! میں آپکے اس عنایت نامہ کو فال نیک تصور کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے تنازعہ پانی کے سلجھانے پر مامور فرمایا۔ آپ مجھ سے مدت کے روٹھے ہوئے تھے۔ اس لحاظ سے تو میں تنازعہ آتش پر تعنیات ہونے کے قابل تھا۔ مگر آپ نے رحم دلی سے ایسا نہیں کیا۔ شکریہ! تعمیل حکم میں ذرا بھی پہلوتی نہ ہوگی۔ حتی الوسع معاملہ کو نبھادینگے آپ مطمعین رہیں۔

آپ یقین رکھیں اور باور کریں کہ مہجورؔ ہر وقت اپنے نہال خانہ دل میں آپکو دیکھتا

ہے۔اس میں مبالغہ نہیں۔خوشامد نہیں۔غرض نہیں اور بسا اوقات اس کی وجہ اپنے دل سے پوچھتا ہوں۔مگر جواب سے ہر وقت جواب ہی ملتا ہے۔یہ اور بات ہے کہ میں آپ سے ذاتی طور پر مہجور رہتا ہوں۔کیا کیا جاوے۔ذریعہ معاش (ملازمت) زنجیر پا بنا ہوا ہے۔بسا اوقات دل چاہتا ہے ان زنجیروں کو توڑ ڈالوں، مگر ڈرتا ہوں کہ کہیں اس ردِ عمل سے میرا جذبہ خودداری فنا نہ ہو جائے۔اور پھر اس کا اثر میرے خیالات وجذبات پر نہ پڑے۔ دیکھے ؎

آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

تاریخ اقوام کشمیر پہنچ گیا۔شکریہ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن تیار ہو رہا ہے۔اگر آپ اپنے خاندانی اور ذاتی حالات اور اپنا فوٹو دینا چاہتے ہیں تو مطلع فرمادیں۔یا آزاد صاحب کو اپنے ارادہ سے آگاہی بخشیں۔

آپ کا مہجور

O

انڈین لٹریچرس کانفرس کے دعوت نامے کے جواب میں

پیارے دوست!

انڈین لٹریچرس کانفرس میں دعوت کے لئے شکریہ سچ مُچ کانفرس کی بے حد ضرورت ہے اور اس کے لئے آپ کی کوشیں ملک اور قوم کے مبارکباد کی مستحق ہیں۔ہمیں خوشی ہوتی اگر اس میں شامل ہونے کا فخر ہمیں حاصل ہوتا۔مگر یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے جس سے شاید آپ کو بھی انکار نہ ہوگا ہندوستانی ادیب کی قسمت

میں ہی افلاس اور تنگ دستی لکھی ہے۔ اور تو اور اس بارے میں خود پریم چند کی زندگی درس عبرت ہے۔ ہم راقمان میں سے ایک کشمیری ایسی پسماندہ زبان کا شاعر ہے اور دوسرا اردو زبان کا ادیب۔ ہمیں یہ کہتے ہوئے دکھ ہوتا ہے کہ ہماری بہت محدود آمدن اس سفر خرچ کو برداشت نہیں کر سکتی اور بادل ناخواستہ ہمک درد بھرے دل سے آپ کی دوستانہ دعوت کو قبول کرنے میں تامُل کرتے ہیں بدقسمتی تو دیکھے کہ ایک معمولی رقم نہ ہونے سے ہم زندگی کا ایک سنہری موقعہ ہاتھ سے کھو رہے ہیں۔ جس موقعہ سے مُستفید ہونے کے لئے ہم ہزاروں روپے خرچ کرنے پر تیار تھے۔ کیا آپ کی کانفرس کے سامنے ہندوستانی ادباء کی تنگدستی مدِ نظر نہیں تھی؟ اگر تھی تو اسکا حل اس نے کیا سوچا ہے؟ یا اس کانفرس کے بلانے والوں نے ہندوستان میں بھی برنارڈ شا۔ اور پرل بک ایسے ادبا کی توقع رکھی تھی جو دولت میں کھیلتے ہیں اور اکثر اوقات سونے کے چمچے منہ میں لیکر پیدا ہوتے ہیں۔ ہم آپ کی کانفرس کی کامیابی کے دعا گو ہیں اور امید کرتے ہیں کہ اس مشکل کا بھی آپ کوئی موثر حل تلاش کرینگے۔

آپ کا مخلص

مہجور کاشمیری

دیہاتی کشمیری معرفت مہجور پوسٹ ماسٹر پلوامہ کشمیر

☆

بنام مہجور:۔ اسد اللہ کاظمی

(۱)

جموں توی

۱۵ مارچ ۱۹۵۱ء

لیجیئے صاحب ہم اس زمانہ میں آپ کے کشمیر بھی ہو آئے۔ ۸ مارچ کو گیا اور ۱۳ کو واپس ہوا میرا قدم کچھ ایسا ثابت ہوا کہ میرے پہنچتے ہی برف باری شروع ہوئی اور ۱۱۔ کیا بلکہ ۱۲/ مارچ تک برابر جاری رہی۔ میں نے جموں کا رخ کیا۔ ادھر برف باری بند۔ ابن مہجور سے ملاقات نہ ہوسکی اسکا افسوس رہا۔ ویسے میں نے ان کو کتابوں کی اس فہرست کیلیے کہلوا دیا تھا، جسکا تذکرہ آپ نے اپنے خط میں کیا تھا امید ہے کہ یہ اطلاع انہوں نے آپ کو بھجوا دی ہوگی۔

آپ کی سیاحت کا تھوڑا سا حال تو شیخ صاحب کی زبانی معلوم ہو گیا تھا۔ تو یوں کہیئے کہ آپ ہندوستان کے چوٹی کے اہل اللہ کے مزاروں کی زیارت کر آئے۔ خدا کرے اس زیارت کے تاثرات کشمیر کے شاعرِ اعظم کی تخلیق کے لئے مہمیز کا کام کریں

مجیب صاحب کا بھی خط ملا۔ انہوں نے کام شروع کر دیا ہے۔ ان کے قلم سے امید تو ہے شایانِ شان چیز نکلے گی۔ معلوم ہو جاتا کہ ڈرامہ لے کر کس منزل پر ہے۔

آپ کب تک واپس آئینگے۔ آپ تو بہت دن دہلی میں رہ لئے۔ اب ادھر کا رخ کیجیئے۔ آنکھیں ترس گئیں آپ کے کپڑے حفاظت سے ہیں اطمینان رکھئے۔

خان بہادر اور بچے آداب کہتے ہیں!

نیاز مند
اسد اللہ کاظمی

جموں توی
۱۱۔اپریل ۱۹۱۵ء

یا حضرتِ مہجور آپ پر خدا کی سلامتی ہو!

چلتے وقت آپ کہہ گئے تھے کہ جاتے ہی ٹیلی فون ذریعہ اپنی خیرت سے پہونچ جانے کی اطلاع دینگے۔آپ کو گئے ہوئے آج پورے تیں دن ہوئے ہیں خیریت کا آج تک منتظر ہوں آپ کے یہاں سے روانہ ہونے کے بعد قبلہ شیخ صاحب سے معلوم ہوا کہ جموں ہوائی اڈے پر پہنچ کر آپ کو معلوم ہوا کہ آپکا ٹکٹ نہیں خریدا گیا۔گھر آکر پوری کیفیت عبدالخالق سے معلوم ہوئی۔آپ کو شاید معلوم ہوگا کہ راعنا صاحب سے طے ہوا تھا کہ آپ جانے سے پہلے ان کے یہاں سے ٹکٹ لیں گے اور وہ اپنا ایک آدمی آپ کے ساتھ کرینگے۔لیکن حضور آپ شاید سرینگر جانے کے لئے اتنے بیتاب تھے کہ یہاں سے فوراً اڈے روانہ ہوگئے۔یہ سب کیفیت راعنا صاحب سے معلوم ہوئی آپ کو جو تکلیف ہوئی اسکا افسوس ہوا۔

ہم لوگ ہر روز شام کو مہجور صاحب کا ذکر کر کے اُس خلاء کو پورا کرنا چاہتے ہیں جو آپ یہاں چھوڑ گئے ہیں۔کھانے کے وقت آپ ہی یاد آتے ہیں۔خیر انشاء اللہ ایک ماہ کے اندر ہی ملاقات ہوگی۔مجیب صاحب کے خط کا مضمون میں نے آپ کو بھی سنا

دیا تھا۔ امید ہے کہ آپ اپنی پہلی فرصت میں اس کے متعلق کارائی شروع کردیں گے اور وہاں جاکر مقامی کمیٹی یوم حبہ خاتون بنالینگے۔ میں نورالدین کو لکھ رہا ہوں کہ وہ قوالوں کی تلاش میں آپ کی مدد کریں اور حبیب کی جب آپ کو ضرورت ہو اسکا بندوبست کریں۔ خانصاحب کو بھی خط بھیج رہا ہوں۔ حبہ خاتون کی قبر کی مرمت کرائیں جن غزلوں کے لئے مجیب صاحب نے لکھا ہے اسکا خاص دھیان رہے۔ دو حافظ کی ہیں ۔

اے نسیم سحر آرام گہر یار کجاست

صبا بہ لُطف بگو آں غزالِ رعنارا

اور ایک حضرت امیر خسروؒ کی

نمی دانم چہ منزل بودشب جائیکہ من بودم

میں بہت بے چینی سے آپ کے کا خط انتظار کرونگا۔ خان بہادر اور بچے سلام کہتے ہیں پُرسانِ حال کو سلامِ مسنون!

خیر طلب

اسداللہ کاظمی

o

(ریاست کی ثقافتی اور کشمیری زبان وادب کی تارخ میں مہجورؔ کے حق میں حکومتِ جموں وکشمیر کی جانب سے تاحیات سو روپے وظیفہ حسن خدمت (PENSION) کی منظوری ایک اہمک واقعہ ہے۔ کاظمی صاحب مہجورؔ کو اس ضمن میں سرکاری احکامات کی

پیشگی اطلاع دیتے ہیں (ادارہ)

○

جموں توی

۲۶۔دسمبر ۱۹۵۱ء

یا حضرت مہجور اسلام علیکم!

شرمندہ ہوں کہ آج آپ کو خط نہ لکھ سکا۔ داستان طولانی ہے۔ مختصراً عرض کرونگا۔ ۵۔ دسمبر کو یہاں پہنچا۔ ۸۔دسمبر کو جناب شیخ صاحب قبلہ کے ساتھ دس دن کے دورہ پر پونچھ چلدیا۔ وہاں سے ۱۹۔ دسمبر کو بیمار ہو کر لوٹا۔ دو تین دن تک صاحبِ فراش رہا۔ اب فضل خداوندی ہے اچھا ہوں اور پہلی فرصت میں آپ کو خط لکھ رہا ہوں آج جناب شیخ صاحب اور ان کی حکومت نے ادب نوازی کی جو مثال پیش کی ہے۔ وہ ذرا مشکل سے کہیں اور ملی گی۔ الحمد اللہ آج کابینہ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ کشمیری زبان کے شاعرِ اعظم کو مبلغ سو روپیہ ماہوار کی پنشن تاحسین حیات دی جائے۔ خدا اس حکومت کے وزیر اعظم کو عمرِ نوحؑ بخشے اور ان کی توفیقات میں اضافہ کرے۔ آمین ثمہ آمین! کشمیری زبان اور اسکی شاعری کو آج ایک قومی رتبہ مِلا ہے۔ اس پر کشمیر اس کی زبان اور اس کے تمدن سے محبت کرنے والے جتنا بھی فخر کریں کم ہے۔ احکامات انشااللہ جلد ہی صادر ہونگے میری طرف سے اور خان بہادر کی طرف سے جناب ابن مہجور

صاحب اور انکی والدہ ماجدہ صاحبہ کی خدمت میں مبارکباد پیش کر دیجئے۔ ہم لوگ سب دست بدعا ہیں کہ آپ اس پنشن سے برسوں فایدہ اٹھائیں۔

اب ادھر کب آیئے گا۔ مجھے اس سال جناب صراف صاحب کا مکان ملا ہے۔ یہ کافی کشادہ ہے اس میں باغ بھی ہے۔ آپکو پسند آئیگا۔ خدا کرے کہ اب آپ کی صحت بالکل اچھی ہو۔ عارف صاحب پرسوں آئے ہیں ان سے یہ سن کر مسرت ہوئی کہ اب بفضلہٖ آپ بالکل اچھے ہیں۔ کیا پرہیز اب تک جاری ہے یہاں سب آپکو آداب کہتے ہیں۔ ابنِ مہجورؔ صاحب کو میرا اسلام پہنچا دیجئے۔

نیاز مند: اسداللہ کاظمی

(کاظمی صاحب کا ایک اور خط جو مہجورؔ کے نام ان کے واصل بحق ہونے سے صرف چالیس دن کا پہلے کا ہے اس لحاظ سے دلچسپ ہے کہ اس میں بھی وہ مجیب صاحب سے ڈرامہ حبہ خاتون تیار کرنے کے لئے بیحد مضطرب ہیں۔ ان کی صحت کے بارے میں ان کی تشویش انکے خطوط سے عیاں ہے...... (ادارہ)

٥

جموں توی:

۲۶ فروری ۵۲ء

صاحب! یہ کیا اندازہ ہے۔ امرتسر کے بعد سے جو آپ نے چُپ سادھی توکل

تک ہمیں یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ آخر مہجورؔ صاحب کا کیا ہوا۔ خدا خوش رکھے قبلہ شیخ صاحب کو کل ان سے آپ کی خیر و عافیت معلوم ہو کر ذرا طمینان ہوا۔ لیکن یا حضرت مہجورؔ ہم لوگوں سے ایسا کون سا قصور سرزد ہوا آپ نے اتنی تکلیف بھی گوارا نہ فرمائی کہ دو سطر کا خط بھیج کر ہم لوگوں کو یہی بتا دیتے کہ آپ خیرت سے ہیں۔ آپ کے اخلاقِ کریمانہ سے ہمیں یہ توقع تھی۔ شاید ہم ہی لوگوں سے کوئی قصور ہوا ہے جو آپ نے ایسا برتاو روا رکھا۔

امید ہے کہ مجیب صاحب سے آپ کی ملاقات ہوگئی ہوگی اور انہوں نے حبہ خاتون کا زندہ کرنیکا انتظام شروع کر دیا ہوگا۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے یوم حبہ خاتون کے لئے میں کس درجہ مضطرب ہوں۔ اگر ڈرامہ تیار نہ ہو سکا تو سارا مزہ کرکرا ہو جائیگا۔ زیادہ۔ زیادہ

نیازمندہ
اسداللہ کاظمی

غلام محی الدین صوفی

سرینگر۔ شنبہ۔ ۱۱۔ نومبر ۱۹۴۴ء

پتہ! ڈاکٹر صوفی
معرفت پوسٹ ماسٹر سرینگر

جناب مہجورؔ صاحب۔
اسلام علیکم۔

مزاج شریف آپ کی ہمراہی سے آون پوٗر خان پوٗر حیات پور اور بہرام پور

معلوم ہوئے لیکن کئی ایک مسایل ابھی بھی حل طلب میں ۔ حیدر ملک کی تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ قلعہ خانپور نہ تھا بلکہ آون پور تھا۔ لیکن ہم دونوں کو قلعہ کا کوئی نشان نظر نہیں آیا۔ آپ نے یہ زمین چپہ چپہ چھانی ہے۔ آپکو کچھ معلوم ہے؟ محمد کوٹ کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ میں نے تاریخ جموں از حشمت اللہ خان صاحب دیکھی لیکن مظفر آباد میں اسکا بھی پتہ ندارد۔ چیست یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیر ما؟ تاریخ حسن میں آپ نے اُس دن بیر بلؔ پڑھا تھا۔ لیکن آپ بتا نہ سکے کہ کہاں ہے؟ آج سٹائن میں بر بلؔ کا پتہ چلا۔ بیر بلؔ نوشہ میدان کا برج تھا۔ سوال یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر قراء بہادر عمزادہ حیدر کا شعری ادھر مامور ہوا تو بیر بل کے خیال سے محمد کوٹ بھی اسی جانب ہوگا۔ مظفر آباد نہیں ۔ کہ ایک راوی قرار بہادر کا بارہ مولہ جانا بھی لکھتا ہے۔ اس لئے شاید ادھر بھی امکان ہو۔ سٹاین وانکل قلعہ کا پتہ جنوبی وتستہ پر بتلاتا ہے۔

(۲) گنڈِ نعمت کا پتہ چلا؟ آپ کے جواب کا منتظر ہوں (۳) میاں امین نے ابدال رینہ سپہ سالار شہاب الدین بتایا تھا۔ مگر کوئی تاریخ اس نام کا کوئی ذکر ہی نہیں کرتی ۔ صرف سید حسین ہراول فوجی بتلاتے ہیں۔ میاں امین سے دریافت فرمایئے۔ آزاد صاحب کا انتظار ہے۔ اپنا انتخاب ہمراہ لا دیں تا کہ درج کر سکوں ورنہ دیر ہو گئی تو ناممکن ہوگا۔ تیارتھی صاحب کل شام آئے تھے آج لاہور پدھارے ہیں۔ آپ سے ملنے کے مشتاق تھے۔ نیز آزاد سے

آپ نے فرمایا تھا کہ میان امین آوینگے ۔ ابھی تشریف نہ لائے انکو بول دیجئے کہ میں کوئی کھود نہیں کہ فردوسؔ کو صلہ دے سکوں میں خود مفت کام کرتا ہوں اور احباب سے بھی مفت ہی کی امید ارکھتا ہوں۔ یہ صرف وطن کی خدمت ہے اور بس! خدا کرے

کہ یہ عریضہ آپ کو جلد ملے اور جواب آپ سے مجھے جلد۔

والسلام:

غلام محی الدین صوفی

☆

عرشؔ ملسیانی

اولڈ سیکرٹیریٹ دہلی

PUBLICATION DIVISION
MINISTRY OF INFORMATION
AND BROADCASTING.

۲۱ مئی ۱۹۶۹

محترمی تسلیم!

کشمیری زبان پر آپ کے احسانات ہیں۔اس زبان میں آپ کی شاعری کو اردو دان طبقے سے روشناس کرانے کے لئے ضروری ہے کہ آپ کا کلام شائع کیا جائے کشمیری زبان میں اتنی تین چار نظمین اردو ترجمے کے ساتھ ارسال فرمایئے۔ایک نظم تو آج کل کے سالنامے میں شائع کردی جائیگی اور باقی ممکن ہوا تو کسی اور شمارے میں......میں یہ

بھی چاہتا ہوں کہ آپ کی شاعری پر ایک بسیط مضمون لکھا جائے اور آپ کی تصویر کے ساتھ اسے آج کل میں شائع کیا جائے۔اس کیلئے اگر آپ مصالا ارسال فرمادیں تو عینِ نوازش ہوگی، نظم شائع ہوگی تو اسکا حسب قواعد معاوضہ بھی ارسال کیا جائے گا۔

نیاز مند

جناب مہجور عرش ملیانی

(کشمیری نظمیں ترجمے کے ساتھ آجکل میں شائع بھی ہوئی تھیں کہ نہیں یا مضمون کے لئے مصالا بھیجا بھی گیا تھا کہ نہیں ؟اس ضمن میں وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا ......اداریہ)

پدم ناتھ گنجو

کولگام کشمیر

۴ جنوری ۵۰ء

مکرّمی مہجور صاحب ! آداب عرض ہے۔یہاں آئے تین ہفتہ گزر گئے۔طبیعت ناساز رہی دل پریشان رہا پورے تین سال تک ایک جگہ ساکن رہ کر وہاں سے اکھڑ جانا اور پھر ایک اجنبی جگہ میں جڑ پکڑنا ایک اجنبی کا کہئے کیا کوئی آسان بات ہے نتیجہ یہ کہ آپکی ''نیم ملاقات'' یعنی خط نہ لکھا جاسکا۔آپ کی صحت کی فکر لگی رہی ہے۔سنایئے کیسے گزرتی ہے؟خون کے دباؤ کی کیا صورت ہے؟پرہیز جاری

ہوگا۔ ہاں جاری رہے وہی ایک صورت طبیعت ٹھیک رکھنے کی ہے۔ مجھے کولگام آ کر یہ بات معلوم ہوئی کہ میں سرینگر سے اتنا ہی دور ہوں جتنا کسی فرنٹیر والی جگہ سے ہوسکتا تھا۔ سرینگر آنا جانا یہاں سے مشکل ہے راستہ ۱۲ میل اننت ناگ تک کچا ہے اور یہی خصوصی مشکل ہے دوسرے یہ کہ سفر دو منزلوں میں طے ہونا ضروری ہے پہلے اننت ناگ جانا پھر سری نگر پہلا حصہ ٹوٹے پھوٹے ٹانگہ میں دوسرا لاری میں پورا دن یہ سفر کھا جاتا ہے۔ اس وجہ سے میں اور رنجیدہ خاطر ہوں۔ لوگ یہاں مجھ سے ناواقف ہیں اور میں لوگوں سے ناواقف۔ زمستان ہے۔ اِدھر اُدھر جانا نتیجاً مشکل۔ ان اثرات کے زیرِ اثر طبیعت کا پریشان نہ رہنا عجیب ہوتا۔

ہاں! گھر میں سب کو میرا پرتپاک سلام کہیئے گا۔ سب چھوٹوں کو اور بڑوں کو خصوصاً والدہ صاحبہ محمد امین کو میرا مودبانہ سلام عرض ہو۔

کیا لکھوں۔ کیا نہ لکھوں۔ یوں تو جی چاہتا ہے کہ اب سے آئندہ آپ سے برابر خط و کتابت کا سلسلہ جاری رکھوں۔ دنیا تفکرات کے ذکر سے بالا ہو۔ روز روز کے بلند و پست حادثات کی تاثیر سے پرے ہو۔ محض ادب اور ادبیات سے متعلق ہو لیکن کیا ایسا ہوسکتا ہے۔ کیا ہمت باندھ کر بھی ارادہ پورا ہوسکتا ہے؟ مجھ درمیانی عمر کا بشر آپ جیسے پختہ بین بزرگ کے ساتھ عشق و محبت کی اِن گنت اور دور دراز داستان کی جھلکوں کو چھیڑ سکتا ہے؟ ایسا نہ ہو کہ بقول آپ کے کہنا پڑے

وولو چھُس نہٕ مہجور اَتھِ لولہٕ والنِن
لیکھتھ دردِ سوزٕ کِ غزل سوزٕ ناوَے

پھر خیال آتا ہے کہ نہیں۔ مہجور صاحب کا ادبی وجود ایک تبرک ہے۔ ہو سکے تو اسکو

ادبی چھیڑ چھاڑ میں ضرور الجھانا چاہے۔ کچھ نہ کچھ یادگار کے طور پر پس ماندہ گان کے لئے رہ جائیگا۔ اس خیال کو زیرِ نظر رکھکر اب سے آئندہ میری کوشش یہ ہوگی کہ آپ سے خط وکتابت مسلسل اور متواتر کرتا رہوں چہ جائیکہ آمنے سامنے ہوکر ملاقاتوں کا سلسلہ کم ہی کیوں نہ ہو۔

ہاں! نیا کشمیر کا ترجمہ کدھر پہنچا۔ کیا کوئی حصہ مکمل ہوا؟ کیا کیا ادبی مصروفیت ہے ان دنوں؟

میں ۲۳ پوہ شام کو پلوامہ پہنچنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ یعنی پرسوں جمعہ کو۔ ۲۴ پوہ میری ایک سرکاری شہادت تحصیل میں قلمبندی ہونی ضروری ہے۔ اس کے بعد سرینگر جاؤں گا، کیا عجب کہ آپ سے بھی اچانک ملاقات ہوجائے، بشرطیکہ اتفاقاً آپ پلوامہ میں ۲۳۔ پوہ کو ہوں۔ بہر حال میں خط کے انتظار میں یہاں رہوں گا۔ بھوشن لال سامنے بیٹھا ہے۔ یہ معلوم کر کے کہ میں مہجورؔ صاحب کو خط لکھ رہا ہوں خوش ہوا کچھ ہنسا اور کہا کہ ''عبد متو'' کو خش'' کرنے والے مہجورؔ صاحب کو میرا ابھی سلام لکھیں

آپ کا: پدم ناتھ گنجو

مفتی محمد صادق

قادیان

۲۵۔ دسمبر ۱۹۴۰ء

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

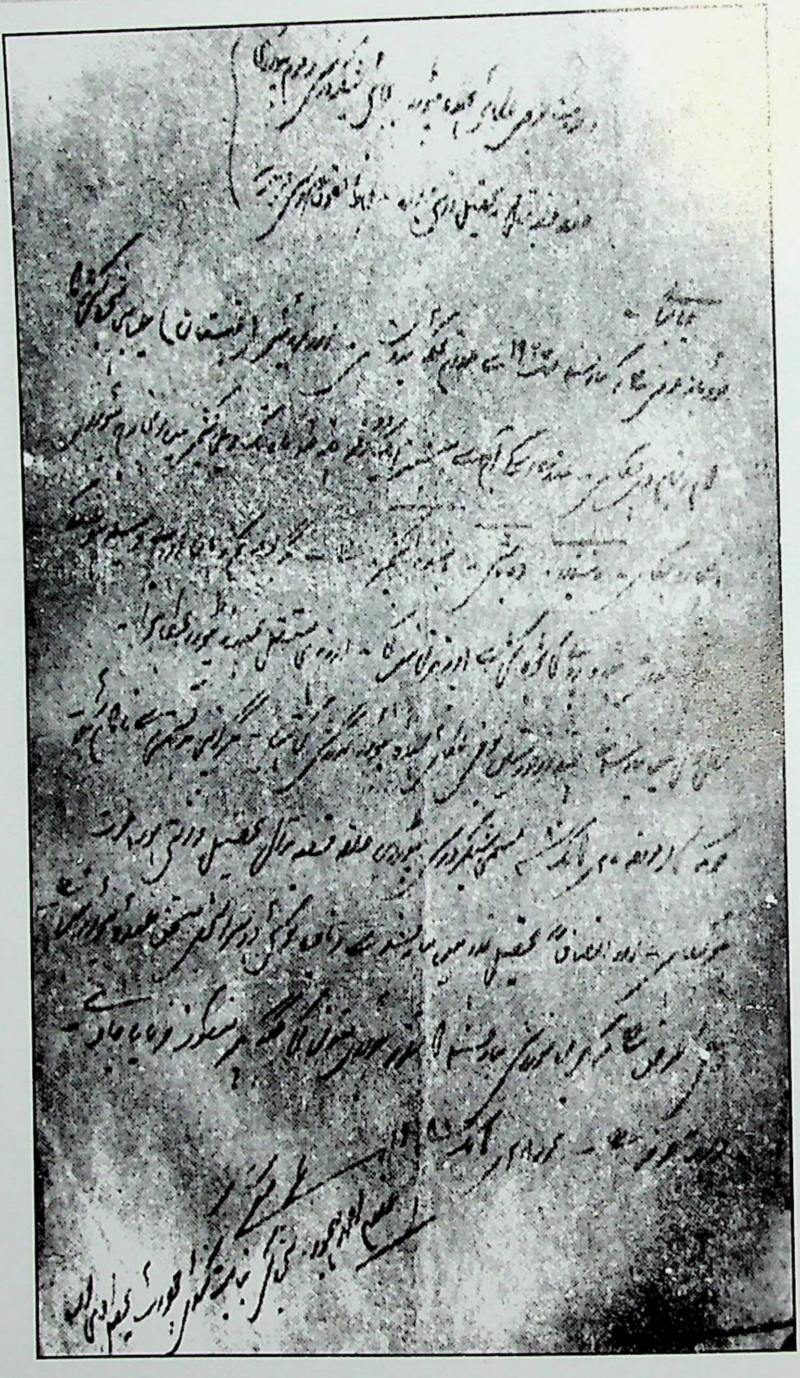
عزیز مکرم غلام احمد صاحب!

کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا تمہیں یاد ہو کہ نہ ہو۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ شعر واشعار کے اشتغال کے سبب بہت شہرت رکھتے ہیں۔اس واسطے مجھے خیال ہوا کہ میں آپ کو ایک خط لکھوں کہ آپ میری نوزائیدہ دختر کی پیدائش کے متعلق ایک نظم بزبانِ کشمیری لکھ کر ارسال فرمادیں۔ جب آپ قادیان میں تھے۔اس وقت جو میری بیوی تھی وہ فوت ہوگئی۔اس کے بعد میں نے ممابار (جنوبی ہند) کی عورت سے پچھلے سال شادی کی۔اس کا نام رقیہ ہے اس کے بطن سے ۱۹۔مئی ۱۹۴۰ء کو لڑکی پیدا ہوئی۔جس کا نام رضیہ رکھا گیا۔کئی دوستوں نے رضیہ کی پیدائش پر نظمیں۔قطعات اور تاریخیں لکھ کر بھیجی ہیں۔میرا ارادہ ہے کہ ان سب کو کتابی صورت میں چھپوالیا جائے اور مجھے خیال آیا ہے کہ بلحاظ پرانی محبتوں کے ان میں آپ کا بھی حصہ ہو والسلام!

خادم

مفتی محمد صادق

☆



نقل عرضی بخط مجہور





(۵) کشمیری ادیب غلام نبی گوہر، امین کامل اور ہردے کول بھارتی ریڈیو کشمیر کے لئے کیمپ سے متعلق اپنے تاثرات ریکارڈ کرا رہے ہیں۔ ساتھ میں رفیق راز اور اوتار کرشن رہبر بھی بیٹھے ہیں۔

(۶) پنجابی ادیب، گلشن، خالد حسین اور ایرانی ادیب تاشی رنگیاس۔

(۷) ہندی ادیب سبھاش بھاردواج اور موہن نراش۔ ڈوگری ادیب مدن موہن شرما اور اردو کے شاعر ہرنپال سنگھ بے تاب۔

محمد صادق

نمایش گاہ سرینگر

۱۳ستمبر

بخدمت جناب منشی غلام احمد صاحب مہجورؔ سرینگر

۱۰۴ مورخہ ۳۴-۹-۱۳

مکرمم! سلام مسنون!

نمایش گاہ میں زیر سر پرستی نمائش کمیٹی ایک ادبی مشاعرہ کا انتظام کیا گیا ہے۔ براہ کرم شرکت فرما کر اپنے کلامِ نظام معجز سے ارباب ذوق کو محظوظ فرمائیں۔ مشاعرہ بتاریخ ۱۵ستمبر ۱۹۳۴ء بوقت ساڑے چھ بجے شام شروع ہوگا۔

احقر محمد صادق

سیکریڑی مشاعرہ کمیٹی نمایش گاہ سرینگر

0

محمد حبیب الرحمان خان شیروانی

جناب من۔ تسلیم۔ عنایت نامہ پہونچا۔ نظام الدین صاحب فوق کی جو خدمت میں کر سکوں گا۔ اس سے انشااللہ دریغ نہ ہوگا۔ امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔ والسلام!

۳ شعبان المعظم ۳۷ھ۔ حیدر آباد محمد حبیب الرحمان خان شیروانی

مُتفرقات

تاریخِ تعمیر زیارت حضرت سُلطان العارفینؒ

شوقہٕ سان سُلطان سُند لاریوس بوزِم رٕژخبر
گومکمل روضہٕ محبوب العالم سر بسر
ڈیڈہ تَل وأتتھ پرٕ ژھوم تاریخ آلوتورٕہ گوم
لولہ سان مرٕ ژراوبرٕ پاک اژہ اندر دیدار کر

۱۳۶۸ھ

شوقہٕ سان سُلطان سُند لاریوس بوزِم خوش خبر
گو دربارِ محبوبی مکمل سر بسر
ڈیڈہ تَل وأتتھ پرٕ ژھوم تاریخ آلوتورٕہ گوم
لولہ سان مرٕ ژراوبرٕ پاک اژہ اندر دیدار کر[1]

۱۳۶۸ھ

---

[1] اس قطع تاریخ کا آخری مصرع ایک اور جگہ یوں لکھا ہے۔
لولہٕ پژہ سان اژھ اندر مرٕ ژراو بر دیدار کر (ادارہ)

۱۳۶۹

”مومنوں کو آسماں دیتا ہے اخبارِ ہلال“

بامِ گردوں پر نظر آتے ہیں آثارِ ہلال
عید کا پیغام لانا ہے سدا کارِ ہلال

ہے دلیل کامیابی جہد وسعی روز وشب
ہمکو یہ زریں سبق دیتی ہے رِفتارِ ہلال

بدرِ کامل بن کے چمکے گا سِتارہ قوم کا
مومنوں کو آسمان دیتا ہے اخبارِ ہلال

گوہر مقصد ملیگا دُور ہوگا رنج وغم
جب کھلیں گے قوم پر سربستہ اسرارِ ہلال

انہدام قلعہ ظلم وجہالت کیلیئے
فتح ونصرت کے لئے آتی ہے یہ تلوار ہلال

۱۹۴۴ء اخبارِ ہلال کے واسطے حسبِ فرمودہ حکیم ولی محمد صاحب

قصّہ دو حسینوں کا

مہجورؔ کا حسن بیاں محمود کا حُسن اَدا
مِل کران حسنین نے پیدا کیا ایک کربلا

کہا جاتا ہے کہ یہ شعر حکیم جیب اللہ صاحب مرحوم سپرانٹنڈنٹ پولیس کا طبع زاد ہے اور مرحوم نے یہ اُس موقع پر کہا تھا۔ جبکہ سرینگر کے مشہور گویئے محمود شہری مرحوم نے حضرت مہجورؔ کی کوئی مشہور غزل سرینگر میں کسی جگہ گائی تھی۔ سننے والوں کا ہجوم بہت زیادہ تھا اور کسی بات پر ہنگامہ ہو گیا تھا۔ جس وجہ پولیس کو مداخلت کرنی پڑی تھی۔ غالباً ۱۹۳۶ء کا واقعہ ہے''۔

.... اِبن مہجورؔ ۷۴۔۵۔۱۱۔۲۰

☆

مہجورؔ کا سنت رام کون تھا؟

ایک دِلچسپ تاریخی تمثیل

کلچر اکادمی کے خبرنامے میں مہجورؔ کے کلام کو مقبول بنانے والے اخباری ہاکر سنت رام کے بارے میں مندرجہ ذیل نوٹ شائع ہوا تھا۔اس پر کشمیر کے مشہور اور مقتدر اخبار روزنامہ ''ہمدرد'' (۱۹۳۵ء۔۱۹۴۸ء) کے مدیر اور ممتاز دانشور سورگیہ پنڈت پریم ناتھ بزاز نے ہمیں ایک خط لکھا تھا جس میں معاملے کے کچھ پہلوؤں پر نئی روشنی ڈالی گئی تھی۔ان دونوں تحریرات کو ہم یہاں پر درج کر رہے ہیں

(ادارہ)

مہجورؔ کو مُقبول بنانے کا راز

ڈوگرہ گلوکار کا ریاض

سرینگر۔کشمیری زبان کے سب سے مقبول شاعر حضرت مہجورؔ کو اپنے کلام کے ساتھ

متعارف کرنے والا ایک شریف اور محنتی ڈوگرہ گلوکار تھا۔یہ انکشاف ڈائیریکٹر ایجوکیشن محترمہ ساجدہ ضمیر احمد نے کیا ہے۔انہوں نے کہا کہ سنت رام کشمیر شری کشیپ بندھو کے اخبار"دیش"کے ہاکر کی حیثیت سے آیا تھا لیکن بعد میں اُس نے ۱۹۳۵ء سے مہجورؔ کی کتابیں بیچنا شروع کر دیں، سنت رام ایک نہایت اچھے گلے کا مالک تھا اور اس نے مہجورؔ کے گیت "باغِ نشاط کے گلو" کو گا کر سارے کشمیر میں مشہور کردیا۔وہ ان گیتوں کو جموں کے مشہور لوگ سازِ اِکتارے پر گاتا پھرتا تھا۔اس کے علاوہ وہ کشمیری زبان اور لہجے پر قدرت رکھتا تھا اور کشمیری عورتیں اس سے ونہ ون اور روف کی طرزیں سیکھتی تھیں، سنت رام شہر کے علاوہ اننت ناگ ،شوپیان ۔ کلگام ۔پلوامہ ۔ترال ۔سوپور ۔بارہمولہ ۔وغیرہ میں بھی مہجورؔ کی کتابیں بیچتا تھا ۔یہ سلسلہ ۱۹۵۰ء تک لگ بھگ جاری رہا اور ان علاقوں میں اب بھی لوگ اس کو یاد کرتے ہیں۔مہجورؔ صاحب کے پبلشر حاجی علی محمد نے کہا ہے کہ ان کے اندازے کے مطابق سنت رام نے مہجورؔ صاحب کے کوئی پچاس ہزار سے زائد کِتابچے فروخت کئے ۔ ٹھاکر رگھوناتھ سنگھ، سیکرٹری لیجلیسٹو اسمبلی نے کہا کہ وہ سنت رام سے ذاتی طور پر واقف تھے اور وہ ہریجن تھا۔انہوں نے کہا کہ کچھ عرصے پہلے جموں میں جموں و کشمیر کی تہذیبی یگانگت کا یہ نمایندہ سورگباش ہو چکا ہے۔

(اکاوی ۱۹۷۴ء)

☆

گاشہِ آ گر

۸۔F حوض خاص ان کلیو

نئی دہلی۔۱۶

محترم ٹینگ صاحب!

تسلیم۔آپ کا خبرنامہ اکادمی برابر مل رہا ہے۔اس کی افادیت کا اور کیا ثبوت دیا جاسکتا ہے کہ میں اس کی ہر سطر کو پڑھے بغیر نہیں رہ سکتا۔تازہ پرچے میں آپ نے دو باتوں کے متعلق لکھا ہے جن پر میں کچھ روشنی ڈالنا چاہتا ہوں۔ یہ درست نہیں کہ شاعر مہجور کو کشمیری عوام کے ساتھ متعارف کرانے والا گلوگار سنت رام ڈوگرہ تھا۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ وہ پیدائش سے کشمیری پنڈت تھا بچپن میں ہی یتیم ہو جانے کی وجہ سے جموں بھاگ گیا تھا۔وہاں مزدوری کر کے اُس نے اپنی معاشی حالت بہتر بنادی تھی۔ جوان ہونے پر اس نے شادی کرنا چاہی لیکن پنڈت فرقے میں اس کو لڑکی ملنی ممکن نہ تھی۔اس لئے اُس نے ایک اچھوت کنیا سے شادی کرلی۔اس کے بعد کشمیری پنڈتوں نے اس کو اپنی برادری سے الگ کردیا۔اس نے بھی یہ لاحاصل خواہش دل سے نکال دی کہ اس کو کشمیری پنڈت کہا جائے۔ وہ مکمل طور پر اچھوتوں میں مدغم ہوگیا۔بدقسمتی سے دو بچے پیدا کرنے کے بعد اس کی بیوی مرگئی لیکن اُس نے دوسری

شادی کرنے سے احتراز کیا، جب ۱۹۳۵ء میں ہمدرد کو اجراء کرنے کا فیصلہ ہوا میں نے جموں سے مسٹر ایس۔ ایس نشاط کو بطورِ اسٹنٹ ایڈیٹر بھرتی کر لیا۔ اس کے علاوہ ایک کاتب اور ایک جلد ساز کو بھی وہیں سے لایا۔ سنت رام کی زبردست خواہش تھی کہ وہ وطن مولوف واپس چلا جائے اور وہ میرے پاس آیا۔ اس نے متذکرہ صدر کہانی سُنا کر مجھ سے درخواست کی کہ میں اس کو بھی اپنے ساتھ کشمیر لے جاؤں۔ میں کوئی پکا وعدہ نہ کر سکا لیکن اس کو اتنا کہہ دیا کہ اگر وہ کشمیر آئے گا تو میں اس کو روزی کمانے کے لئے جتنی مجھ سے ہو سکے مدد دوں گا۔ وہ آ ہی گیا اور میں نے اسے ہاکر بنا دیا۔ باقی جو کچھ آپ نے سنت رام کے بارے میں لِکھا ہے دُرست ہے۔ لیکن وہ مرنے تک اپنے آپ کو کشمیری پنڈت ہی ظاہر کرتا رہا۔ لیکن جب کہ میں نے اوپر لکھا ہے کہ اس کی نشت برخاست اور برادری ہمیشہ اچھوتوں کے ساتھ رہی کیوں کہ اس کو پُورا یقین تھا کہ کشمیری پنڈت اس کو کبھی بھی نہیں اپنائیں گے۔

آپ کا

پریم ناتھ بزاز

(اکامی۔۱۹۷۴ء)

☆

مہجورؔ۔ خاندانی سلسلہ (حسب

میر محمد (۱۱۴۵ھ/۱۷۳۲ء میں سوپور سے سرینگر آئے اور یہاں خانقاہِ معلیٰ کے
نزدیک سکونت پذیر ہوئے۔ وفات ۱۷۵۰ء کے قریب)

حمہ

|

رسول

\

عبداللہ (وفات تقریباً ۱۸۵۰ء)

\

محی الدین (سرینگر سے نوبگ منتقل ہوگئے۔ وفات تقریباً ۱۸۸۵ء

احمد شاہ	محمد شاہ	عبداللہ	گلہ شاہ
	(وفات بعد از عبداللہ)	(ولادت ۱۸۸۵ء۔ وفات ۱۹۱۰	

متری گام میں سکونت اختیار کی۔

غلام احمد مہجور

(ولادت۔ ۱۱/اگست ۱۸۸۷ء)

(وفات۔ ۹/اپریل ۱۹۵۲ء)

مبارک (وفات ۱۹۰۷ء)

محمد امین (ولادت ۱۹۱۱ء، وفات فروری ۱۹۸۸)

رشید باری ابدال خالد دختر ہا

مہجور خاندانی سلسلہ (نسب)

داود (ساکنہ، اشمند، پلوامہ)

طیب (شاخ مورن)

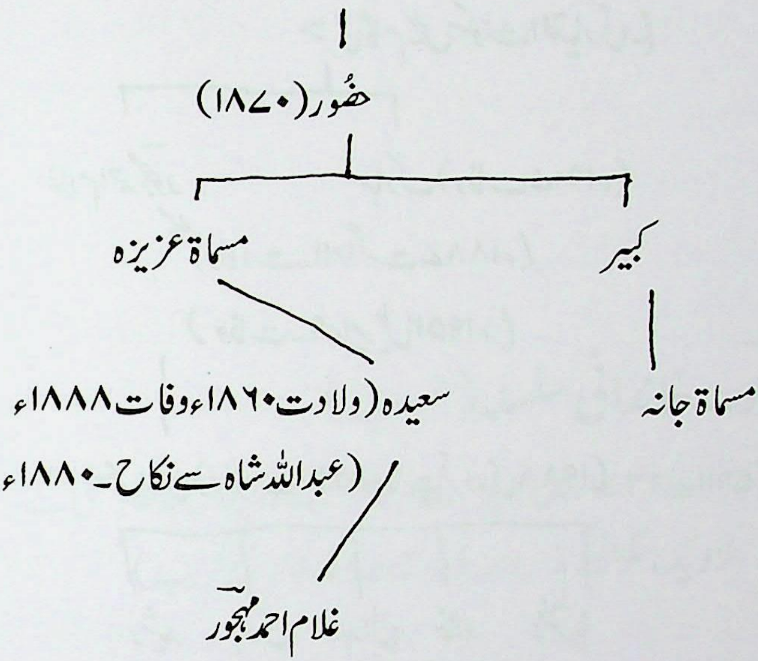
ملا اشرف (شاخ ویری)

(مصنف "رضانامہ" وفات ۱۷۶۸ء)

اسلم (میر ہزار کا ہمعصر۔ ۱۷۹۳ء

ولی (شاخ متریگام)

علی (شاخ ویری)


حضور (۱۸۷۰)
مسماۃ عزیزہ
کبیر
سعیدہ (ولادت ۱۸۶۰ء وفات ۱۸۸۸ء
(عبداللہ شاہ سے نکاح ۱۸۸۰ء
مسماۃ جانہ
غلام احمد مہجورؔ

☆

حیاتِ مہجورایک نظر میں

چند اہم واقعات

۱۱۔اگست ۱۸۸۷ء۔ پیدائش۔ مِتری گام (پلوامہ)

۱۱۔ جون ۱۸۸۸ء۔ والدہِ (سعیدہ بیگم) کا انتقال بعارِضہ کالرا)

۱۸۹۱ء۔ گھر میں ہی پڑھنا لکھنا شروع کیا۔

۱۸۹۸ء۔ ترال میں علی گنائی عاشق ترالی کے شاگردون میں شامل ہوئے

۱۹۰۱ء۔ مدرسہ نصرۃ الاسلام سری نگر میں داخلہ لیا۔

۱۹۰۵ء۔ شعر گوئی کا آغاز اسی سال ہوا۔ مہجور تخلص رکھا اور پنجاب کے سفر پر روانہ ہوئے۔

۱۹۰۷ء۔ راوی (عزیز دید) کا انتقال بعارضہ کالرا۔ پنجاپ سے وطن واپسی یارِکلان میں شادی ہوگئی۔

۱۹۰۸ء۔ بطور شجر کش لداخ میں تقرری۔ لداخ روانہ ہو گئے۔

۱۹۰۹ء۔ کرگل میں تعیناتی۔

۱۹۱۰ء۔ والِد پیر عبد اللہ شاہ کا نوبوگ میں انتقال بلتستان سے وطن واپسی نوبوگ سے پھر پنجاب روانہ ہوئے۔

۱۹۱۱ء۔ پنجاب سے وطن واپسی۔ پیدائش فرزند (محمد امین اکلوتی اولاد)

۱۹۱۳ء۔ بحیثیت پٹواری معطّلی۔

۱۹۱۴ء معطّلی بدستور۔ سکونت متری گام

۱۹۱۴ء۔ بحالی متری گام سے ہجرت۔

۱۹۱۸ء۔ دوبارہ معطّلی۔

۲۱-۱۹۲۰ء۔ بحیثیت پٹواری حاجن (سونہ واری) تبادلہ

۲۸-۱۹۲۷ء۔ سورسار (موجودہ تحصیل، چاڈورہ) تبادلہ۔

۱۹۲۹ء۔ ہندوارہ تبادلہ۔ تیسری بار معطّلی

۴۵-۱۹۳۱ء۔ آری گام (تحصیل بڈگام) تبادلہ اور بحیثیت پٹواری سکونت۔ تخلیقی سرگرمیوں کا سب سے اچھا زمانہ

۱۹۴۵ء۔ ریٹارمنٹ، متری گام میں سکونت

۱۹۴۷ء۔ قومی کلچرل محاذ کے نائب صدر منتخب۔ ادیبوں اور دیگر فنکاروں کی تنظیم میں گہری دلچسپی لی۔

۱۹۵۱ء۔ وزیر اعظم شیر کشمیر شیخ محمد اللہ کے ساتھ دِلی روانگی۔ تاریخ ادبیات کشمیر کی تدوین کے لئے دِلی کے کتب خاتون سے ااستعفادہ کیا۔

۱۹۵۲ء۔ ۱۸۔ اپریل کو حکومت کشمیر کی طرف سے وظیفہ حسن خدمت کی پہلی قسط وصول کی (مہجور ریاست کے پہلے شاعر تھے جن کے حق میں حکومت نے وظیفہ حُسن خدمت منظور کیا رتھا) بیماری کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔

۱۹۵۲ء۔ ۹/اپریل دماغ کی رگ پھٹ جانے کی وجہ سے انتقال تدفین

آبائی گاؤں متری گام (پلوامہ) میں ہوئی

۱۱۔اپریل ۱۹۵۲ء کو نائب وزیر اعظم بخشی غلام محمد متری گام گئے اور اُن کی تجویز پر مہجور (مرحوم) کا جسدِ خاکی سری نگر لایا گیا۔زیارت حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانیؒ خانقاہِ معلیٰ سے مہجور کا آخری سفر شروع ہوا اور اتھواجن میں مزار حبہ خاتون[1] میں پورے سرکاری اعزاز کے ساتھ سپرد خاک کیا گیا۔اس موقعہ پر نائب وزیر اعظم کے علاوہ نیشل کانفرس کے زعماء اعلی سرکاری افسر اور ادیب ودانشور بھی جو موود تھے۔

[1]: مہجور صاحب کا خیال تھا کہ حبہ خاتون کا مزار اتھواجن میں واقع ہے۔لیکن ۱۹ جنوری ۷۷ء کو جموں وکشمیر کے وزیر اعلی جناب شیخ محمد عبداللہ کی قیادت میں کلچرل اکیڈیمی کا ایک وفد بسوک (بہار) گیا تھا جہاں کشمیر کے آخری مقامی تاجدار سلطان یوسف شاہ چک کو خراجِ عقیدت ادا کیا گیا اور ان کے مزار پر شیخ صاحب نے ایک یاد گاری لوح نصب کی جس پر انگریزی اور اُردو زبانوں میں یوسف شاہ چک کی زندگی کے حالات کندہ ہیں۔تقریب کے دوران سیکرٹری اکیڈیمی جناب محمد یوسف ٹینگ کو مقامی لوگوں سے کچھ اہم باتوں کا پتہ چلا اور مزید تحقیقات پر انہیں معلوم ہوا کہ یوسف شاہ چک کی اولا ایک نزدیکی قصبہ اسلام پور میں آباد ہے۔ایک معمر برہمن نے یہ

حیرت انگیز انکشاف کیا کہ یوسف شاہ چک کی قبر کے نزدیک والی چھوٹی سی قبر کشمیر کے شاہ کی بیوی حبہ بی بی کی ہے۔اس حیرت انگیز تاریخی انکشاف سے حبہ خاتون کی موت اور آخری آرام گاہ سے متعلق تمام تصورات تبدیل ہو گئے ہیں۔ کلچرل اکیڈیمی کے وفد میں ٹینگ صاحب کے علاوہ موتی لال کیمو (اور غلام رسول گڈھ بھی شامل تھے۔ تینوں اصحاب کے دستخط سے KASHMIR CULTURAL RAINBOW 1977.78 VIEWS & REVIENS نامی کتابچے میں اس تقریب اور اس انکشاف کے بارے میں ''TOMB OF HABBA KHATOON'' کے عنوان سے ایک نوٹ بھی درج ہے کہ مرحوم محمد امین (ابن مہجور) نے بھی پڑھا ہے۔ نوٹ کے آخر میں ابن مہجور نے لکھا ہے۔ ''This note was by me also'' (ادارہ)

منظوم ترجمہ

انتخاب:۔

کلام مہجورؔ

پیام مہجورؔ

سلامِ مہجورؔ

کلامِ مہجور

ونتہٕ ہےَ وٕلیِہ بے وفائیِ شیوٕ یے دِلدار چھا
نازنین مہہ جبین قتل وغارتھ کار چھا
جستہ لوٗین نستہٕ خنجر نستہٕ گودرختہ جان
تیغ بازس رزم سازس ترکتازس عار چھا
دِلبرن لب شکرن مہ پیکرنِ غارت گرن
دورِلوٗین حوٗرِ تیراژوٗ رِتھاوٕنس وار چھا
اے کماں گر برجگر لوٗیتھ زبر تیرے دوپر
تیرِ آتش بازِ زہرمار سملِ الفار چھا
چھس اویزان تابداماں زہر ژاپاں قہرسان
زلفِ سنبل مرگہ بلبل مارچھا گلمار چھا
سینہٕ سوزن عاشقن دِل شہلبن ہامتھ وچھن
یم دوٕپستان یا پستاں داروے بیمار چھا

اے سکھی کیا بے وفائی شیوۂ دِلدار ہے
قتل وغارت مہہ جبینوں کا ہمیشہ کار ہے
خنجر بینی نے آخر کردیا قصہ تمام!
تیغ بازی ترکتازی میں اسے کیا عار ہے
ہائے دِلبر ہو کے بھی غارت گری چھپتی نہیں
زخم کھاکر حور تڑپی، اسی کاروا ہے
اے کماں گر ٹھیک دِل کے پاس آکر جالگا!
تیرِ آتش بار زہرمار سم الفار ہے
کس قدر گھنٹوں تلک میں قہر سامان زیرناک
زلفِ سنبل مرگ بلبل مار یا گلمار ہے
عاشقوں کے سینۂ سوزاں طراوت پا گئے
یہ دوپستان یا سہ پستان داروے بیمار ہے

ژھل کُرتہ ژۄل ژور ہانژل ؤنی وِمسن پری یے محل
بڈِ ڈلہٕ چھا تیل بل چھا باغہِ شالا مار چھا
چھس وَون زأ لتھ بدن رودمُ مدن ژۄل سرحدن
پرنگ چھا یا درنگ چھا یا برنگ چھا گُٹہار چھا
زاگ ہیتھ برتل غزل وقتس برس اکہٕ اکہٕ کران
ژُور چھا مخمور چھا مہجور خوش گفتار چھا

ہونہ ہو بہا گا وہ پریوں کے محل جس کے مقام
تیل بل ڈل جھیل یا وہ باغِ شالا مار ہے
کھو گیا دِلبر مرا جانے وہ کس سرحد میں ہے
پرنگ ہے یا درنگ ہے یا برنگ یا گُٹہار ہے
یہ گجر دم چھپ کے دَروازے کی جنبش کس نے دی
راہزن میخوار یا مہجور خوش گفتار ہے

☆

کلامِ مہجور

تمنا چانہٕ دیدارُک مےٚ چھہٕ یئمبرزلے بوٚمبرو
ارماں تیری دید کا مجھ نرگسِ کو ہائے بھنورے ہے
پھٔجِس یامیتھ لُجِس وُچھنے گجِس چانے کلے بوٚمبرو
کِھلتے ہی تکتی ہوں تیرا دھیان تو کھائے بھنورے ہے
یہ قَدچون زَن چھُ پوشے گُل پھُلَے بَرجستہ چھس بالکل
بوٹا جیسا قدیہ تیرا سرتا پا ہے پھول ہی پھول
وچھتھ دُورے مےٚ مستورے دلک سٕر یہ مے تھوٚوم ژورے
دور سے مجھ مستور کو دیکھا پیار چُھپایے بیٹھی تھی
ژےٚ لویُت تیرزن حوٚرے یہ چھوکھ نوزانٔہہ بلے بومبرو
زخم بھرے اب کیسے؟ تیرا تیرجو آئے بھنورے ہے
گُھٹِتھ روٗکھ مَدن وارَے بدَن مےٚ زولتھم نارے
میری ٹھنڈک میرے بالم راکھ بناڈالا مجھ کو
ودَن چھسِ چانہٕ امارَے یہ دل سکر شہلے بومبرو
نیر بہاؤں تیرِی چاہ میں تو کب آئے بھنورے ہے
ژیۓ کس ستی گیی سأزش دوٗیم چھابیٚا کھِ کانٔہہ مے ہش

مجھ جیسا ہے دوجا کوئی جس کے ساتھ یہ سازش کی
ژمیٔانے رشکہٕ پانس نش روٗٹکھ کٕمہٕ مَسولے بوٚ مبرو
مجھ سے چھین کے پاس یہ اپنے کون بٹھائے بھنورے ہے
یِہمَنا حال دِل باوَے گژھَ گُٹھ توسہٕ وتھراوَے
آوٗ تو دل کا حال سناوٗں قیمتی فرش بچھاوٗں میں
پٕنُن زُوپیش کش تھاوَے مےٚ پانس شرژَلے بومبرو
جان کو واروں شاید یہ امید بر آئے بھُنورے ہے
یہ پرَمس یارِ کٕمی چوٗکھ ژغأرن ستۍ مِلہٕ نوٗکھ
پریت پرائی کس نے پلائی اپنوں سے بیگانے ہو
کٔرِتھ تعویز برم روٗکھ کمیو آرہٕ ولے بومبرو
کیا کوئی آرول جنتر پڑھ کے گھات لگائے بھنورے ہے
ژیازن ستۍ ژھوٚہ ماران بہٕ تنہا خونِ دِل ہاران
دن گھبراوٗں رات کو ڈھونڈوں تنہائی میں خوں روؤں
دوہس کوٚت نیرِ چھس تھاران ووں ژھانڈتھ روتلے بوٚ مبرو
توبہ تُو تو غیروں ہی میں جی بہلائے بھنورے ہے
کراں مہجورؔ حُسنس گتھ ونان یارس پتو اکھ گتھ
حُسن کا وہ مہجورؔ پتنگایوں بولے ہے آخر میں
یہ دِل دیوانہ گوژیےٚ پتھ بییس ستۍ نورَلے بوٚ مبرو
اوروں سے کیا کام؟ تجھی پر جی آجائے بھنورے ہے

کلامِ مہجور

آیہِ تن چھُے مئون زُوتَے جان   میں ہوں جی جان سے قربان
مارِ مَتہِ وارِ وَتہِ لاگ مئون پان   راہ لگا اے میری جان!
سوکھِ موکھِ وأنج چھَم راوان   ڈوب رہا ہے دِل ہر آن
مارِ مَتہِ وارِ وَتہِ لاگ مئون پان   راہ لگا اے میری جان!
کالُک نارتَے صُبحک نۄر   شام شفق ہے نورِ سحر
شامِچ گٹہِ نیہہ دراوک نۄر   آگ ہی جیسے خاکستر
وُچھِ وُچھِ پوشہِ ٹۄرِ گیہ پریشان   کلیاں دیکھ کے ہیں پریشان
مارِ مَتہِ وارِ وَتہِ لاگ مئون پان   راہ لگا اے میری جان!
تھزرس تھرہ پیٹھ اوس میون اول   مَسکن تھا اونچی ٹہنی
راتھ کُئیت اَنہِ گٹہِ نبہِ ترٹہِ زول   برقِ شب سے آگ لگی
نہ چھُ باغوانن زولاہ جان   مالی لاگے ہے انجان
مارِ مَتہِ وارِ وَتہِ لاگ مئون پان   راہ لگا اے میری جان!
لولہِ نار پانس گوٗنڈنم ہیٛریون   آتشِ اُلفت سرتا پا
امیِ نارِ سرتل سَپنم سون   لگنے سے پیتل پاسا

ولبہٕ کیٛاز آسم ویسراوان | سکھیاں کہتی ہیں نادان
مارِ مَتہِ وارِ وَتہِ لاگ میٛون پان | راہ لگا اے میری جان!
یَس نہٕ آسہِ پَنُنے من بیدار | من جس کا ناہو بیدار
تَس کیٛتُ چھُ ہیوُے پوٗہ تَے ہار | یکسان اس کو پوش اور ہار
بے ہوش منُش چھاپوش چھاوان | بے خودکی ہے گم پہچان
مارِ مَتہِ وارِ وَتہِ لاگ میٛون پان | راہ لگا اے میری جان!
بُلبُلن دوٗپ گُلس حُسن چُھے پور | بلبل گل سے کہے تھا۔ جان!
کیاہ وَنے زیوٗ چھے نہ تی چُھے قصور | ہے حسنِ کامل پر بے زبان
بے زبان زِندہ چھنہٕ یتہِ روزان | بے زبان مرتے ہیں بے گمان
مارِ مَتہِ وارِ وَتہِ لاگ میٛون پان | راہ لگا اے میری جان
مہجور ژٕتہِ بن سونتُک واو | یارِ بہاری بن مہجور
روشِہ روشِہ باغس کُن قدم تراوٗ | گلشن گلشن گھوم ضرور
ژٕتہِ گرٕھ نندرِیتِی وُزناوان | جاگیں تاسب پھول سمان
مارِ مَتہِ وارِ وَتہِ لاگ میٛون پان | راہ لگا اے میری جان

☆

کلامِ مہجور

ساقیا آباد روزُن تا ابد میخانہ چون
تاابد آباد ساقی تیرا میخانہ رہے
آفتابکی پاٗٹھی پژزلُن دم بدم پیمانہٕ چون
صورت خورشید تاباں تیرا پیمانہ رہے
تیٚلی لبکھ نزدیک پوشن جاے گلزارس اندر
جب تیرا دامن ہوا کانٹوں سے پہلے تارتار
نٔیہہ گژھِ ییٚلہِ پوشہِ تھرِ تٔل رؤٹ کنڈٕو دامانہٕ چون
جب ہوا ممکن کہ شاخِ گل پہ کا شانہ رہے
چانہِ بمہٕ محراب مسجد روے چون رشکِ صنم
پالیا محراب ابرو سے صنم چہرے کاراز
وون اُچھن تل جلوٕ گر چھم کعبہٕ تے بُتخانہٕ چون
چشم کعبہ کے مقابل تیرا بُت خانہ رہے

شامہٕ ژھاے واوِ گڑایے پوشہِ وتھرا پیو پتھر
جنبش باد خزاں سے پھول جھڑ جاتے ہیں ہائے

پان زندے زالنگ ووت پونپرس پروانہٕ چون
جل بجھے وہ آگ میں جو تیرا پروانہ رہے

یم نہٕ یوٚ دباہم رلن اِد کوہ ڈلن سنگرالن
پھر یہ ممکن ہے زمانے کو تہ وبالا کریں

دردٕ ہٕتی یم میأنی آلو سازتے سامانہٕ چون
ساز میرے سوز سے جو تیرا ہم شانہ رہے

پوشہِ لنجہِ پیٹھ اول اوسم ترٹہِ لولچہٕ کوٚر فنا
برق الفت سے ہوا گر خاک میراً آشیاں

خانہٕ میون برباد گو آباد اُسن خانہٕ چون
غم نہیں آباد لیکن تیرا کاشانہ رہے

جنگہٕ منز مرنک ژیو ہالس اندر ہر دم مرن
رزم گاہ شوق ہے کچھ اور پیارے جنگ اور

جنگہٕ کھوتے زیادٕ دروگ پیوٚ عاشقن یارانہٕ چون
ہر گھڑی مرتا ہے جس سے تیرا یارانہ رہے

ژأر چھنہٕ پنہٕ نبن تہٕ پردٕبن دیندارن کأفرن
پیار میں شیخ و برہمن ،غیر، اپنے، ایک ہیں

لولہٕ والین سارِنٕے کیٔت وٕتھ چھُ دسترخوان چون

وقت دسترخواں یہ تیرا اور میخانہ رہے
تازٕ غزلاہ آو ہیتھ مہجور کن دأرِتھ ژٕ بوز
سب نے مانا جب سُنی مہجور کی تازہ غزل
نوکتٕ زأوِلی بوزٕ ناوان گاٹلبن دیوانٕ چون
شہ نشین بزم خرد کا تیرا دیوانہ رہے

☆

پیامِ مہجور

بُلبل وَنان چھ پوشن   بلبل نے یوں پُکارا
گلشن وطن چھُ سونُے   گلشن وطن ہمارا
سونُے وطن چھُ گلشن   ہے کِتنا پیارا پیارا
گلشن وطن چھُ سونُے   گلشن وطن ہمارا

سنبل وَنان بنفشس   سنبل کہے۔ بنفشہ!
رُوزِتھ ژِژھایہ چھُک کس   چُھپتا پھرے ہے کیا کیا
وَن تروا باغ گُن دس   جنگل کو چھوڑا دھرآ
گلشن وطن چھُ سونُے   گلشن وطن ہمارا

أندی أندی سفید سنگر   دیوارِ سنگِ مرمر
دیوار سنگِ مرمر   ہر سُو ہے جس کے اندر
منز باگ سبز گوہر   لگتا ہے سبز گوہر
گلشن وطن چھ سونُے   گلشن وطن ہمارا

ناگن کولن تہ آرن چشمے ہوں یا کہ دریا
جوین تہ آب شارن یا آبشار گویا
دیئت سوز نو بہارَن سب اس کا ہے کرشمہ
گلشن وطن چھُ سوئے گلشن وطن ہمارا

مئز جنگلس یہ اَچھِ پوش اچھ پوش ہے بہ صحرا
تنہا بہتھ چھُ خاموش خاموش اور تنہا
درشن دِوان نِوان ہوش ہے کیسا ہوش فرسا
گلشن وطن چھُ سوئے گلشن وطن ہمارا

لجمژ پھُلے چھَ پوشن ہرسُو ہیں کیا شگوفے
باغن وَنن تۂ گوشن میدان ہوں یا کہ ٹیلے
بلبل وِچھتھ توشن بلبل یہ کیوں نہ بھکے
گلشن وطن چھُ سوئے گلشن وطن ہمارا

وچھ یارون ژندن کل اشجار چیڑ جندن کے
ہیمالہِ ہُند سُہ منزِل ہی مال کے پنگوڑے
ڈیشتھ پھولی دِلک گُل دیکھو تو دل کھل اُٹھے
گلشن وطن چھُ سوئے گلشن وطن ہمارا

سوکھ ناگ توسہ مأدان   سوکھ ناگ توسہ میدان
تتہِ وُچھ مےٚ پانہٕ بھگوان   رہتا وہاں ہے بھگوان
بھگتن چھُ جلوہ ہاوان   بھگتوں میں جلوہ سامان
گلشن وطن چھُ سونُے   گلشن وطن ہمارا

گلمرگہِ اَلہٕ پتھرے   گلمرگ سے اِدھر چل
نیلہٕ ناگ گوگجہ پتھرے   نیل ناگ کی ہے چھل بل
مخمل بہار وٕتھرے   فرش بہار مخمل
گلشن وطن چھ سونُے   گلشن وطن ہمارا

وچھ لولُک ژمأدان   لولاب کو سحردے
سرسبزہ کوہ بیابان   ہریالیوں سے بھردے
موٕمتیٚ چھ زِندٕ سپدان   مردوں کو زِندہ کردے
گلشن وطن چھُ سونُے   گلشن وطن ہمارا

سێندِ وانہِ چھُل ژتن مَن   سِندھ آب سے نہاوَ
مانس بَلس دِاَدِ تن   پھر مانس بل میں آوَ
ہرموکھہِ سُہ پانہ وُچھ ہَن   ہر سو اُسی کو پاوَ
گلشن وطن چھُ سونُے   گلشن وطن ہمارا

بُلبل کران گُلن گتھہ نرگس ہویا کوئی گُل
بۆمبر تیمبرزَلن پَتھ بھنوار ہو یا کہ بُلبل
کأشِر چھ مست مس چیتھ مستی میں سب ہیں بالکل
گلشن وطن چھُ سونُے گلشن وطن ہمارا

گپہ کارِ شہ نشین وِچھ گپکار شہ نشین دیکھ
أندی أندی گلن زمین وچھ ہر سمت گل زمین دیکھ
اِشہِ بروچھِتھ نگین وِچھ اِشہ بر ہو یا نگین دیکھ
گلشن وطن چھُ سونُے گلشن وطن ہمارا

کر سأل ڈل بُرِتھ یِژھ اے دوست سیر ڈال کر
درِ یاے گُل وچھان گژھ نظارہٕ کنول کر
ہَم پوشن دِل رچھان گژھ جانا مگر سنبھل کر
گلشن وطن چھُ سونُے گلشن وطن ہمارا!

اَسہ ونی زمین چھ پانپر پانپور کیا حسین ہے
گژھ وچھ ژکونگہٕ وِڈر کیسر کی سرز میں ہے
تتہِ دِل بلی ژلی شر تسکین کا امین ہے
گلشن وطن چھُ سونُے گلشن وطن ہمارا

گژھ اَہر بل ژلی شر
ہوا ہر بل کی حسرت
وِچھ قودرتک سُہ منظر
تو جا کے دیکھ قُدرت
آبس بنان چھ گوہر
پانی گُہر کی صورت
گلشن وطن چھُ سونُے
گلشن وطن ہمارا

مہجوؔر دیس سونُے
مہجوؔر دیس اپنا
باغاہ چھُ نُندہ بونُے
ہے دِلکشی میں یکتا
اَتھ لول گوژھ برونُے
قربان اس پہ ہوجا
گلشن وطن چھُ سونُے
گلشن وطن ہمارا

☆

پیامِ مہجورؔ

ولوہا باغوانو نو بہارک شان پیدا کر
حیاتِ نَو کا ذرے ذرے میں اَرمان پیدا کر
پھولن گل گتھ کرن بلبل تتھی سامان پیدا کر
ہر اک شے کھِل اُٹھے وہی سامان پیدا کر
چمن وأران رِواں شبنم ژِٹتھِ جامہ پریشان گل
چمن ویران ہے شبنم رو رہی ہے گل پریشان ہیں
گُلن تے بُلبلن اَندر دوبارے جاں پیدا کر
گلوں اور بلبلوں میں باغباں پھر جان پیدا کر

مہ تھو گلزارس اندر سوے گلن کنِژ سوے خرأبی چھے
ببولوں کا گُلوں کے درمیان ہونا خرابی ہے
یوان سنبل چھ پے دَر پے گُلِ خنداں پیدا کر
ضرورت ہے کہ ہر سُو سنبل و ریحان پیدا کر
محبت پننہِ وطنگ پور اَسُن شُو بہ انسانس
ہر ایک انسان کی اپنے وطن کی چاہے اُلفت
ژِ یی مان منزِلس واتکھ یتھُے ایمان پیدا کر
کہ زادِ راہ ہے منزل کی یہ ایمان پیدا کر

کری کُس بُلبلا آزاد پنجرس منز ژ نالان چھک
قفس کی تیلیوں کو توڑنے آتا نہیں کوئی
ژ پننہ نے دستہٕ پننہٕ نِنْ مشکلن آسان پیدا کر
تو اے بُلبل خود آزادی کا اب سامان پیدا کر
حکومت مال و دلت ناز و نعمت بیہ شہنشا ہی
حکومت مال دولت ناز و نعمت اور شہنشاہی
یہِ سوُرے چھُے ژ بے نِش پانسِ ژ اپچی زان پیدا کر
یہ سب کچھ پاس ہے تیرے فقط پہچان پیدا کر

چھِ باغس جانور بولان مگرآوازٕ چھکھ بیوٚن بیوٚن
بہت ہیں طائراں نغمہ پیراباغ میں لیکن
یہنٛدس آلوس یارب اثر یکساں پیدا کر
اثران کی فغاں میں اے خدا یکسان پیداکر
اگر وٕزناوٕہن بستی گلن ہنٛز تراو زیروبم
تمہارے زیروبم سے مردہ بستی جاگ سکتی ہے
بٔنٛیل کر، واوکر، گگرایہِ کر، طوفان پیداکر
کڑک بن ،زلزلہ بن، اک نیاطوفان پیداکر

دُبارٕ عالمس منٛز کأشرٕن ہُند ناو گژھِ روشن
تمام عالم میں پھر کشمیریوں کا نام ہور روشن
ژٕ للتادت تہٕ تأزی بٹ، مبارک خان پیداکر
وہ للتادت ،وہ تازی بٹ مبارک خان پیداکر
بہودر شیردل گنزراونے بیٚہ کابلی، ترکی
بہادر شیر دل تسلیم کرلیں کابلی، تُرکی
ژٕ رحمان میر ہیٚوٕہ کانٛژاہ دوٕیم کپتاں پیدا کر
تو رحمان میر جیسا دوسرا کپتان پیدا کر

پکن فرمانِ شاہی از تہِ ییہِ چانین اشارن پٹھ
چلیں فرمانِ شاہی آج بھی تیرے اشاروں پر
ژ یتھ پنہٕ نِس زمانس منز دوٚیم توٗ زیہ بھان پیدا کر
دوبارہ اس زمانے میں تو زیہ بھان پیدا کر
بیین مُلکن اندرادِ گاٹہٕ جارُک ہکہٕ بہہ ناوُک
تمہاری آگہی کا سکہ تا اوروں پہ ہو قائم
ژ یتھ ملکس اندر نندرام ہیوٚہ دیوان پیدا کر
پھر اپنے ملک میں نندہ رام سا دیوان پیدا کر

کرن سرخم ژٕے کُن اہل ادب ایران وٚ شیراز کی
کریں سرخم ترے آگے وہ شیرازی وہ ایرانی
غنی ہیوٚہ بیا کھ کاٗبہہ جادو بیاں انسان پیدا کر
غنی سا دوسرا جادو بیاں انسان پیدا کر
زمینس شاعری ہندس کرِتھ مہجور گل پیدا
زمین شعر میں تو نے کھلائے پھول ہی کیا کیا
وون اتھ رنگین باغس بُلبل نالاں پیدا کر
تو اے مہجور اب ایک بُلبُل نالاں پیدا کر

پیامِ مہجور

نیاے ترأوو ماے تھأوو پانہٕ وأنی　　جھگڑے آپس کے بُھول جاؤ تم
پۆز محبت بأگرأوو پانہٕ وأنی　　سچی اُلفت کے خم لنڈھاؤ تم
صاف تھأوو سینہٕ مُشرأوو فساد　　کینہ بغض وفاد کو چھوڑو
کینہٕ ترأوو دأدی بأوو پانہٕ وأنی　　دِل کو آئینہ کر دِکھاؤ تم
وقتِ مشکل ہمتو سمتو کٕرِو　　کام ہمت سے مشکلوں میں لو
اکھ أکس اتھٕ شہلأوو پانہٕ وأنی　　ہاتھ آپس ہی میں بٹاؤ تم
ذات بُتراتھ کأشرٕ بن، ہنٕز چھو کُنی　　کاشمیری نژاد ہیں سب ایک
خواہ مخواہ دوربر مہٕ پأوِو پانہٕ وأنی　　اپنی اس ریت کو نبھاؤ تم
دود چھُ مسلم ہیۆند چھُ شکر صافٕ صاف　　دودھ مسلم ہے گھی شکر ہندوٗ
دود تہٕ بیٚیہٕ شکر رلأوِو پانہٕ وأنی　　ان کو آپس میں گھل ملاؤ تم
ہیٚندی رٔتن نم کھۆری واین اہلِ دین　　خواہ کچھ بھی تمہارا مذہب ہو
ناو یمہٕ مُلکٕچ ہٕرٕ چلأوو پانہٕ وأنی　　ناؤ اس ملک کی چلاؤ تم
کۆر بلٕس پتھ زُو فدا قُدٕ گوجوأری　　گوجواری قدوس کی مانند
از تمے کتھٕ یاد پأوو پانہٕ وأنی　　جان پنڈت پہ وار جاؤ تم
زٕچھ برِج کاکن مسلمان گُبرٕ گرٕژٕ　　برج پنڈت کی یاد آجائے
دِل تتھے پأٹھۍ مسلہٕ نأوو پانہٕ وأنی　　بیٹا مسلم کو یوں بناؤ تم
سانہٕ وطنک کُس چھُ دشمن کُس چھُ دوست　　دوست دشمن ہے اس وطن کو کون

جہل ترأوتھ گنزرأوو پانہٕ وأنۍ باتیں آپس میں یہ سمجھاؤ تم
غأر نوقصان کرِنہٕ تھندس عزتس اپنی عِزت کرو تو عزت ہے
یُتھ نہٕ تُہٕز عزت ہرأوِو پانہٕ وآنۍ آس غیروں سے کیوں لگاؤ تم
گھر تنازس غأر شُوبیا کت خدا گھر کی باتیں ہیں گھر میں طے ہوں گی
نیٚاے وٹِنکر أنزرأوو پانہٕ وأنۍ غیر کو بیچ میں نہ لاؤ تم
اکھ أکس پتھ یُتھ نہٕ زانہہ کأنچھو بدی دوسروں کی برائی عیب ہے عیب
یُتھ نہٕ سازانہہ راوٕ رأوو پانہٕ وآنۍ عیب ہرگز نہ دِل میں لاؤ تم
یوٚد تھٔو اتھہ واس توہہ پوشونہٕ کانہہ مِل کے رہنے میں زور ہوتا ہے
ژھبن گرِتھ یِنہٕ پوشہٕ نأوو پانہٕ وآنۍ اپنی طاقت کو کیوں گنواؤ تم
پانہٕ وآنۍ یِنہٕ اکھ أکس دشمن بنو دیکھنا دشمنی نہ پیدا ہو
فتنہٕ یِنہٕ زانہہ وزِنأوو پانہٕ وأنۍ بات اتنی نہ بڑھاؤ تم
گُس دیاں چھُ بأگرآوو گلی تہٕ پوش بانٹ لینا نہ اپنے گُل بُولے
بُلبلو گلزار چھأوو پانہٕ وآنۍ بلبلو مل کے چہچہاؤ تم
بأے سُند بأیس شوبیا تھاوُن ملال بھائی ہو کر ملال بھائی کا
گنڈ دلن ہندی مژرآوو پانہٕ وآنۍ دِل سے اپنے یہ کدبُھلاؤ تم
ہیچھ نأویوکھ رُت پکُن نادان بأے راستہ لے لو راست بازی کا
اکھ أکس ہمت بڑأوو پانہٕ وآنۍ اپنی ہمت کو خود بڑھاؤ تم
یم غریب آسن تمن اتھہ روٗٹ گرِو جو بھی مُفلس ہواُس کے کام آؤ
بأے بأے چھوٕ رژھ رأوو پانہٕ وآنۍ بھائی بھائی ہو یہ دکھاؤ تم
ملہٕ ژارُک دیُت یہ مہجورن سبق مِل کے مہجور نے کہا رہنا
یاد تھأوو بوزنأوو پانہٕ وأنۍ دوست اوروں کو بھی سناؤ تم

☆

پیامِ مہجورؔ

بے عارٕ گمی ہندِ خارٕ بیوٗٹھک آرٕ وٚلن منٛز
ہی تھرِ ہندی پاٗٹھی جاے رٕٹھتم آرٕ بلن منٛز
پابند چمن گُل چھُ توے کنڈی چھِ تُمس لاری
آزاد بُلبل باشہِ کران پوشہِ ڈلن منٛز
اکھ دِل ہشارا جاہلن منٛز روزِ کتھِ پاٗٹھی خوش
کیاہ شیشہٕ اُویُل وارٕ روزِ یاہ آرٕ پلن منٛز
پنہٕ نبن چھِ ارمان غاٗرتے بیگانہٕ چھاوان باغ
من خوش چھِ تھاوان تن چھِ ناوان سہنٕد زِلنمنٛز
مےٚ تہِ پاٗدٕ کرٕ یاے واریاہ یوسف تہِ دلارام
کینہ اندمزارن رُوٗدی کینہ شُرپی رازٕ بلن منٛز
یُس پان گاٗلتھ لاگنے کرِ سُے چھُ پور انسان
تس کیا چھ شرف ہرِد یُس پھٔلی ژھارٕ کھلن منٛز

ستم گر رشک میں کھویا کہاں جا کے پکاروں میں
وہ جوہی کہ طرح چھپتا ہے سنگزاروں میں
ہے پابند چمن گل اس لئے تلواروں میں کانٹے ہیں
پھرے آزاد بُلبل کی طرح وہ کیا بہاروں میں
دل بیدار کیا ان عقل کے اندھوں میں خوش رہتا
عجب ہے آبگینہ اور ہو وہ سنگ پاروں میں
گلوں سے جھیل سے چشموں سے کھیلیں غیر حیرت ہے
چمن والوں کو حسرت سیر کی ہے خود بہاروں میں
کئے تھے میں نے یوسف اور دلارام بھی پیدا
چتا میں جل بجھے آ کر کئی ڈوبے بے مزاروں میں
جو کھلیانوں میں دانے چُننے نکلے کیا کہیں اس کو
وہی دہقاں ہے جو سہتا ہے سب بو کر بہاروں میں

انسان چوان ترٛیشہِ کنہِ انسان سُندٕ ے خۄن
انسانٔیتھ گُنہِ روزِنا انسان کلن منٛز
میاَنٛز نالہٕ بۄزِتھ بُلبلو وون پوشہِ لولن گُن
یہِ چھُ تان سینا سازوایاں گورٕ بلن منٛز
مہجور ہنٛز کتھ بوز لبکھ معرفتُک پےَ
پۆز گیانِ یا عرفان چھُنہٕ گورن تہٕ ملن منٛز

زمین پر آدمی نے آدمی کا خون چوسا ہے
میں شرف آدمیت ڈھونڈ لاؤں کیا اب ستاروں میں؟
مرے نالے سُنے بلبل نے اور طوطی سے یوں بولا
جگانے تان سین آیا ہے مردوں کو مزاروں میں
سنو مہجور کو تم معرفت کا راز پاؤ گے
نہیں وہ پنڈتوں ملاؤں جیسے خامکاروں میں

پیام مہجور

جانانہٕ عاَلی شانہٕ مہربان بنکھنا
مہربان ہو وہ جانِ جاں تو عالی شان ہو جائے
گُل رویہ سنبل مویہ گل خندان بنکھنا
وہ گل رو اور سنبل موگلِ خنداں ہو جائے

چھے کیاژٕنے کمی خط و خالس یال گو پالس
کسی صورت کسی محبوب سے کچھ کم نہیں تو پھر
ژٕتہِ کامہِ دیو یوسف کنعان بنکھنا
تعجب کیا جو تو رشکِ مہ کنعان ہو جائے

پُژھ لازیتھ کوو بازپاۓ ٹھی ییٚتہٕ ساتھ گزرادکھ
گذر جاتی بڑے آرام سے دل کی تمنا ہے
گوٚبہٕ یُس نہٕ باٗژن کیا تیٚتھے مہمان بنکھنا
جو دوبھر ہو نہ گھر میں تو وہی مہمان ہو جائے

ہیم ناک صورت دورِ ہاٗوِتھ لوٗکھ لرزاٗوِتھ
تری تصویر سے مرعوب ہو سکتا نہیں کوئی
چھک شیر قاۓلین شیرنیشاں بنکھنا
جو سچ مچ شیر بن جاوٗ بپا طوفان ہو جائے

تھرِ زاٗژ ژاٗسِتھ کیا زِ بنکھ خوامخواہ کاٗشُر
ترا کشمیری ہونے میں نہ جانے عار ہے کیا
ترکی بخاری کابلی افغاں بنکھنا
کہ تو ترکی، بخاری کابلی افغان ہو جائے

تھوٚد رشتہٕ ہاٗوِتھ کتھٕ بناٗوِتھ دیار خرچاٗوِتھ
جو خدمت آدمی کی کر نہیں سکتا تو کیا حاصل
سید قریشی مولوی یاخان بنکھنا
کوئی سید، قریشی، مولوی یا خان ہو جائے

وانس اندر چھی بانہٕ بٔری بٔری فتنہٕ فسادٕ کر
پانے ژٕ پنہٕ نٕبن ٹِنڈٕ بانٕن ٹھان بنکھنا
دشمن گرأوِتھ شور پأوِتھ زور پر کھأوِتھ
وقتک پہلوان رستم دوران بنکھنا
مہجور سوروِیے کیہنہٕ ژٕ بنکھ پنٕنہِ کوششہٕ ستی
یم چیز ترأوِتھ یک طرف انسان بنکھنا

زمانہ ہر قدم سینکڑوں فتنے جگاتا ہے
مبارک عافیت کا تو اگر سامان ہو جائے
ترے دم خم سے طے ہو سکتے ہیں پھر ہفتخواں اے دِل
جو یہ ثابت کرے تو رستم دوران ہو جائے
یہاں مہجور ہر اک چیز مل جاتی ہے کوشش سے
یہ کیا کچھ کم ہے پیارے تو اگر انسان ہو جائے

☆

پیام مہجور

نۆوُے شوراچھُ ونہِ کینہ باغہ کینہ جاناوارن اندر
نۆوُے سوزاچھُ تلمُت پوشہِ نولو پنجرن اندر
سبٹھاہ پکی پکی تہِ تھکی تھکی کاروان چھُنہٕ منزلس واتان
خرأبی قسمتچ چھا یا چھ خأمی رہبرن اندر
بہارس تلرِ گوٚو ہن دۄرِ لنہٕ ہن دیۆر سۆ مبرأدِتھ
فضا چھنہٕ صاف تمہِ کِس کِس کراں پنہٕ نین پھرن اندر
ٹھپس منز زندگی ہندی زیادٕ دوہ یدوے مے گنذأریوم
چھُ بأقی قوت پرواز وُنہِ میانین پرن اندر
نظر پأز ہنز چھنہٕ بُسی تین پیٹھ چھُس تھز روا راہ
پنُن روزی چھ ژھاران پانہٕ بالن سنگرن اندر
نہٕ أزی کینہ عاشقن اندر تمنا سرفروشی ہُند
نہ شانِ دلبری قأیم چھُ أزی کینہ دلبرن اندر

چمن کے طائروں کا نغمہ کیا اونچے سُروں میں ہے
ادھر طوطی کا ہنگامہ بھی اب کے پنجروں میں ہے
مسلسل قافلہ چلتا رہا منزل نہ مل پائی
یہ بدبختی ہے یا خامی ہی خامی رہبروں میں ہے
بہار آئی شہد کی مکھیاں باہر نہ جا پائیں!
ابھی تک بھنبھاہٹ ہو رہی ان کے گھروں میں ہے
قفس میں زندگی اکثر گذاری ہے اگر ہم نے
مگر پرواز کی قوت ابھی باقی پروں میں ہے
نظر بستی پہ کیا ڈالے بلندی ہے مقام اس کا
کہ شاہین رزق اپنا ڈھونڈتا ہی سنگروں میں ہے
نہ اب کے عاشقوں میں ہے تمنا سرفروشی کی
نہ شانِ دلبری ہی دیکھنے کو دلبروں میں ہے

ؤستھ بون بون گڑھان یم آرٕ وچھِ یم چھِ کتہٕ یوان
یہ شوروشر یہ بدمستی وچھک کرآ گرن اندر
بڈٕبن ہندٕ بن گرن اندر چھُ جانٛک ڈرتہٕ مالُک ذر
چھےٚ ہمت تے دلبری مفلسن ہندٕ بن گرن اندر
چھِ اکثر پاک سیرتھ دور روزان ژھایہ لوکن نش
توےلۆب کُن چھِ زٕ ٹمٕژ جاے پمپوشو سرن اندر
ہرکان چھنہٕ رؤف کٕرتھ ووستاد میانبن سینہٕ کبن چاکن
گُمژ کمزور یا پیدا چھےٚ شاید رفگرن اندر
مشیدن خانقاہن منز چھِ نقلی پوش کیا شوبان
چھِ اصلی پوش چمنکی جلوٕ ہاوان مندرن اندر
ژٕ تھومہجور قٲیم شان خودأری زمانس منز
یو ہے جوہر چھُ از نایاب سانبن شأعرن اندر

ہے پانی جتنا نیچے آتا اتنا شور کرتا ہے
وہ اس منبع کب اس کی طرح شورہ سروں میں ہے
ہے بیم جان وزر سرمایہ داروں کے یہاں ہمدم
جوانمردی اگر ہے مفلسوں ہی کے گھروں میں ہے
رہے ہیں پاک طینت عام لوگوں سے نہاں اکثر
کنول کی زندگانی پانیوں کے اندروں میں ہے
رفو چاک ہائے سینہ کا ہوتا نہیں شاید
کوئی کمزوری پیدا ہو چکی اب رفوگروں میں ہے
ہیں خالی نقش ان کے مسجدوں اور خانقاہوں میں
حقیقی پھولوں کی رونق سراسر مندروں میں ہے
تو رکھ مہجور قائم شان خودداری زمانے میں
یہی جوہر ہے جو نایاب اپنے شاعروں میں ہے

☆

سلام مہجور

سونتھ آو صبحُک واو پوشن جلوٕ ہاوان آو
سُلہِ ژاو باغس ہِندرِ ہتمِن وُزٕ ناوان آو
خاموش کھونہِ پیٹھ پوشہِ تھرِ معصوم چمنک اوس
رسہٕ پأٹھی تمِس حبہٕ پھران اسہٕ ناوان آو
گل آسی کری مِتی ورزٕ داون ہردِ پریشان
اکہِ اکہِ یمن رآوی متمِن سۆنبہٕ راوان آو
أسی خون والان اکھ أکس ہم جنس جاناوار
لولک تہٕ دردُک سازوایان فِتنہٕ ساوان آو
پھۆل باغِ عالم تازٕ بہار آو جہانس
پیغام بقا آدمیس واتہٕ ناوان آو
ییلہِ وقتہٕ وِزِتر وو گنڈی گُلس پیٹھ سایہِ بہارن
اِد پوش بُنتھ بُلبلن دل تنبہٕ لاوان آو!

بادِ سحر بہار کی جلوہ دکھانے آ گئی
سوئے ہوؤں کو باغ میں نیند سے وہ جگا گی
وہ چمن زاد چُپ جو تھا، گود میں شاخ گل کے چپ
اس کو سہلانے آ گئی اس کو ہنسانے آ گئی
جورِ خزاں نے کروئے پھول تھے جتنے منتشر
گمشدہ ان تمام کو پھر اکٹھا کرنے آ گئی
اہل چمن میں باہمی رنجشیں خوں ریز تھیں
سازِ خلوص درد سے فتنے سبھی سُلا گئی
تازہ بہار آ گئی باغ جہاں کِھل اُٹھا
دائمی زیست کا پیام آدمی کی سنا گئی
سایہ فگن بہار جب ہو گئی خار زار پر
پھول بنی تو بلبلوں کا وہ یوں دل لبھا گئی

ییٚلہِ نو بہارن جلوٕ پٔنُن ہوو چمن پھوٚل
باغس اندر کرکٲنسہِ أکس مُشراوان آو

ابراوس بالس ژھایہِ زمین ترییش منگان اوس
کھوٚت ابرِ رحمت آسمان باران تراوان آو

یعنی سُہ شہنشاہِ زمین سرورِ کونین
وحدأنیتُک زندگی ہند راز باوان آو

ساقی بٔنتھ آو فخرِ عرب شاہد لولاک
مس پانہ نیاٚرک ملہٕ ژاٚرک بأ گراوان آو

میخانہٕ تے پیمانہٕ کُنے شیشہٕ کُنے رُؤد
شاہن تہٕ گداہن کُنے مس چاو ناوان آو

ییٚتہٕ اوس گومُت آدنُکے وعدٕ فراموش
ییٚہٕ آدمن آدمیت یاد پاوان آو

ییمی زون مقصد کیاچھُ ییٚمہِ باغک تہٕ بہاٚرک
پٔزی پأٹھی سُے اکھ زندگی ہند باغ چھاوان آو

سُے سون یاور ناو چھُ لیس شافع محشر
مہجور یوہے ناو پتو یاد تھاوان آو

جلوہ دکھانے آگئی جب بھی چمن میں پھر بہار
سب کو گلے لگالیا کیا کسی کو بھلا گئی؟

تیز تھی دھوپ ہر طرف سو بہ سوالعطش عطش
رحمت ابر بن کے وہ پانی بہت بہا گئی

سرورِ دو جہاں کا روپ دھار کے آگئی یہاں
وحدت زندگی کا راز کو بہ کو سنا گئی

فخرِ عرب وہ شاہد و ساقی بزم دوسرا
بن کے چلی تو پیار کی ایک ہی مے پلا گئی

میکدہ ایک جام ایک شیشہ وانصرام ایک
شاہ وہ گدا کے واسطے ایک ہی مے پلا گی

وعدہ روز اولیں بھول گئے تھے لوگ سب
پھر اسی وعدے کو انہیں یاد دلانے آگئی

جس نے بھی غور وفکر سے باغ و بہار کو پڑھا
اس کو چمن کی سیر کا رازِ طرب سنا گئی

شافعِ حشر بن گئی مونس دیاور ورفیق
ہجر میں اسطرح سے وہ درد کا بن دوا ہوگئی

سلام مہجور

کوترو واتکھ ژٕ ییٚلہِ بر روضہ خیرالانام
پاسِ للہ ادبہٕ سان کر پیش میون عرض وسلام
دم سنٛبھألِتھ پنہٕ نہِ لولُک رسم پألِتھ صبح ودم
مٔدرزیوٚ احوال دل مےٚون کر بیان بالاے بام
اُمتکہِ غمخوارٕ بڈٕ ساکارٕ دل آوارٕ چھُم
عالمکہِ سردار بخشن ہارٕ غم کاسُم تمام
آٔرزوٗ چھُم چانہِ دیدارُک یہ دل چھُم بےقرار
بلبلا زن انتظارس نو بہارس صبح و شام
زُو فدا کرٕ ہاوتن چانہٕن مگر توٚت واتہِ کر
دٔرِ زن بےتاب کوٚرنس ہولہٕ تب چھم لول آم
امارٕ ہاپے ژھارٕ ہا وتہٕ گارٕ ہا ژٕتٕ پڑارٕ ہا
واتہٕ کوٚت بےزرتہٕ بے پرلولہٕ شرزاثہہ کرمےٚ درام

اے کبوتر! جب بھی پہنچے روضہ خیرالانام
بہرللہ پھر ادب سے پیش ہو میرا سلام
کچھ سنبل کر رسمِ الفت کے مطابق صبح وشام
حال دل میٹھی زبان سے کہنا یوں بالاے بام
آپ ہیں غمخوار اُمت کیا بڑی سرکار ہے
شاہ عالم دور کر دے رنج وغم میرے تمام
آرزو ہے دید کی اور دِل مرا ہے بے قرار
منتظر ہے پھول کی خاطر یہ بلبل صبح وشام
کب ترے کوچے میں پہنچوں تو فدا ہو جاؤں میں
میں تبِ فرقت میں جلتا رہتا آیا ہوں مدام
جستجو میں دوڑتا اور منتظر رہتا وہیں
بے زری اور نارسائی میں ہوں با حسرت تمام

وات داوس کرنظراسہِ کُن تہِ وچھ سون حالِ زار
کفُر آو بر جوش اسلامس ہوٕان از انتقام
اسہِ پیٹھ یِوٚد سایہِ تراوکھ رحمتُک ہاوکھ ظہور
کاسہِ گٹہٕ ظُلمٕچ جہانس چون اکھ ادنیٰ غلام
اکھ تمنا ہیتھ دلس منز آشہِ سان مہجور آو
رحمتٕچ بس اکھ نظر اے یاورِ ہر خاص وعام

پہنچے گا داد کو، بے داد ہے، بیداد ہے
لے رہا ہے کفراب اسلامیوں سے انتقام
سایہ رحمتِ پڑے جو آپ کے احسان کا
ظلمت ہستی مٹادے آپ کا ادنےٰ غلام
اک تمنا لے کے آیا ہے یہاں مہجورؔ آج
ہے اُمید نظرِ رحمت یاورِ ہر خاص و عام

☆

اکادمی کی سرگرمیاں

۱۰ر جولائی کو اکیڈیمی کے صدر دفتر واقع لال منڈی پر ریاست کے ہندی ادیبوں کی ایک بیٹھک ہوئی جس میں ہندی کے مقامی ادیبوں اور شاعروں نے شرکت کی اور ہندی ادب کے تازہ ترین رجحانات پر بحث و تمحیص ہوئی۔ اس محفل کی صدارت ریاست کے وزیر سیاحت شریمتی کھیم لتا وکھلو نے کی جو کہ خود بھی ہندی کی ایک ممتاز ادیب ہیں۔ اپنی صدارتی تقریر میں شریمتی ووکھلو نے ہندی زبان وادب کے تئیں اکیڈیمی کی خدمات کی سراہنا کی اور اس سلسلے میں بالخصوص اکیڈیمی کے جریدہ ''شیرازہ'' (ہندی) کے رول کی چرچا کی۔ انہوں نے کہا وہ جریدہ ریاستی ہندی ادیبوں اور باہر کے ہندی ادیبوں اور قارئین کے درمیان ایک مضبوط رابطے اور پل کا کام انجام دے رہا ہے۔ ''شیرازہ'' (ہندی) کے ایڈیٹر شری رمیش مہتہ اس محفل میں شرکت کرنے کیلئے جموں سے سرینگر آئے تھے۔

۲۵ر جولائی کو اکیڈیمی کے صدر دفتر میں ایک طرح مشاعرے کا اہتمام کیا گیا جس میں مقامی شعراء کے علاوہ وادی کے دور دراز علاقوں سے تعلق رکھنے والے نوجوان اردو شعراء نے شرکت کی اور حاضرین کو اپنے کلام سے محضوظ کیا۔ اس محفل شعر

کی صدارت نوجوان اردو شاعر مجروح پوربی نے کی۔

اس سے قبل جون کے آخری ہفتے میں نوجوان کشمیری شعرا نے ایک محفل شعر میں اپنا کلام پیش کیا۔ اس کے علاوہ ایک کشمیری محفل افسانہ بھی منعقد کی گئی۔ جس میں وادی کے مختلف علاقوں سے مدعو کئے گئے نوجوان کشمیری افسانہ نگاروں نے اپنی تخلیقات پیش کیں۔

ستمبر کے دوسرے ہفتے میں اکیڈیمی نے اور ایک محفل افسانہ کا اہتمام کیا جس میں وادی کے مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے نوجوان اردو افسان نگاروں نے اپنے افسانے پڑھ کر سنائے۔ حاضرین نے ان پر تنقیدی انداز میں اپنے تاثرات بیان کئے۔ ستمبر کے آخری ہفتے میں ایک محفل مقالات کا اہتمام کیا گیا جس میں نوجوان نسل سے تعلق رکھنے والے مقالہ نگاروں نے اردو میں اپنے مقالات پڑھ کر سنائے۔ ان پر بھی خوب بحث و تمحیص ہوئی۔ اکیڈیمی ہر سال اردو اور کشمیری زبانوں میں نوجوان ادیبوں اور شاعروں کی محفلیں منعقد کرتی ہے۔ اور یہ ان کوششوں کا ایک حصہ ہیں جو اکادمی نوجوان نسل سے تعلق رکھنے والے قلم کاروں کی حوصلہ افزائی کے لئے پچھلی کئی سالوں سے کرتی چلی آئی ہے۔

۱۲راگست کو اکیڈیمی کی طرف سے کشمیر کے نامور صوفی شاعر (مرحوم) احد زرگر کا یوم وصال منایا گیا۔ اس موقعہ پر مقررین نے اس عظیم صوفی شاعر کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا۔ اس کے علاوہ مقبول گلوکار علی محمد شیخ اور ان کے ساتھیوں نے کلام احد زرگر پیش کر کے لوگوں کو محضوظ کیا۔

۱۳؍اگست کو اکیڈیمی کی طرف سے بھگت تھیٹر، ''اکن گام'' کشمیر نے اس سال کا اپنا ڈرامہ 'اچھ منز کیٹر'' ٹیگور ہال میں مدعو ناظرین کے سامنے پیش کیا۔ ریاست کے مشہور ڈرامہ نویس جناب علی محمد لون اور جناب پران کشور نے ججوں کے فرائض انجام دیئے۔

اگست کے تیسرے ہفتے میں اکیڈیمی کے زیر اہتمام اسی تھیٹر سے وابستہ فن کاروں نے شانگس، اڈلچھ اور گوپال پورہ کلاں (اننت ناگ) میں مدعو ناظرین کے سامنے اپنے ڈرامے پیش کیے۔ جنہیں لوگوں نے بڑی ہی شوق سے دیکھا اور محضوظ ہوئے۔

جشن آزادی کی تقریبات کے سلسلے میں اکیڈیمی نے ۱۶؍اگست کو کالج آف ایجوکیشن کے آڈیٹوریم میں ایک کل ہند اردو مشاعرے کا اہتمام کیا۔ مشاعرے کی صدارت ریاست کے وزیر تعلیم و مال جناب علی محمد نائیک نے کی۔ مشاعرے میں پروفیسر آل احمد سرور، جناب پورن سنگھ ہنر، جناب وقار خلیل کے علاوہ، جناب میر غلام رسول نازکی، جناب مظہر امام، جناب قیصر قلندر، ڈاکٹر حامدی کاشمیری، جناب عابد مناوری، جناب حکیم منظور، جناب پرتپال سنگھ بیتاب، جناب سیفی سوپوری، جناب محمد یٰسین، جناب رفیق راز، جناب بشارت سلیم اور محترمہ رخسانہ جبین نے شرکت کی اور سامعین کو اپنے کلام سے نوازا۔

اس مشاعرے میں شرکت کیلئے اکادمی نے مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے

شعراء کودعوت نامے بھیجے تھے۔ان میں سے کسی ایک نے شرکت کرنے کا وعدہ بھی کیا لیکن آخر پر وہ مشاعرے میں شریک نہیں ہوئے۔ان میں جناب پریم کمار نظر، جناب حمید الماس، جناب مصور سبز واری، اور جناب عرفان صدیقی کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔جناب بشیر بدر، جناب عمیق حنفی، جناب امیر قزلباش، جناب جگن ناتھ آزاد، اور جناب کنور مہندر سنگھ بیدی سحر نے اپنی شرکت یا عدم شرکت کے سلسلے میں آخر تک ہمیں کوئی اطلاع نہیں دی۔ جناب بیکل اتساہی کچھ مصروفیات کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے۔

۲۱ راگست کو بابا ریشی لوک تھیٹر کے فن کاروں نے اکیڈیمی کی طرف سے لال پورہ ٹنگمرگ میں ایک رنگا رنگ تمدنی پروگرام پیش کیا۔ جسے ہزاروں لوگوں نے دیکھا اور محضوظ ہوئے۔

۲۵ راگست کو پلہان (پٹن) میں گلمرگ فوک تھیٹر اور ارنہ مال فوک تھیٹر سے وابستہ فن کاروں نے کئی لوک ڈرامے پیش کیے جنہیں ہزاروں لوگوں نے دیکھا اور ان کے فن کی سراہنا کی۔

یکم ستمبر کو گلشن تھیٹر بٹہ پورہ اور کوثر تھیٹر تکیہ امام صاحب کے فن کاروں نے بوٹہ مرن (پلوامہ) میں کئی لوک ناٹک پیش کیے۔ان تھیٹروں سے وابستہ فن کاروں نے موسیقی سے بھی ناظرین کا دل بہلایا۔اور داد و تحسین حاصل کیا۔اسی روز سرینگر میں یوم احمد کے

سلسلے میں اکیڈیمی نے ایک محفل موسیقی کا اہتمام کیا جس میں وادی کے سرکردہ لوک موسیقار شیخ غلام احمد بٹواری نے بھی شرکت کی اور ہزاروں شائقین سے داد حاصل کی۔

اس سال بھی اکیڈیمی کی طرف سے ٹیگور ہال میں موقعہ پر ہی بچوں کی مصوری کے مقابلے کا اہتمام کیا گیا جس میں وادی بھر کے تعلیمی اداروں سے تعلق رکھنے والے تقریباً پندرہ سو طلباء، وطالبات نے شرکت کی۔ یاد رہے کہ اس مقابلے میں ۶ سال سے لے کر ۲۱ سال تک کی عمر کے طلباء و طالبات شریک ہوتے ہیں۔ اس موقعہ پر سیکریٹری اکیڈیمی جناب محمد یوسف ٹینگ نے بچوں میں مٹھائی تقسیم کی۔ ججوں کی سفارش پر مختلف Age Groups کے طلباء وطالبات کو انعامات دینے کا اعلان کیا گیا۔

اس سال ۱۳ر ستمبر سے ۲۰ ستمبر تک اکیڈیمی کے زیر اہتمام گاندربل میں کُل ریاستی ادیبوں کا ایک آٹھ روزہ کیمپ منعقد کیا گیا۔ جس میں اردو، کشمیری ڈوگری، ہندی پنجابی اور لداخی زبانوں کے گیارہ ادیبوں نے شرکت کی۔ ان ادیبوں میں جناب امین کامل جناب غلام نبی گوہر، جناب ہردے کول بھارتی (کشمیری)، جناب حکیم منظور، جناب پرتپال سنگھ بیتاب، (اردو) جناب سبھاش بھاردواج، جناب موہن نراش (ہندی)، جناب مدن موہن شرما (ڈوگری) جناب گربچن سنگھ گلشن، جناب خالد حسین، (پنجابی) اور جناب تاشی ریگیاس (لداخی) شامل ہیں۔ یہ بتا دینا مناسب ہوگا کہ اردو کے مشہور افسانہ نگار جناب نور شاہ اور ڈوگری کی مشہور شاعرہ

محترمہ پدما سچدیوا اور ڈاکٹر وید کماری گھئی کو بھی اس کیمپ میں شرکت کی دعوت دی گئی۔ لیکن ان کی طرف سے کیمپ کے آخری دن تک بھی کیمپ میں شرکت یا عدم شرکت کے بارے میں دفتر کو کوئی اطلاع موصول نہیں ہوئی۔ اکادمی کی طرف سے مہمان ادیبوں کی دیکھ بھال کے فرائض محمد احمد اندرابی، ایڈیٹر 'شیرازہ' (اردو) کو سونپے گئے تھے۔

یہ ریاستی ادیبوں اور خود اکیڈیمی کے لئے بھی ایک نیا تجربہ تھا۔ چناروں کی پُر سکون فضاؤں میں کیمپ میں شریک ادیبوں کو ہفتہ بھر باہمی تبادلہ خیال اور ایکدوسرے کو بہت قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا بھی موقعہ ملا۔ اس آٹھ روزہ کیمپ میں کشمیری، اردو، ہندی، ڈوگری، اور لداخی کی درجنوں غزلیں اور نظمیں، کشمیری، ڈوگری اور پنجابی کی درجن بھر کہانیاں اور پنجابی اور کشمیری ناولوں کے چند باب بھی سنائے گئے جن پر سیر حاصل تبصرہ کیا گیا، اور تخلیق کاروں کو مفید اور تکنیکی لحاظ سے اچھے مشورے دئے گئے۔

اس دوران مہمان ادیبوں سے تبادلہ خیال کرنے کے لئے کچھ ممتاز ادیب سیکریٹری اکادمی جناب ٹینگ صاحب کے ہمراہ گاندربل تشریف لائے۔ جن میں جناب علی محمد لون، جناب غلام رسول سنتوش، جناب غلام نبی فراق، جناب غلام نبی خیال، جناب چمن لال چمن، جناب رسول پونپر، اور جناب بشیر اختر کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ ریاست کے کچھ پنجابی ادیب بھی گاندربل تشریف لائے کیوں کہ ریاست کی پنجابی سبھا نے اس سیزن کی اپنی ایک غیر معمولی نشست کا اہتمام دوران کیمپ گاندربل میں ہی کیا۔ اس نشست میں نہ صرف

یہ کہ انہوں نے کیمپ میں شریک ادیبوں سے تبادلہ خیال کیا بلکہ اُنکی تخلیقات سُنیں، اور انہیں اپنی تخلیقات سنائیں۔اس نشست میں بھی خوب بحث وتمحیص ہوئی اور یہ خوشگوار ماحول میں ختم ہوئی۔

شرکائے کیمپ سے اس کیمپ کے بارے میں ان کے خیالات جاننے کے لئے ریڈیو کشمیر کی طرف سے جناب اوتار کرشن رہبر اور جناب رفیق راز کی سربراہی میں ایک ٹیم گاندربل آئی۔ مہمان ادیبوں نے کیمپ کے بارے میں اپنے خیالات ریکارڈ کرائے جبکہ بعد میں نشر بھی کیئے گئے۔اس کے علاوہ انہوں نے اپنے تاثرات رقم بھی کیئے۔جس کا خلاصہ یوں ہے!

اس کیمپ میں شریک ہونا ہمارے لئے ایک غیر معمولی تجزیہ ثابت ہوا۔ادیبوں کے Commune میں رہنے کا تجربہ حاصل ہوااور مختلف زبانوں کے ادیبوں سے مل بیٹھنے کا، ایک دوسرے کو سمجھنے کا اور تخلیقی عمل کے سفر اور ان فکری رجحانات کا کچھ کچھ اندازہ ہوا جو آخر کار کسی فن پارے کو جنم دیتے ہیں۔ ایک دوسرے کی تخلیقات سنیں۔ مختلف زبانوں سے ناواقفیت کے باوجود تخلیقات میں تجربات یکسان محسوس ہوئے۔ کیمپ میں ایسے تجربات حاصل ہوئے جن سے فکر اور سوچ کی نہج پر خوشگوار اثر پڑا۔

مہمان ادیبوں نے اس کیمپ کا اہتمام کرنے کیلئے اکیڈیمی کو مبارکبادی۔اور آئندہ زیادہ مدت کیلئے ایسے کیمپ منعقد کرنے کی امید ظاہر کی۔ اکیڈیمی کے حسن انتظام کیلئے منتظمین کا شکریہ ادا کیا گیا۔

۱۴ ستمبر کو اکیڈیمی کی طرف سے ٹیگو ہال میں ایک مائم شو Mime Show کا اہتمام

کیا گیا۔ جسے بیحد پسند کیا گیا۔ اس موقعہ پر اور لوگوں کے علاوہ لیجسلیٹو اسمبلی کے ڈپٹی سپیکر جناب غلام الدین ملک بھی موجود تھے اشاراتی اداکاری کو سمجھنا ایک مشکل کام ہے۔ اس زبان کو سمجھنا اور اس کا جواب دینا اس وقت تک ناممکن ہے جب تک کہ دیکھنے والا اس کا بغور مشاہدہ کرے کیوں کہ یہاں تو حرکات اور عمل سے ہی سب کچھ بیان ہوتا ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اسے عالمی سطح پر قبول عام حاصل ہے۔ خاموش اداکاری اگرچہ آواز سے عاری ہوتی ہے لیکن اس کا پیغام بالکل صاف اور واضح ہے۔

ہندوستان میں اشاراتی تھیٹر نے اس کے ڈائریکٹر شری نرنجن گوسوامی کی رہنمائی میں ملک گیر سطح پر شہرت پائی ہے۔ وہ ڈرامے میں رابندر بھارتی کے پوسٹ گریجویٹ ہیں اوانہوں نے اس فن کو نئی زندگی بخشی ہے۔ حکومت ہند نے نمایاں خدمات کے صلے میں انہیں وظیفے کے علاوہ فیلوشپ سے بھی نوازا۔ تاکہ وہ اس میں اعلیٰ تربیت حاصل کرسکیں۔ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کے اعزازی پروفیسر کی حیثیت سے شری گوسوامی نے ملک کی مختلف دانش گاہوں میں ورک شاپ اور سمینار منظّم کئے۔ نیشنل یوتھ فورم نے ۱۹۸۰ء میں انہیں بہترین اداکاری کے انعام سے نوازا۔

اشاراتی تھیٹر کی طرف سے اشاراتی ڈرامے بھی پیش کئے جاتے ہیں جن کو ملک گیر پیمانے پر پسند کیا جاتا ہے۔

۱۶ رستمبر سے ۲۰ رستمبر تک کی نمائش گاہ (سرینگر) کے تھیٹر ہال میں اکیڈیمی کے زیر اہتمام کشمیر بھگت تھیٹر اکن گام سے وابستہ فن کاروں نے لوک موسیقی کے کئی

پروگرام پیش کئے۔ ان کے علاوہ ان پروگراموں میں وادی کے کئی اور نامور موسیقاروں نے بھی حصہ لیا اور اپنی آواز کا جادو جگایا۔

اکادمی کی سلور جوبلی تقریبات کے سلسلے میں ٹیگو ہال میں فنونِ لطیفہ سے متعلق ۱۹/اور ۲۰/ستمبر کو ایک دوروزہ سمینار کا اہتمام کیا گیا جس کا افتتاح اکادمی کے صدر وزیر اعلیٰ خواجہ غلام محمد شاہ نے ۱۹/ستمبر کو صبح ۱۱ بجے کیا۔ انہوں نے افتتاحی تقریر میں فرمایا کہ ہماری ریاست قدیم زمانہ سے درخشاں تہذیب وتمدن اور علم وادب کا مرکز رہی ہے تمدن اور آرٹ کے میدان میں یہاں ایسی شخصیتیں پیدا ہوئی ہیں جنہوں نے ہماری زندگی پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ غنی کشمیری، اری نہِ مال، للہ عارف، شیخ نورالدینؒ اور حبہ خاتون سے لے کر مہجور، آزاد اور بے شمار دیگر اشخاص نے ہماری خوابیدہ زندگی میں ایک نئی جان ڈالی ہے۔ انہوں نے کہا کہ بابائے قوم جناب شیخ محمد عبداللہ کی کوششوں کی وجہ سے کلچرل اکیڈیمی کی سرگرمیاں بڑھی ہیں۔ اور اس ادارے نے ہمارے تمدن کو مالا مال بنانے میں بہت حد تک اپنا حصہ ادا کیا ہے۔ اگرچہ اکادمی کی کارکردگی تسلی بخش رہی ہے۔ لیکن ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے انہوں نے کہا کہ وہ ادیبوں اور فن کاروں سے کئی مواقع پر بات چیت کر چکے ہیں اور ان کے مسائل سے باخبر ہیں۔

اس سے قبل سیکریٹری اکادمی جناب ٹینگ صاحب نے مہمان خصوصی اور دیگر مندوبین کا استقبال کیا اور گذشتہ ۲۵ سال کے دوران فنون لطیفہ کے سلسلے میں اکادمی کی سرگرمیوں کا جائزہ پیش کیا انہوں نے کہا اس سے قبل ہم جموں میں زبانوں سے متعلق دوروزہ سمینار میں ادیبوں اور دانشوروں کے سامنے اپنے آپ کو پیش کر چکے

ہیں۔ اور آج یہاں فنون لطیفہ سے وابستہ فنکاروں کے سامنے خود کو پیش کر رہے ہیں۔ کہ وہ اکادمی گذشتہ ۲۵ رسالہ کی کارکردگی کے بے لاگ اور پُر خلوص جائزہ لیں اور آئندہ اس کے سفر کی صحیح سمت متعین کرنے میں ہماری رہنمائی کریں۔ کیونکہ کام جاری ہے اور بقول غالب

آرائش جمال سے فارغ نہیں ہنوز پیش نظر ہے آئینہ دائم نقاب میں

آخر پر انہوں نے صاحب صدر اور سبھی مہمانوں کا اس بات کے لئے شکریہ ادا کیا کہ وہ اس تقریب میں شریک ہوئے۔

کافی بریک کے بعد ۱۹ر تاریخ کو مندرجہ ذیل مقالات پڑھے گئے۔

۱۔ کلچرل اکیڈیمی کے ۲۵ سال اور فنون لطیفہ میں پیش رفت

مقالہ نگار: ودیا رتن کھجوریہ

۲۔ کلچرل اکیڈیمی اور فن مصوری مقالہ نگار: سجود سیلانی

۳۔ کلچرل اکیڈیمی اور رقص مقالہ نگار: پران کشور

۴۔ جموں میں سنگیت اور کلچرل اکیڈیمی مقالہ نگار: نرمل ونود

۵۔ کلچرل اکیڈیمی اور موسیقی مقالہ نگار: محمد سبحان بھگت

۲۰ ستمبر کو مندرجہ ذیل مقالات پڑھے گئے۔

۱۔ جموں تھیٹر اور کلچرل اکیڈیمی مقالہ نگار: پروفیسر مدن موہن شرما

۲۔ کشمیر میں تھیٹر اور کلچرل اکیڈیمی مقالہ نگار: علی محمد لون

دونوں ہی دن مقالات پر خوب بحث و تمحیص ہوئی اور کئی گراں قدر مشورے دئے گئے۔

۲۰ رتاریخ کو ایک عصرانے کا اہتمام کیا گیا جس میں سمینار میں شریک مہمانوں کے علاوہ وادی کے سرکردہ ادیبوں، شاعروں، مصوروں، اداکاروں اور دانش وروں نے شرکت کی وزیر تعلیم جناب علی محمد نائیک بھی عصرانے میں شریک ہوئے۔

عصرانے کے بعد شام کے قریب ایک محفل رقص کا اہتمام کیا گیا جس میں کم کم دھر نے اپنے فن کا مظاہرہ کیا۔ یہ بتا دینا مناسب ہوگا کہ کم کم کا تعلق کشمیر سے ہی ہے۔ اگرچہ گو وہ کشمیر میں نہیں رہتیں لیکن اب بھی کچھ کچھ کشمیری بول لیتی ہیں، جس کا مظاہرہ انہوں نے اس موقعہ پر بھی کیا۔

آج کل نہ صرف کلچرل اکیڈیمی بلکہ دوردرشن اور سری نگر کا میڈیکل کالج بھی اپنی سلور جوبلی منا رہا ہے۔ میڈیل کالج کے جشن سیمین کے سلسلے میں ۲۵ رستمبر کو اکیڈیمی کی طرف سے کالج آڈیٹوریم میں ایک محفل موسیقی کا اہتمام کیا گیا جس میں وادی کے سرکردہ گلوکاروں اور موسیقاروں نے حصہ لیا۔ ساز و آواز کا یہ پرگرام رات گئے تک جاری رہا اور اسے بے حد پسند کیا گیا۔

اس سال یکم اکتوبر سے ۵ر اکتوبر ۸۴ء تک ضلع کپوارہ میں اکیڈیمی کی طرف سے ایک ڈرامہ فسٹیول کا اہتمام کیا گیا جس میں ضلع کے پانچ شوقیہ کلبوں نے شرکت کی اور ہزاروں شائقین کو اپنے فن سے محضوظ کیا۔

جشن تمثیل میں شرکت کرنے والے کلبوں اور ان کی طرف سے کھیلے گئے ڈراموں کی تفصیل یوں ہے:

۱۔نونہال ڈرامیٹک کلب "زیرلت/ وہ ِ موج"

۲۔دلشاد تھیٹر "سکول ماسٹر"

۳۔صنوبر ڈرامیٹک کلب "غریب سُند کھاندر"

۴۔گوجری فردوس ڈرامیٹک کلب "نشان"

۵۔یوتھ جنرل کلب "ارمان"

یہ بتانا مناسب ہوگا کہ ان ڈراموں کو پرکھنے کیلئے کئی ماہرین موجود تھے جنکی سفارشات پر مندرجہ ذیل ڈراموں کو انعامات دئے گئے۔

"سکول ماسٹر"......دل شادہ تھیٹر، بٹہ مولا، پہلا انعام۔ایک ہزار روپے

"زبرہ لت" ......نونہال ڈرامیٹک کلب گلگام دوسرا انعام سات سو روپے

اس کے علاوہ مختلف تھیٹروں سے وابستہ اداکاروں کو مختلف ڈراموں میں بہترین اداکاری کیلئے انعامات دئے گئے۔ان میں محمد اکبر بٹ، محمد سرور بٹ، گلاب الدین طاہر کے نام شامل ہیں۔ اسی طرح میک اَپ، لباس اور موسیقی کیلئے بھی مختلف تھیٹروں کو انعامات سے نوازا گیا۔ان میں گوجری فردوس ڈرامیٹک کلب، صنوبر کلب اور دلشاد تھیٹر شامل ہیں۔

ان انعامات کے علاوہ محمد اکبر لون، عبدالغنی ڈار، عبدالاحد راتھر اور غلام حسن بٹ کو توصیفی اسناد دی گئیں۔یاد رہے کہ اکادمی ضلع سطحی کے ڈرامہ فیسٹول میں حصہ لینے والے ہر کلب کو ڈرامہ کی تیاری اور پیشکش کیلئے پانچ سو روپے ادا کرتی ہے۔

کلچرل اکیڈیمی کی طرف سے ہماچل پردیش کے وزیر اعلیٰ شری دیر بھدر سنگھ کی

دعوت پر کلو میں دسہرہ تقریبات میں شرکت کیلئے ایک تمدنی وفد ۵/ اکتوبر کو جموں سے کلو کے لئے روانہ ہوا تھا۔ دسہرہ تقریبات میں اس تمدنی وفد کے پروگرام بے حد پسند کئے گئے اس وفد میں جموں خطہ کے سترہ (مرد و زنانہ) فن کار شامل تھے۔

۱۹/ اور ۲۰/ اکتوبر کو اکادمی کی طرف سے ٹیگور ہال سرینگر میں صوبہ جموں کے دو ڈرامہ کلبوں رکھشا یوتھ کلچرل ایسوایشن اور نٹرنگ نے دو ڈرامے ''آخری سوال'' اور ''چوراہا'' مدعو ناظرین کے سامنے پیش کئے جنہیں بیحد پسند کیا گیا ان دونوں ڈراموں کو صوبہ جموں میں منعقد ڈرامہ فسٹیول میں انعام مل چکا ہے۔ اور اب انہیں صوبہ کشمیر میں پیش کیا گیا اسی طرح صوبہ کشمیر میں پہلا انعام حاصل کرنے والے ڈرامے صوبہ جموں میں دوبارہ پیش کئے جاتے ہیں جس کیلئے پیش کاروں کو پروڈیشن کاسٹ بھی ادا کی جاتی ہے۔

۲۷/ اکتوبر کو شام پانچ بجے ٹیگور ہال میں کلچرل اکیڈیمی کے زیر اہتمام منعقدہ ۲۵ ویں کل ریاستی مصوری کی نمائش کا افتتاح ریاست کے مشہور و معروف مصور جناب ٹی این کول نے کیا۔ اس وقعہ پر انہوں نے ان مصوروں مجسمہ سازوں میں انعامات اور توصیفی اسناد بھی تقسیم کیں۔ جن کی تصاویر اور مجسمے انعام کیلئے چنے گئے تھے۔ یہ بتا دینا مناسب ہوگا کہ اس دن تصاویر اور مجسموں کے جانچنے کیلئے ریاست کے ایک اور سر کردہ مصور جناب غلام رسول سنتوش کی خدمات بطور جج حاصل کی گئی تھیں۔

جناب کول صاحب نے ان نوعمر مصوروں میں بھی انعامات تقسیم کئے جنکے فن پاروں کو بچوں کے تصویروں کے مقابلے میں اس سال انعامات کے لئے چنا گیا تھا۔

انعامات پانے والے مصوروں اور مجسمہ سازوں کے اسمائے گرامی ہیں

اکیڈمی ایوارڈ:

ا۔شری راجیشور ٹھاکر	ایک ہزار روپے
۲۔مس پنجشیل کول	ایک ہزار روپے
۳۔مس نسرین شاہزادی	ایک ہزار روپے
۴۔شری برج موہن شرما	ایک ہزار روپے
ا۔شری شفیع طلبا	تین سو روپے
۲۔مس پرنسی بٹ: طلبا	تین سو روپے
۳شری اشوک کمار کول	تین سو روپے

کیمن ایوارڈ:

ا۔شری گیان چند دھمن	پانچ سو روپے

براڈوے ایوارڈ:

ا۔شری کندن کمار	پانچ سو روپے
۲۔شری شبیر مرزا	پانچ سو روپے

☆